وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝

جسے وسعتیں بھی نہ پاسکیں
وہ نبی کا پاک مقام ہے

سیرت خیر العباد
صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ و تشریح و حواشی "زاد المعاد ابن قیم"

از قلم
مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب

ناشر
ادارہ مدنی دار التالیف بجنور (یوپی)

جسے وسعتیں بھی نہ پا سکیں
وہ نبی کا پاک مقام ہے

سیرتِ خیر العباد

یعنی

ترجمہ و تشریح و حواشی زاد المعاد از ابن قیمؒ

حصہ اول

از قلم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب

ناشر
ادارہ مدنی دار التالیف بجنور یو، پی

مطبوعہ:- مدینہ پریس بجنور - یو۔ پی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب	سیرت خیر العباد
ترجمہ از قلم	مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب
صفحات ہر جزو	دو سو
قیمت ایک جزو غیر مجلد	تین روپئے پچاس پیسے
صرف معاونین حضرات سے	دو روپئے
اجرت جلد ڈائی منقش نقرئی	ایک روپیہ پچاس پیسے
مطبوعہ	مدینہ پریس بجنور

ناشر

ادارہ مدنی دار التالیف بجنور یو،پی

کتبہ عبد المنان خوشنویس

تقریب ادارہ

علامہ ابن قیم کی زادالمعاد سیرت کی وہ عظیم الشان کتاب ہے کہ اس جیسی کتاب نہ پہلے لکھی گئی اور نہ بعد میں، جب بھی سیرت پر قلم اٹھایا گیا ہے اس کتاب کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ لیکن کتاب عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے اردو داں حضرات سے بہت دور تھی۔ اس کے دو ترجمے بھی شائع ہوئے ایک نایاب ہو چکا ہے دوسرا ترجمہ ہندوستانی مسلمانوں کی دسترس سے باہر ہے۔ پھر کتاب ضخیم ہونے کی وجہ سے ہر شخص اسکا ارادہ نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ علامہ ابن قیم کی تحریر اور ان کی حریت فکر جس کی وجہ سے ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کیلئے بہت دشواریاں تھیں اب اس کتاب کا ترجمہ اور تشریح مفتی عزیز الرحمٰن صاحب.... نے کیا ہے اور ان تمام مقامات پر جہاں علامہ ابن قیم نے اختلافی مسائل کا تذکرہ کیا ہے یا صرف اجمال سے کام لیا ہے۔ ...... موصوف نے حاشیہ میں جامع اور مختصر فوائد درج فرما کر کتاب کو حنفی کر دیا ہے جسکی وجہ سے اب کتاب اس مرتبہ کی ہو گئی کہ ایک معمولی نوشت و خواند کی اہلیت رکھنے والا طالب سیرت بلا ضرر کے اس کتاب سے مستفید ہو سکے گا۔ غرضکہ ہر طبقہ کیلئے کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی۔ اس کے علاوہ سابقہ ترجموں میں جو کوتاہیاں تھیں انکو بھی دور کر دیا گیا۔ پھر عبارت آرائی میں حسن اور جمال کو باقی رکھا گیا ہے اس کے علاوہ ہم نے بھی تجارتی نقطۂ نظر سے علیحدہ ہو کر کتاب کو حسین تر بنانے کی کوشش کی ہے اور اپنے منافع کی بالکل فکر نہیں کی۔

چونکہ کتاب ضخیم ہے تقریباً دس بارہ حصوں میں پوری ہوگی جسکا خریدنا غریبوں اور طلبا کے بس سے باہر تھا اس لئے ہم نے ممبری سسٹم شروع کر کے یہ مشکل بھی آسان کر دی ہے۔ اس کے علاوہ جو حضرات سیرت کی نشر و اشاعت میں حصہ لینا چاہیں وہ مبلغ سو روپے بطور امانت جمع فرما دیں ان کی خدمت میں اس کتاب کے تمام حصے اور ہماری اب تک کی مطبوعات اعزازی طور پر نذر ہونگی۔ فقط

والسلام

(ادارہ)

فہرست عنوانات سیرت خیر العباد حصہ اوّل

فہرست مضامین حواشی

مقالہ افتتاحیہ

مشتمل بر

حالات علامہ ابن قیّم تعارف زاد المعاد

فہرست حوالہ جات کتب مندرجہ حواشی

معجم البلدان	از علامہ یاقوت
البدایہ والنہایہ	از حافظ ابن کثیر
اعلام الموقعین	از علامہ ابن قیم
اوشحۃ الجید	از علامہ شوق نیموی
حیات ابن قیم	از شیخ حسین احمد الخطیب
ارشاد الساری	از شیخ عبد الغنی نابلسی
شرح مواہب	از علامہ زرقانی
مجمع الانہر	از علامہ عبد الرحمن رح
تفسیر مظہری	از قاضی ثناء اللہ پانی پتی
رد المحتار	از علامہ ابن عابدین
فتح الملہم	از علامہ شبیر احمد عثمانی
وفاء الوفاء	از " جمال الدین ابو المحاسن
تفسیر حقانی	از " عبد الحق
مناسک	از ملا علی قاری
روح المعانی	از علامہ السید محمود آلوسی
تفسیر کبیر	از امام رازی
تفسیر ابن کثیر	از حافظ ابن کثیر
مرقات	از ملا علی قاری
لامع الدراری	از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
فتاویٰ رشیدیہ	از حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی
اوجز المسالک	از شیخ الحدیث
اکلیل	از شیخ عبد الحق دہلوی رح

فوائد عثمانی	از علامہ شبیر احمد عثمانی
سیرت	از ابن ہشام
سیرت النبی	از علامہ شبلی
الخصائص الکبریٰ	از علامہ سیوطی
الروض الانف	از محدث ابو القاسم عبد الرحمن
عمدۃ القاری	از حافظ بدر الدین عینی
فتح الباری	از " ابن حجر عسقلانی
بلاغ المبین	از مولانا حفظ الرحمن صاحب
بذل المجہود	از " خلیل احمد صاحب سہارنپوری
مصباح اللغات	از " ابو الفضل صاحب بلیاوی
احیاء العلوم	از امام غزالی
فتح القدیر	از امام ابن ہمام
جمع الفوائد	از علامہ ابن اثیر جزری
نفیسی	از حکیم نفیس احمد صاحب
فیض الباری	تقریر علامہ کشمیری
تحفۃ الاحوذی	از "
حیات امام اعظم ابو حنیفہ	از مولف
روضۃ المحبین	از علامہ ابن قیم
امانی الاحبار	از مولانا محمد یوسف صاحب
تذکرہ فضل رحمٰن	از " علی میاں صاحب
نیل الفرقدین	از علامہ کشمیری
نور العینین	از مولانا اشفاق الرحمن صاحب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حالات امام ابنِ قیم جوزیہ

نام ونسب وغیرہ

آپ کا اسم گرامی ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد بن حریز الزرعی ہے آپ دمشق کے رہنے والے تھے۔ چونکہ آپ کے والد ماجد مدرسہ جوزیہ کے ناظم اعلیٰ تھے اس وجہ سے آپ کا لقب ابن قیم جوزیہ ہوگیا اور آخر کار اسی لقب سے مشہور ہوئے۔

ابن قیم دو ہوئے ہیں۔ ایک آپ اور دوسرے ابن قیم مصری ہیں جن کا پورا نام یہ ہے بہاؤ الدین علی بن عیسیٰ بن سلیمان الثعلبی المصری متوفی ذوقعدہ ۶۱۰ھ[1]

ابن قیم جوزیہ کا گھرانہ ایک دیہات . . . کا ساکن تھا۔ جو حولان کا گاؤں تھا آج کل اسکا نام ازراع ہے پہلے اس کو زرا کہتے تھے[2] آپ کے والد ماجد وہیں کے باشندہ تھے لیکن دمشق کی سکونت اختیار کر لی تھی اور مدرسہ جوزیہ کے قیم ہو گئے تھے اس وجہ علامہ کو ابن قیم جوزیہ کہا جانے لگا۔

امام ابن قیم اپنے والد کے بعد اس مدرسہ کے مدرس ہو گئے تھے۔ یہ مدرسہ مشہور عالم ابن الجوزی ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے قائم کیا تھا اس وجہ سے اس مدرسہ کو مدرسہ جوزیہ کہا جانے لگا۔[3]

مدرسہ جوزیہ دمشق میں تھا جو اس وقت گیہوں کی ایک مشہور منڈی سمجھی جاتی تھی۔ ۱۳۲۷ھ میں اس مدرسہ کو ایک عدالت کی صورت دیدی گئی تھی لیکن اس کے بعد کچھ دنوں تک یہ عمارت بند پڑی رہی۔ اب ایک انجمن فلاح المسلمین نے اس کو پھر دوبارہ بچوں کی تعلیم کے لئے کھول دیا ہے۔[4]

پیدائش و وفات

آپ بتاریخ ۷ صفر ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳ رجب ۷۵۱ھ بوقت عشاء وفات پائی۔ یعنی آپ کی عمر تقریباً ۶۱ سال کی ہوئی۔ سن عیسوی کے اعتبار سے ۱۲۹۲ء و ۱۳۵۶ء آپ کا سن ولادت اور سن وفات ہے اور یہی سب سے زیادہ صحیح ہے۔[5]

علامہ کے اساتذہ

امام ابن قیم نے مندرجہ ذیل حضرات سے تعلیم حاصل کی۔

(۱) ابوبکر بن عبدالدائم (۲) عیسیٰ المطعم (۳) ابن الشیرازی

---

[1] حسن المحاضرہ صفحہ ۱۲۳ ج ۱ [2] معجم البلدان از یاقوت صفحہ ۳۵ ج ۱۵ [3] روضۃ المحبین از البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۱۶ ج ۱۳
[4] حاشیہ روضۃ المحبین [5] حیات ابن قیم صفحہ ۸

(۴) اسمٰعیل بن المکتوم (۵) الشہاب النابلسی (۶) تقی الدین سلیمان
(۷) فاطمہ بنت جوہر (۸) ابن ابی الفتح (۹) المجد تونسی
(۱۰) المجد حرانی (۱۱) ابن تیمیہ

علامہ ابن قیم نے علوم عربیہ کی تعلیم ابن ابوالفتح اور المجد تونسی سے حاصل کی اور فقہ المجد دانی اور علامہ ابن تیمیہ سے سیکھا اور حدیث فاطمہ بنت جوہر سے پڑھی۔

ان تمام اساتذہ میں علامہ ابن تیمیہ کا آپ کے قلب پر گہرا اثر ہے اور آپ کو اپنے شفیق استاذ سے والہانہ تعلق ہے اور اس میں اس قدر شدت ہے کہ باوجود حریت فکر کے اکثر مقامات پر اپنے استاذ کے طرفدار نظر آتے ہیں۔

آپ کا تعلق علامہ ابن تیمیہ سے ۷۱۲ھ سے ہوا اور ۷۲۸ھ تک آپ اپنے استاذ کی خدمت میں رہے۔ اس مدت میں آپ نے اپنے استاذ محترم سے بہت کچھ حاصل کیا اور بحث و تحقیق میں علامہ ابن تیمیہ کی حریت فکر اور آزاد روشی اور اجتہادی صلاحیتوں سے پوری پوری طرح واقفیت حاصل کی اور پھر اس میں اس قدر گم ہو گئے کہ باوجود حریت فکر کے دعوے کے غیر شعوری طور پر استاذ کی تقلید میں گرفتار ہو گئے ؂

رہے دیکھتے غیروں کے عیب و ہنر
نہ کی حال اپنے پہ کچھ نظر

قید خانہ اس میں شک نہیں ہے کہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم نہایت مخلص دیندار اور باکمال حضرات میں سے ہیں۔ ان کا علم نہایت بلند اور محکم ہے لیکن اسی کے ساتھ ان کے یہاں دوسروں پر تنقید بہت سخت ہوتی ہے اس معاملہ میں وہ اس قدر آزاد ہیں کہ یہ بھی نہیں سوچ پاتے کہ ان کی نوک قلم کے نیچے کون آرہا ہے حاصل یہ ہے۔

ناوک نے ترے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

اس معاملہ میں وہ اجماع امت تک کی بھی پرواہ نہیں کرتے چنانچہ علامہ ابن قیم اجماع کے متعلق تحریر فرماتے ہیں

جو کوئی اجماع کا دعویٰ کرے جھوٹا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ لوگوں میں اختلاف ہو[۱]

---

[۱] اعلام الموقعین ص ۳۲۵ ج ۲۔

ان دونوں حضرات کے اسی قسم کے دعووں کو دیکھتے ہوئے علما نے ان کے متعلق مخالفانہ آرا کو ظاہر کیا ہے چنانچہ ابن بطوطہ تحفۃ النظار میں ابن تیمیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں

الا ان فی عقلہ شیأ — مگر ان کی عقل میں کچھ کمی تھی

علامہ صلاح الدین خلیل تحریر فرماتے ہیں۔

علمہٗ متسع جداً الی الغایۃ و عقلہٗ ناقص[1] — ان کا علم بے انتہا ہے لیکن عقل ناقص ہے۔

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں علامہ ابن تیمیہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

علمہٗ اکبر من عقلہ — ان کا علم ان کی عقل سے بڑا ہے۔

علامہ ذہبی نے علامہ ابن قیم کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

لکنہٗ معجب برأیہٖ وسئی العقل[2] — وہ خود پسند اور سوئے فہم تھے۔

اس لئے کیا بعید ہے کہ حکومت وقت نے ان کو ایک فتنہ سمجھتے ہوئے یا ان کے معاصروں کی سکھانے بہکانے سے گرفتار کر لیا ہو مگر حالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے خلاف فتویٰ دینے کی بنا پر گرفتار ہوئے۔ پہلے علامہ ابن تیمیہ کو جیل بھیجدیا گیا اور ان کے بعد دوسری جیل میں علامہ ابن قیم کو مقید کیا گیا وہاں سے استاذ محترم کے انتقال کے بعد آزاد ہوئے۔

تلامذۂ ابن قیم

اس میں شک نہیں ہے کہ علامہ ابن قیم اپنے زمانے کے ممتاز ترین علما میں شمار ہوتے ہیں ان کے شاگرد بھی اپنے زمانے کے مایۂ ناز علما میں سے ہیں مثلاً:

١۔ علامہ ابن رجب۔ آپ کا پورا نام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن رجب ہے۔ علامہ ابن قیم نے ان کے علم کی تعریف کی ہے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں سے طبقات الحنابلہ ہے۔

٢۔ مورخ جلیل حافظ ابن کثیرؒ۔ ٣۔ علامہ ابن عبدالہادی۔

تصانیف ابن قیم

علامہ ابن قیم صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ان کے مصری سوانح نگار جناب عبدالعظیم عبدالسلام، شرف الدین نے چند مشہور تصانیف کا تذکرہ کیا ہے لیکن جناب حافظ سید رشید احمد صاحب لیکچرار کراچی یونیورسٹی نے بالاستیعاب انکی تصانیف کی فہرست شائع فرمائی ہے جس کو یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

١۔ اجتماع الجیوش الاسلامیہ مطبوعہ ١٣٠٤ھ و ١٣٥٠ھ

---

[1] ادشحہ [2] ادشحہ

۲۔ اخبار النساء ۳۔ اعلام الموقعین

۴۔ اغاثۃ اللھفان فی طلاق الغضبان

۵۔ " " عن مکاید الشیطان مطبوعہ ۱۳۲۱ھ و ۱۳۵۷ھ

۶۔ امثال القرآن

۷۔ بدائع الفوائد۔ یہ کتاب تفسیری مباحث پر مشتمل ہے۔

۸۔ بطلان الکیمیا

۹۔ بیان الدلیل علی استغناء المسابقۃ عن التحلیل

۱۰۔ التبیان فی اقسام القرآن مطبوعہ ۱۳۲۱ھ و ۱۳۵۲ھ

۱۱۔ التحریر فیما یحلّی و یحرم من التحریر

۱۲۔ تفسیر الفاتحہ ۱۳۔ تفسیر المعوذتین

۱۴۔ تحفۃ الودود فی احکام المولود ۱۵۔ التحفۃ المکیہ

۱۶۔ تفضیل مکۃ علی المدینۃ ۱۷۔ تہذیب مختصر سنن ابی داود

۱۸۔ جلاء الافہام فی الصلوٰۃ علی خیر الانام

۱۹۔ جواب عابدی الصلبان ۲۰۔ الجواب الشافی

۲۱۔ حادی الارواح ۲۲۔ حرمۃ السماع

۲۳۔ حکم اغمام ہلال رمضان ۲۴۔ حکم تارک الصلوٰۃ

۲۵۔ الرسالۃ الحلبیۃ ۲۶۔ رفع التنزیل

۲۷۔ رفع الیدین فی الصلوٰۃ ۲۸ کتاب الروح

۲۹۔ روضۃ المحبین ۳۰۔ زاد المسافرین

۳۱۔ زاد المعاد۔ سیرت پر بہترین کتاب ہے اسی کا ترجمہ اور تشریح پیش کی جا رہی ہے۔

۳۲۔ السنۃ والبدعۃ ۳۳۔ شرح اسماء الکتاب العزیز

۳۴ شرح اسماء الحسنیٰ ۳۵۔ شفاء العلیل

۳۶۔ الصبر والسکن ۳۷۔ الصراط المستقیم

۳۸۔ الصواعق المنزلہ ۳۹۔ الطاعون

۴۰۔ طیب القلوب ۴۱۔ الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ

۴۲۔ طریق الہجرتین
۴۳۔ عدۃ الصابرین
۴۴۔ عقد المحکم
۴۵۔ الفتح القدسی
۴۶۔ الفرق بین الخلۃ والمحبۃ
۴۷۔ فضل العلم
۴۸۔ الفروسیۃ
۴۹۔ الفوائد
۵۰۔ الفوائد المشرق
۵۱۔ الکافیۃ الشافیۃ فرق باطلہ میں
۵۲۔ " " نحو میں
۵۳۔ الکبائر
۵۴۔ الکلم الطیب
۵۵۔ السائل
۵۶ مدارج السالکین
۵۷۔ معانی الادوات والحروف
۵۸ مفتاح دار السعادۃ
۵۹۔ المہدی
۶۰ المہذب
۶۱ نقد النقول
۶۲ تفسیر القیم
۶۳ نکاح المحرم
۶۴۔ نور المومن
۶۵۔ ہدایۃ الحیاری
۶۶۔ الوابل
۶۷۔ الرسالۃ التبوکیہ
۶۸۔ الایجاز فی المجاز۔[۱]

ممکن ہے کہ ان کتابوں کے علاوہ علامہ کی اور دوسری کتابیں بھی ہوں۔ ان میں بیشتر کتابیں مختصر رسالوں کی صورت میں ہیں اور بعض کتابیں کافی ضخیم ہیں ان میں سے ایک کتاب "زاد المعاد" بھی ہے۔

زاد المعاد علامہ ابن قیم نے یہ کتاب حالت سفر میں تحریر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کیونکہ یہ چند اوراق میں نے حضر میں نہیں بلکہ سفر میں تحریر کئے ہیں قلب بھی پریشان رہا اور ہمت بھی جواب دیتی رہی، پھر کتابوں کا ذخیرہ بھی پاس نہ رہا۔[۲]

شرح اسمائے گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر عنوان لفظ احمد کی تشریح کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

انما ذکرنا ھھنا کلمات یسیرۃ	اس جگہ ہم نے چند کلمات مسافر کے اقتضائے
لاقتضاء حال المسافر وتشتت	حال اور اس کی قلبی پریشانی اور ٹوٹی ہوئی
قلبہ وتفرق ھمتہ	ہمت کی بنا پر لکھدیئے ہیں۔

---

[۱] مقدمہ حیات ابن قیم [۲] مقدمہ زاد المعاد

لیکن اس کے باوجود کتاب اپنے مقام رفعت میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ سیرت پر اسلامی دنیا میں اس سے زیادہ بہترین کتاب نہ پہلے لکھی گئی اور نہ بعد میں۔ یہ امام ابن قیم کا خلوص اور علمی مقام ہی کا نتیجہ ہے کہ اتنی بلند مرتبت کتاب وجود میں آگئی۔ ذٰلك فضل الله یؤتیه من یشاء

سب سے پہلے یہ کتاب غیر منقسم ہندوستان میں ۱۳۲۸ھ میں طبع ہوئی اس کے بعد مصر میں اسکے چند ایڈیشن طبع ہوئے۔ پاکستان میں نفیس اکیڈیمی نے اس کا ترجمہ چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔

کتاب اپنے اسلوب بیان اور حقائق و معارف میں نہایت بلند مرتبہ رکھتی ہے آج تک جتنی حضرات نے سیرت پر قلم اٹھایا ہے ان کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر رہا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سیرت پر تحقیقی مطالعہ کرنے کے لئے اس کتاب سے استغنا ناممکن ہے۔

اس کتاب میں علامہ ابن قیم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے تمام گوشوں کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں بیان کیا ہے لیکن اس کے ضمن میں جہاں کہیں بھی ذیلی مباحث آگئے ہیں مثلاً حضور صلعم کے سلسلہ میں "ذبیح کون تھا؟ یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے یا حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے؟ پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے اسی طرح جہاں کہیں علم نحو، بیان، منطق، علم کلام، تفسیر وغیرہ کے مسائل آگئے ان پر بھی خوب کلام کیا ہے۔

فقہی مسائل میں چونکہ علامہ ابن قیم بالکل آزاد ہیں اس لئے وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے بھی مسلک کی حمایت نہیں کرتے۔ ہاں ان کی رائے کے مطابق جس امام کا بھی مسلک ہوتا ہے اس کو وہ اعلانیہ بیان کرتے ہیں اور سراہتے ہیں ویسے وہ حنبلی نقطۂ نظر کے معتقد ہیں کیونکہ پہلے وہ اسی مسلک کے پیرو اور مقلد تھے۔ بہر حال اس کتاب اور اعلام الموقعین اور فقہ سے متعلق اپنی دیگر کتابوں میں تردید کے لئے انھوں نے فقہ حنفی کو ہدف بنایا ہے۔ اسی وجہ سے ضرورت پیش آئی کہ ان کا تعاقب کیا جائے۔

سبب تالیف ترجمہ وتشریح

زاد المعاد کا ترجمہ کرنے کا پہلے سے کوئی داعیہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک دن ویسے ہی خالی بیٹھا ہوا تھا۔ زاد المعاد کو دیکھنا شروع کیا اور ایک دو صفحہ کا ترجمہ لکھ ڈالا۔ اس کے بعد اور کچھ آگے بڑھا۔ مضامین کی خوبی اور ندرت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایمانی تعلق نے: جو ہر مومن کے قلب میں موجود ہے اپنی طرف کھینچ لیا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ زاد المعاد کا ترجمہ کر دیا جائے۔

زاد المعاد اول تو ضخیم کتاب ہے دوسرے علامہ ابن قیم کے قلم سے تیسرے عربی زبان میں جس کی وجہ سے یہ کتاب ان ہی لوگوں کے لئے زیادہ مفید ہے جو عربی زبان سے واقف ہیں اور ان میں بھی ان حضرات

کے لئے بہت زیادہ مفید ہے جن کو علوم اسلامیہ سے اچھی طرح واقفیت ہے لیکن اردو داں حضرات اس کے یکسر محروم تھے۔

زاد المعاد کا اردو ترجمہ اگرچہ رئیس احمد جعفری نے کیا ہے لیکن یہ کتاب پاکستان میں شائع ہوئی تھی جس سے ہندوستان کے مسلمان موانع رسل ورسائل کی بنا پر تقریباً محروم تھے اس لئے ہندوستان میں اس کی اشاعت بہت ضروری تھی۔

چونکہ ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کی بیشتر آبادی حنفی مکتب فکر سے متعلق ہے ان کے لئے محض رئیس احمد جعفری کا ترجمہ شائع کر دینا میرے نزدیک مفید نہیں تھا پھر طبائع چونکہ حریت پسند ہوتی جارہی ہیں ان کو محض رئیس احمد جعفری کے ترجمہ پر ہی چھوڑ دینا میرے نزدیک مضر تھا اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ ترجمہ کے ساتھ علامہ ابن قیم کے مدلات پر نشان لگایا جائے۔

ترجمہ وتشریح رئیس احمد جعفری نے زاد المعاد کا ترجمہ کر کے مترجمین کی صف میں اگرچہ داخلہ کرالیا ہے لیکن انھوں نے ترجمہ کا حق نہیں ادا کیا۔ ترجمہ کا ایک صفحہ بھی ایسا نہیں جس میں ترجمہ کی متعدد غلطیاں نہ ہوں پھر مشکل الفاظ کا ترجمہ ہی نہیں کیا۔ چنانچہ میں نے ایک ہزار سے بھی زیادہ ایسی غلطیاں پکڑی ہیں کہ جن کا ترجمہ نہیں کیا یا بالکل غلط کیا ہے۔ مثلاً ایک ہی صفحہ کی چند غلطیاں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ زیر عنوان حضور صلعم کا مختون پیدا ہونا۔

۱۔ الحشفة تغلظ وکلما غلظت ارتفع الختا ن فاما اذا کان الختان دون النصف۔ اس عبارت کا ترجمہ نہیں کیا۔

۲۔ لا ادری:۔ اس کا ترجمہ کیا ہے۔ میرے خیال میں تو کوئی حرج نہیں ہے یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے

۳۔ ثم قال لی۔ اس کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ یہاں قال کا قائل میمونی نہیں بلکہ ابو عبداللہ ہے۔

۴۔ حدثنی صاحبنا:۔ اس کا ترجمہ نہیں کیا حالانکہ ابن قیم کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے میرے ایک محدث دوست ابو عبداللہ محمد بن عثمان الخلیلی نے کہا۔

۵۔ وفی هذا الباب۔ حدیث مسند غریب۔ اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ یہ روایت ابو عمرو بن عبدالبر کی ہے۔ مسند کی یہ روایت غریب ہے۔ حالانکہ ترجمہ یہ ہے کہ علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا اس باب میں حدیث مسند غریب ہے۔

۶۔ بین رجلین فاضلین:۔ اس کا مطلب لکھا ہے یہ مسئلہ علمائے خاص کے درمیان باعث

اختلاف ہے۔ حالانکہ مطلب یہ ہے کہ علامہ ابن قیم نے کہا کہ اس مسئلہ میں دو عالموں میں اختلاف ہوا۔ ان میں سے ایک نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ تصنیف کر دیا۔

۷۔ اختلف فی اسلام ابویہ:۔ اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "ان کے والدین کے اسلام میں علما کو اختلاف ہے"۔ اس سے پڑھنے والا یہی پڑھے گا کہ حلیمہ سعدیہ کے والدین کے اسلام کے بارے میں علما کو اختلاف ہے۔ حالانکہ ابویہ کی ضمیر کا مرجع حضور صلعم ہیں اس صورت میں ترجمہ یہ ہے کہ حضور صلعم کے رضاعی والدین۔ حلیمہ اور ان کے شوہر کے اسلام کے متعلق علما کو اختلاف ہے۔

یہ صرف ایک صفحہ کی عبارت کی خامیاں ہیں اسی طرح تقریباً سینکڑوں صفحات کی کتاب کا اندازہ لگایئے۔

ان چیزوں کو لکھنے سے میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں رئیس احمد جعفری کی محنت میں کیڑے نکال رہا ہوں بلکہ مقصود صرف اس قدر ہے کہ راقم الحروف ترجمہ میں ان کا خوشہ چیں یا مقلد نہیں اور نہ میرے ترجمہ کو اس سے کوئی واسطہ (جس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ میں ناقل ہوں اور بلا ضرورت شوق تصنیف کو پورا کر رہا ہوں) بلکہ اس ترجمہ کے پڑھنے پر آپ محسوس کریں گے کہ بحمد اللہ میں نے ایک کمی کو دور اور ایک ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ رئیس احمد جعفری نے ترجمہ کے ابتدائی سو صفحات کا خامیوں کے باوجود ترجمہ کیا ہے لیکن اس کے بعد اللہ کے بندے نے زاد المعاد کی بالکل ریڑھ مار دی کہیں دس دس سطروں کا ترجمہ غائب۔ کہیں مستقل عنوان غائب ہے کہیں صرف مفہوم اور خلاصہ ہی ذکر کر دیا ہے بلا شک رئیس احمد جعفری نے جو ترجمہ کیا ہے وہ زاد المعاد کے حق میں خیانت ہے اہل علم کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اس قدر خیانت کریں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بہرحال احقر راقم الحروف کا ترجمہ اور تشریح جناب رئیس احمد جعفری سے بالکل الگ ہے۔ ترجمہ بامحاورہ اور سلیس اردو میں کرنے کی کوشش کی گئی جہاں کہیں تشریح کی ضرورت پیش آئی ہے اس کو تفسیری حروف اور علامات کے ذریعہ اسی جگہ ظاہر کر دیا ہے۔ آیات، احادیث اور بعض اہم اقوال کو حوض میں اصل و ترجمہ دونوں کو ساتھ ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ بعض جگہ حسب ضرورت اردو اشعار کو لا کر عبارت میں رنگینی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زاد المعاد کا ترجمہ نظر انداز کر دیا گیا ہے یہ اشعار اردو ترجمہ کی مزید تشریح کے طور پر درج کئے گئے ہیں۔ غرضکہ جن حضرات کو میرا اور جناب رئیس احمد جعفری کا ترجمہ دیکھنے کا اتفاق ہو گا وہ میری اس کوشش کو رئیس احمد صاحب جعفری سے منزلوں آگے پائیں گے ؎

حور پہ آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

یہ بھی اس جگہ عرض کرنا ضروری ہے کہ زاد المعاد کے خطبہ اور اس سے متعلق کچھ عبارت جو مجموعی طور پر ایک صفحہ ہوگی کا میں نے ترجمہ نہیں کیا بلکہ اسکو چھوڑ دیا ہے۔

حواشی

ترجمہ اور تشریح کے بعد اس کتاب میں حواشی خاص چیز ہیں۔ ان حواشی میں راقم الحروف نے زاد المعاد کو حنفی بنایا ہے و للہ الحمد۔ اور یہ چیز جناب رئیس احمد صاحب جعفری کے ترجمے میں نہیں ہے اب زاد المعاد کا ترجمہ پڑھنے والا جہاں اس سے استفادہ کرے گا وہاں حنفی مسلک بھی اس کے سامنے رہے گا۔ ایک حنفی کے لئے اپنے مسلک کی حقانیت اور دوسروں کے لئے دونوں نقطہ نظر کا فرق کھل کر سامنے آئے گا۔ اگر آج علامہ ابن قیم زندہ ہوتے اور ان حواشی کے ساتھ اپنی زاد المعاد کو پڑھتے تو ضرور کچھ نہ کچھ سوچتے۔ وہ وقت ختم ہوا کہ جب کتابوں کی قلت کی بنا پر بہت سی چیزیں پردہ خفا میں رہیں۔ آج تو علم کا دور دورہ ہے۔

حواشی میں صرف فقہی نقطہ نظر کو پیش نہیں رکھا بلکہ جہاں بھی اجمال تھا یا علامہ نے جس فن سے متعلق کوئی بحث کی ہے اور وہ میرے نزدیک قابل تشریح اور تحشیہ تھی اس پر حاشیہ دیا ہے۔ اس طرح یہ حواشی بھی مختلف علوم پر مشتمل ہیں پھر تفصیلی حواشی کو سرخیوں کے ساتھ اس طرح ترتیب دیا ہے کہ جن کو اگر علیحدہ کر دیا جائے تو وہ مستقل ایک کتاب بن جائیں گے و للہ الحمد۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح علامہ ابن قیم نے زاد المعاد کو سفر میں تحریر فرمایا ہے اسی طرح راقم الحروف کا ترجمہ اور حواشی سفر اور حضر دونوں میں وجود میں آئے ہیں۔ تبلیغی اسفار میں کتابوں کے حسب ضرورت ذخیرہ کو ساتھ رکھ کر سفر کیا اور بعض جگہ ایسا بھی ہوا کہ حواشی کی عبارتیں اور حوالے صرف یاد داشت کی بنا پر درج کر دیئے گئے۔ مستقر پر آکر ان کو جب دیکھا گیا تو وہ اپنی جگہ درست پائے گئے و للہ الحمد۔

اس کے باوجود مجھے اپنی کم مائیگی اور بے مائیگی اور ہیچمدانی کا پورا احساس ہے میری اس کوشش میں کوئی سقم اور عیب نہ ہونا ناممکن ہے۔ یہ صفت تو خدائی کلام کو حاصل ہے انسان کے کلام میں اس کا نہ ہونا ... نقص ہے اس لئے قارئین کرام اس کو پڑھنے کے بعد جو چیز بھی اپنے نزدیک قابل اصلاح سمجھیں اس سے ضرور مطلع فرمائیں۔

انھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں
زبان میری ہے بات ان کی

والسلام — عزیز الرحمٰن غفرلہٗ
مدنی دار الافتاء بجنور ۱۶ رجب ۸۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

زاد المعاد ابن قیّم جوزیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فضیلت مکہ معظمہ

اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کو شہروں اور مقامات میں سب سے افضل[1] قرار دیا ہے اور اسی کو اپنے رسول برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اختیار کیا (یعنی آپ کو اسی شہر میں پیدا فرمایا) اور اسی کو اپنے بندوں کے مناسک ادا کرنے کا مرکز قرار دیا اور تمام مومنین پر واجب کر دیا کہ وہ دور دراز اور دشوار گزار علاقوں سے یہاں آئیں چنانچہ وہ خشوع اور خضوع اور ذلت وانکساری کے ساتھ ننگے سر اور ننگے پیر اور دنیاوی زیب وزینت کے لباس سے بے نیاز ہو کر یہاں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقدس شہر کو ہر طرح سے محترم قرار دیا ہے۔ نہ یہاں خونریزی جائز ہے اور نہ یہاں کا کوئی درخت کاٹا جا سکتا ہے اور نہ یہاں شکار کھیلا جا سکتا ہے اور نہ اس سرزمین کے خودرو سبزے کو اکھاڑا جا سکتا ہے[2]۔ یہاں کی گری پڑی اشیاء (لقطہ) کو کوئی شخص اپنی ملک میں لانے کے لئے نہیں اٹھا سکتا بلکہ اس کی تعریف اور تشہیر کے لئے اٹھا سکتا ہے[3]۔

جو شخص اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی اور خطاؤں کی تلافی کے لئے یہاں آتا ہے تو بخاری ومسلم میں ایسے شخص کے متعلق ایک حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی سے مروی ہے۔

قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من اتی ھذا البیت	فرماتے ہیں، حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس گھر (بیت اللہ) میں آیا اور وہ نہ گندگیوں

---

[1] امت کا اس پر اتفاق ہے کہ مکہ اور مدینہ تمام شہروں میں افضل ہیں اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں کون افضل ہے ائمہ ثلاثہ کا ارشاد ہے کہ مکہ افضل ہے لیکن مالکیہ اور بعض شوافع کہتے ہیں کہ مدینہ افضل ہے بعض علماء نے دونوں قول کو تطبیق اس طرح دی ہے کہ حضور صلعم کی موجودگی میں مدینہ ہی افضل تھا ہاں اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ وہ بقعہ مبارک جہاں حضور صلعم کا جسد اطہر مدفون ہے وہ کعبہ عرش وکرسی اور تمام کائنات سے افضل ہے ۱۲ ارشاد الساری ۳۵۱ سے وہ کعبہ کا بھی کعبہ ہے جو روضہ ہے محمد کا۔ حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں حضور صلعم کی طینت ناف ارض (مکہ) ہے جسکو کہ ام القریٰ کہتے ہیں اسی وجہ سے حضور صلعم کو امی کہتے ہیں کیونکہ آپ ام الخلیقہ ہیں یعنی حضور صلعم تکوین میں اصل ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف میں اسکی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ خلق ارض سے پہلے پانی تھا اس کی بیت اللہ کی جگہ ایک لطیف بلبلہ نمودار ہوا جو زمین کا ابتدائی مرکز تھا وہی خاک پاک حضور صلعم کی طینت ہے وہی بلبلہ تقسیم ہو کر مدینہ منورہ میں اس جگہ مستقر ہو گیا جہاں آپکا روضہ اطہر ہے لہٰذا آپ جس خاک پاک سے پیدا ہوئے اسی میں دفن ہوئے۔ ۱۲ شرح مواہب زرقانی ج ۱ ص ۴۳

[2] یعنی داخل حدود حرم کا سبزہ اکھاڑنے یا درخت کاٹنے کا بقدر قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگا

[3] یعنی اگر داخل حدود حرم سے کسی کی گری پڑی چیز اٹھائی گئی تو اس کی تشہیر اور اعلان کیا جائیگا۔ حنفیہ کے نزدیک حدود حرم سے خارج کے لقطہ کا بھی یہی حکم ہے۔ مگر امام ابن قیم نے امام شافعی صاحب کے مسلک کو اختیار کیا ہے

فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدت امه لم یرض ...... من الثواب دون الجنة

میں مبتلا ہوا اور نہ فساد میں پھنسا وہ اپنے گھر ایسا لوٹے گا گویا کہ اسکی ماں نے اسکو اسی دن جنا ہے پھر حق تعالی بھی یہاں آنیوالے کیلئے بجز جنت کے کسی دوسری چیز کو پسند نہیں کرتے

اور سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی کی روایت ہے فرماتے ہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تابعوا بین الحج والعمرة فانهما ینفیان الفقر والذنوب کما ینفی الکیر خبث الحدید ولیس للحج المبرور ثواب دون الجنة۔

آپ نے ارشاد فرمایا حج اور عمرہ کو ادا کرو کیونکہ یہ دونوں افلاس اور گناہوں کو اس طرح چھانٹ دیتے ہیں جیسے لوہے کی بھٹی اس کے میل کو۔ اور حج مبرور کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت ہریرہ رضی سے مروی ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال العمرة الی العمرة کفارة لما بینهما والحج المبرور لیس له جزاء الا الجنة

ایک عمرہ اپنے پہلے عمرہ تک کی درمیانی مدت کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور حج مقبول کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔

الحاصل اگر یہ بلد امین اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام شہروں سے مکرم اور محبوب ترین نہ ہوتا تو اللہ اس کی وادیوں کو اپنے بندوں کے لئے عبادت گاہ (حج) قرار نہ دیتا اور وہاں جانے (حج کرنے) کو اپنے بندوں پر فرض نہ کرتا پھر اللہ تعالیٰ نے اس جگہ عبادت (حج) ادا کرنے کو فرائض میں مؤکد قرار دیا (حدیہ ہے کہ ادائے حج رکن اسلام ہے)

مکہ مکرمہ کی اسی شرافت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو جگہ اس کی قسم کھائی ہے:۔

(۱) وهذا البلد الامین (۲) لا اقسم بهذا البلد۔

روئے زمین پر بجز اس خطہ کے کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ صاحب استطاعت پر اس کی طرف سفر کرنا فرض ہو اور اس کا طواف کرنا ضروری ہو اور سوائے حجر اسود اور رکن یمانی کے روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں جس کو چومنا اور چھونا جائز ہو اور اس کے چومنے یا چھونے سے گناہ زائل ہوتے ہوں[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

---

[1] علامہ کی اس تصریح سے ظاہر ہے کہ مزارات کا طواف اور انکو بوسہ دینا حرام ہے۔ اس باب میں حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ان الصلوٰۃ فی المسجد الحرام بمائۃ الف صلوٰۃ

مسجد حرام میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ثواب میں ایک لاکھ گنا زیادہ ہے

اور نسائی و مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے۔

انہ قال صلوٰۃ فی مسجدی هذا افضل من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام وصلوٰۃ فی المسجد الحرام افضل من صلوٰۃ فی مسجدی هذا بمائۃ صلوٰۃ

آپ نے ارشاد فرمایا میری اس مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار گنا زیادہ افضل ہے مگر مسجد حرام سے کہ اس میں نماز پڑھنا میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے سو گنا زیادہ ہے[1]

علامہ فرماتے ہیں ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس حدیث کو روایت کیا ہے اور یہ امر تو واضح ہے کہ مسجد حرام روئے زمین پر مطلقاً سب جگہوں سے افضل ہے اسی وجہ سے اس کی طرف شد رحال یعنی عزم سفر فرض ہے اور دوسری جگہوں کے لئے سفر کرنا مستحب ہے واجب نہیں[2]۔ اور مسند احمد، نسائی اور ترمذی میں حضرت عبداللہ

---

[1] امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ خصوصیت صرف فرض نماز کیلئے ہے نوافل کیلئے گھر افضل ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے افضل الصلوٰۃ صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ۔ متفق علیہ مظہری ج ۹ ص ۹۳ رد المختار ج ۱ ص ۴۸۶ امام ابویوسف کا وہی مسلک ہے جو اوپر گزر چکا ہے دونوں طرف دلائل بکثرت ہیں واللہ اعلم۔

[2] **مسئلہ شد رحال** اس مسئلہ میں علامہ ابن قیم نے راہ اعتدال کو اختیار کیا ہے وجہ اختلاف دراصل ایک حدیث ہے جسکو اصحاب سنن اور امام مسلم نے روایت کیا ہے لا تشد والرحال الا الی ثلاثۃ مساجد مسجدی هذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصٰی یعنی تین مسجدوں کے علاوہ سفر کرنا جائز نہیں ہے (۱) مسجد نبوی (۲) مسجد حرام اور (۳) بیت المقدس اسی حدیث کے تحت علماء نے بیان کیا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ محض سفر زیارت قبر نبی علیہ الصلوٰۃ کی حرمت کے قائل ہیں۔ علماء کرام اور ائمہ فن نے اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے کلام کیا ہے جسکو اختصار کے ساتھ وفاء الوفاء سے نقل کیا جا رہا ہے۔

حدیث شد رحال کا یہ مطلب ہے کہ مسجدوں میں سے صرف تین مسجدوں کیلئے سفر کرنا جائز ہے یعنی مسجد نبوی، مسجد حرام، مسجد اقصٰی۔ لیکن دوسرے مقامات کیلئے سفر کی ممانعت اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ عرفات میں وقوف کے لئے بھی سفر کیا جاتا ہے اور یہ بالاجماع واجب ہے ایسے ہی سفر جہاد، سفر ہجرت وغیرہ اسی طرح سے تجارت اور دوسرے اغراض کیلئے بھی سفر جائز ہے حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلعم کی خدمت میں طور پر نماز پڑھنے کا ذکر ہوا تب آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین مسجدوں میں نماز پڑھنے کیلئے تو سفر جائز ہے اور اسکے علاوہ نہیں اور وہ مسجدیں (یعنی مسجد نبوی، مسجد حرام، مسجد اقصٰی ہیں) الخ ج ۱ ص ۴۱۵۔

مقصود یہ ہے کہ لوگوں کی اس ذہنیت کو ختم کرنا ہے کہ وہ ان مسجدوں کے علاوہ نماز کیلئے اور دوسری مسجدوں کی طرف شد رحال (سفر) کریں چنانچہ اگر غور کیا جائیگا تو بہت سی مصلحتیں سامنے آجائیں گی۔ جہانتک علماء صلحا اور اولیاء اللہ کی زیارت یا مقامات مقدسہ کی زیارت کا

(باقی اگلے صفحہ پر)

ابن عدی بن حمراء سے روایت ہے کہ

انه سمع رسول الله صلی الله	انھوں نے حضورؐ کو فرماتے سنا کہ آپ اپنی سواری
علیه وسلم وهو واقف علی راحلته	پر مقام حزورہ میں تھے فرماتے تھے قسم ہے خدا
بالحزورۃ[1] من مکة یقول والله انك	(اے مکہ) تو اللہ کی بہترین زمین ہے اور اللہ کے
لخیر ارض الله واحب ارض الله الی	نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے تجھ سے
الله لولا انی اخرجت منك لما خرجت	نہ نکالا جاتا تو میں نہ نکلتا۔

خصائص مکہ مکرمہ

مکہ معظمہ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ یہ تمام اہل زمین کا قبلہ ہے روئے زمین پر اس کے علاوہ کوئی قبلہ نہیں۔ یہی اس کی خصوصیت ہے کہ قضائے حاجت (پیشاب و پاخانہ) کے وقت اس کی طرف رخ کرنا حرام ہے۔ زمین کے دوسرے خطوں کو یہ شرف اور خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں صحیح ترین مذہب یہ ہے کہ اس معاملہ میں میدان اور عمارت دونوں کا یکساں حکم ہے یعنی قضائے حاجت کے لئے ادھر کو رخ کرنے میں میدان اور بیت الخلا دونوں کا حکم یکساں ہے[2]۔

اس کے لئے میرے پاس دس سے کچھ زیادہ دلیلیں ہیں جن کو میں نے کسی دوسری جگہ ذکر کیا ہے اور ان کے مقابلہ میں کوئی دلیل نہیں لائی جا سکتی اور میدان اور عمارت کی تعین کی مقدار میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بہر حال یہ جگہ دونوں مذہبوں کے دلائل ذکر کرنے کے لئے مناسب نہیں ہے۔

مکہ مکرمہ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد حرام روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی مساجد میں سے پہلی مسجد ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔

سالت رسول الله صلی الله علیه	میں نے حضور صلعم سے زمین پر سب سے پہلی
وسلم عن اول مسجد وضع فی الارض	مسجد کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا مسجد
قال المسجد الحرام قلت ثم ای قال	حرام ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد۔ ارشاد فرمایا
المسجد الاقصی قلت کم بینهما	مسجد اقصیٰ ہے۔ میں نے دریافت کیا دونوں کے

گذشتہ سے پیوستہ:۔ سوال ہے اس کو علمائے بشرط عدم مفاسد جائز قرار دیا ہے۔

[1] حزورہ مکہ معظمہ کے ایک بازار کا نام ہے۔ مکہ معظمہ کی فضیلت کے متعلق یہ الفاظ آپ نے دو مرتبہ ارشاد فرمائے ہیں۔ اول ہجرت کے وقت دوم فتح مکہ کے موقعہ پر۔ یہاں راوی نے فتح مکہ کے وقت کا واقعہ روایت کیا ہے۔ تفسیر مظہری صہ ۹۲ ج ۲۔

[2] امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد فرماتے ہیں بنیان (عمارت) میں قضائے حاجت کے وقت استقبال و استدبار قبلہ جائز ہے۔

قال اربعون عاماً — درمیان کتنی مدت کا فصل ہے ارشاد فرمایا ۴۰ سال کا

ابن قیم فرماتے ہیں بعض حضرات اپنی کم فہمی کی بنا پر اس حدیث کا مطلب نہیں سمجھ پائے ان لوگوں کو اشکال ہے کہ مسجد اقصیٰ کے بانی حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام ہیں اور ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام (معمار کعبہ) کے زمانہ میں ایک ہزار سال کا فصل ہے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ اعتراض جہالت کی بنا پر ہے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تو بیت المقدس کی تجدید کی تھی تاسیس نہیں اس کے بانی تو حضرت یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں جنھوں نے بیت اللہ کی بنیاد کے چالیس سال کے بعد مسجد اقصیٰ کی بنیاد ڈالی[۱]۔

خصائص مکہ مکرمہ پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ ام القریٰ ہے گویا کہ تمام بستیاں اس کے تابع یا اس کی فرع ہیں اور یہ سب کی اصل ہے لہٰذا بستیوں میں سے کوئی اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے

انھا ام القرآن — وہ ام القرآن (اصل قرآن) ہے۔

لہٰذا آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں کوئی سورت اس کے مساوی مرتبہ کی نہیں ہے۔

اور مکہ مکرمہ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ جو لوگ یہاں کے مستقل باشندے نہیں ہیں بلکہ دوسرے مقامات کے رہنے والے ہیں ان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ یہاں بلا احرام باندھے ہوئے آئیں لیکن وہ باشندے جو حدود حرم میں نہیں رہتے بلکہ داخل میقات اور خارج حرم رہتے ہیں وہ اپنی روزانہ کی ضروریات کے لئے بلا احرام باندھے بھی آ سکتے ہیں[۲]۔ یہ خصوصیت اس شہر کے علاوہ کسی دوسرے شہر کو حاصل نہیں ہے۔

۱؎ مسجد اقصیٰ جو ملک شام میں ہے اسی کے ایک حصہ کا نام فلسطین ہے اسے زمانہ قدیم میں کنعان کہتے تھے۔ جغرافیہ فرہاد میں ہے "کنعان اسم قدیم است" کنعان اس کا قدیم نام ہے۔ یہاں پہلے بابل اور نینوا کے حکمرانوں کی حکومت تھی یہیں حضرت ابراہیم ؑ ہجرت کر کے آئے تھے جس جگہ یہ مسجد ہے اہل کتاب کے عقیدے کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کو یہیں ذبح کیا تھا اور یہیں پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب میں اللہ تعالیٰ سے تین بار باتیں کی تھیں جس کی وجہ سے اس جگہ کو بیت ایل (خدا کا گھر) کہا گیا۔ یہیں پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے خدا کے حکم سے مسجد تعمیر کرائی جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تقریباً بارہ سو برس کا فصل بتایا جاتا ہے۔ پھر حضرت عمر رضؓ نے اس جگہ مسجد تعمیر کرائی جس کو بیت المقدس کہا جاتا ہے پھر ۹۳۴ھ میں سلطان سلیمان بن سلیم شاہ نے اس کی مرمت کرائی۔ غرضیکہ اس کی طویل تاریخ ہے جو تفسیر حقانی میں موجود ہے۔

۲؎ اس مسئلہ میں حنفیہ کا یہی مسلک ہے کہ جو شخص داخل میقات اور خارج حرم (حل) میں رہتا ہے اس کے لئے مکہ مکرمہ میں اپنی ضروریات کے لئے آنے میں احرام باندھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر یہ شخص حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ جائے گا تو اس کو احرام باندھنا پڑے گا۔ مناسک ملا علی قاری ص ۳۱۔

یہ (دخول مکہ باحرام کا) مسئلہ لوگوں نے حضرت بن عباس رضؓ سے سیکھا ہے. حضرت ابن عباس رضؓ سے مرفوعاً روایت ہے جسے حجت قرار نہیں دیا جا سکتا.

لا یدخل احد مکۃ الا باحرام	مکہ میں کوئی بھی خواہ وہاں کا باشندہ ہو یا نہ ہو
من اھلھا ومن غیر اھلھا	بلا احرام کے داخل نہیں ہو سکتا.

ابو احمد بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ اس روایت کی سند میں حجاج بن ارطاۃ اور دوسرے راوی ایسے موجود ہیں جو ضعیف راویوں سے بھی روایت کر ڈالتے ہیں اور فقہاء کرام کے اس مسئلہ میں تین قول ہیں پہلا قول نفی کا ہے دوسرا اثبات کا اور تیسرا قول ہے کہ لوگوں کے درمیان فرق کیا جائے گا. ۱؎ جو شخص داخل میقات رہتا ہے ۲؎ جو شخص خارج میقات رہتا ہے وہ بلا احرام کے میقات کو عبور نہیں کر سکتا (بشرطیکہ وہ مکہ معظمہ آنے کا ارادہ رکھتا ہو) اور جو داخل میقات رہتا ہے وہ مکی کے حکم میں شمار ہوگا یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے اور پہلے دونوں قول امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے ہیں.

اور مکہ معظمہ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ یہاں پر صرف ارادہ گناہ پر بھی عقاب ہوگا اگرچہ اس کا ارتکاب بھی نہ کیا ہو. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے.

ومن یرد فیہ بالحاد بظلم ۱؎	یعنی جو شخص اس میں ظلم (اور) الحاد کا ارادہ

ارادہ معصیت ۱؎ ہم نے آیت مندرجہ بالا کا ترجمہ کرنے میں علامہ ابن قیم کے مقصد اور مسلک کو پیش نظر رکھا ہے ورنہ بہترین ترجمہ جس نے تمام اختلافات کو ساکت کر دیا ہے. حضرت شیخ الہند کا ہے فرماتے ہیں "اور جو چاہے اسمیں ٹیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھائیں گے دردناک عذاب" صفحہ ۴۳۳ علامہ عثمانی فرماتے ہیں یعنی جو شخص حرم شریف میں جان بوجھ کر الحاد بے دینی اور شرارت کی کوئی بات کریگا اسکو اس سے زیادہ سخت سزا دی جائیگی جو دوسری جگہ ایسا کام کرنے پر ہوتی الخ اس ترجمہ و تشریح نے اختلاف کا دروازہ بند کر دیا کہ ارادہ معصیت پر بھی عذاب ہوگا یا نہیں؟ حضرت ابن مسعود اور عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ مکہ معظمہ کی خصوصیت ہے کہ یہاں صرف ارادہ معصیت پر بھی محاسبہ ہوگا اگرچہ اس کا ارتکاب نہ کیا ہو. خفاجی نے اسکی تشریح میں کہا ہے کہ یہاں ارادہ سے مراد عزم مصمم لیا جائیگا جس سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح مکہ معظمہ میں حسنات میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح سیات میں بھی اضافہ ہوتا ہے غرضکہ یہ اختلاف اقوال آیت شریفہ کی ترکیب کیوجہ سے پیدا ہو گئے ہیں بعض حضرات نے "بالحاد اور بظلم" میں با کو زائد کہا ہے اس طرح ان حضرات نے الحاداً و ظلماً کو دو مترادف حال قرار دیا ہے بعض نے "بالحاد" میں با کو زائد بتلایا ہے اور اسکو یرد کا مفعول قرار دیا ہے اور بظلم کی با کو الصاق کے معنی میں رکھتے ہوئے اسکو الحاد سے متعلق کیا ہے اور یرد کی "یا" کے زبر کے ساتھ پڑھ کر ورود کے معنی میں لیا ہے اس طرح سے قرأۃ امام حسن "ومن یرد الحادہٗ بظلم" کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا. غرضکہ اس آیت مبارکہ میں جسقدر توجیہات ہو سکتی ہیں. حضرت شیخ الہند کا ترجمان تمام کو حاوی ہے. علامہ عثمانی نے بھی تشریح میں ترجمہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے. حضرت ابن مسعود اور علامہ خفاجی اور علامہ رازی کے اقوال کی رعایت رکھی ہے فجزاھم اللہ احسن الجزاء تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے. روح المعانی ج ۱۷ ص ۱۴۰، تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۲۶، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۱۴، تفسیر مظہری ج ۶ ص ۲۷۴.

نذقہ من عذاب الیم الآیۃ رکھتا ہوگا اس کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے

غور کیجئے! کہ اللہ تعالیٰ نے فعل "ارادہ" کو حرف "با" بالحاد کے ساتھ متعدی فرماکر کس طرح محض ارادۂ معصیت کو قابل عذاب قرار دیا ہے کیونکہ جب یقینی طور پر قصد فعل ہو تو اردت بکذا (میں نے یہ ارادہ کیا) نہیں کہا جاتا بلکہ ایسے وقت توھممت بکذا (میں نے اس کا عزم کیا) بولا جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی ہے کہ جو شخص یہاں زیادتی کا ارادہ کریگا اس کو دردناک عذاب چکھایا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ معظمہ میں مقدار سیأت میں زیادتی کیفیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ کمیت کے اعتبار سے۔ کیونکہ برائی کا بدلہ برائی ہے لہٰذا بڑی برائی کا بدلہ بڑا اور چھوٹی برائی کا بدلہ چھوٹا ہوگا۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے شہر میں اور اس کے فرش پر جو کچھ کیا جائے گا وہ ان تمام گناہوں سے قبیح تر ہوگا جن کا ارتکاب کسی دوسری جگہ کیا گیا ہے۔ مثلاً جس جرم کا ارتکاب محل شاہی میں کیا جائے وہ اس جرم سے سنگین شمار کیا جاتا ہے جو محل شاہی سے دور کیا جائے۔ بہر حال تضعیف سیأت کے بارے میں یہ اختلاف ہے ویسے اصل حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے وہی بہتر جانتا ہے۔

مکہ معظمہ کی اس خصوصیت کا راز اس سے بھی ظاہر ہے کہ قلوب اس کی طرف خود بخود کھنچے ہیں اور طبیعت خود بخود ادھر متوجہ ہوتی ہے۔ یہ لگاؤ اور تعلق جو اس امن والے شہر کے ساتھ ہے یہ مقناطیسی کشش سے زیادہ ہے، شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

محاسنہٗ ھیولیٰ کل حسن ومقناطیس افئدۃ الرجال

یعنی اس شہر کی خوبیاں تمام خوبیوں کا مجسمہ ہیں (بلاشک یہ شہر) دلوں کیلئے مقناطیسی کشش رکھتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

انہ مثابۃ للناس مکہ معظمہ لوگوں کے بار بار اجتماع کا مقام ہے۔

یعنی گوشہ گوشہ سے لوگ مسلسل اس کی زیارت کے لئے آیا کریں گے اور اس سے سیر نہ ہوں گے بلکہ جتنی مرتبہ زیارت کرینگے اتنا ہی ان کے شوق میں اضافہ ہوگا۔

لا یرجع الطرف عنھا حین ینظرھا حتی یعود الطرف الیھا مشتاقاً

نظر دیکھ کے اسکو ہٹ نہ سکی پڑی تھی جہاں پڑی رہ گئی

یعنی نظر اسے دیکھ کر ابھی واپس بھی نہیں ہوئی تھی کہ شوق زیارت پھر اس کو اپنی طرف لوٹا لیتا ہے پس نہ جانے کتنے اللہ تعالیٰ کی خاطر اس کے لئے شہید ہوئے اور کتنوں کی کھال کھینچی گئی اور کتنے زخمی ہوئے اور کتنوں نے اپنی جان و مال اس کے لئے قربان کر دیئے۔ اور کتنوں نے اہل و عیال کی جدائی محض رضائے محبوب

کے لئے برداشت کی حالانکہ ان کے لئے طرح طرح کے خوف اور لالچ اٹھ کھڑے ہوئے لیکن اس کا مشتاقِ زیارت ہر قسم کی تکلیفوں میں راحت اور سکون محسوس کرتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا جذبہ محبت ہر طرح کی نعمتوں، راحتوں، لذتوں پر غالب ہے۔

ولیس محبا من یعد شقاءہ عذابا اذا ما کان یرضی حبیبہ

یعنی وہ عاشق ہی نہیں ہے جو مصائب اور تکالیف کو عذاب شمار کرے جبکہ اسکا حبیب اس سے راضی ہو اور یہ سب کچھ دراصل اسرار الٰہیہ میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

وطھر بیتی — اور میرے گھر کو پاک کردو

پس بیت کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت خصوصی اسی اجلال اور تعظیم و محبت کا اقتضا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اپنے عبد کی اضافت (قرآن پاک میں) اپنی طرف فرمائی ہے[۱] وہ بھی اسی کا مقتضا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے مومنین بندوں کی اضافت اپنی طرف کرکے ان کو اجلال اور تعظیم اور وقار بخشدیا۔ بہرحال جب کبھی بھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف کسی کی نسبت کرے گا تو یہ خصوصیت جو اس چیز کو حاصل ہوگی، یہ غیر اللہ پر اللہ تعالیٰ کی ہوگی یعنی اصطفا اور اجتبا اسی کو حاصل ہے پھر اسی اضافت سے اللہ تعالیٰ کی تفضیل اور تخصیص اور جلالت مزید حاصل ہوگی جو اضافت اور نسبت کی تفضیل و جلالت سے بالاتر ہوگی یہ حقیقت ان لوگوں پر ظاہر نہیں ہو سکتی جو اشیا، اور افعال میں اور زمان و مکان میں سب کو یکساں خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں۔ بلاشک یہ ترجیح بلا مرجح ہے اس کے متعلق میں نے چالیس سے زیادہ دلائل دوسری جگہ ذکر کئے ہیں۔ عقیدۂ فاسدہ کے ابطال کے لئے بس اسی قدر کافی ہے بالفرض اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے تو رسول اور دشمنان رسول دونوں برابر ہوجائینگے اور یہ باطل ہے۔

اس جگہ یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی چیز کی فضیلت محض ان ذوات کے صفات اور مزایا کیوجہ سے نہیں بلکہ اس کی دوسری وجہ بھی ہے مثلاً زمین کے مختلف ٹکڑے ایک دوسرے پر بالذات فوقیت نہیں رکھتے بلکہ ان کو ایک دوسرے پر فوقیت ان اعمال صالحہ کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس خطہ پر ہوتے ہیں پس اسی طرح بیت اللہ، مسجد حرام، منیٰ، عرفات اور مشعر الحرام کو زمین کے دوسرے خطوں پر فوقیت اور برتری بالذات حاصل نہیں بلکہ انکی فضیلت کچھ خارجی اوصاف کے باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس باطل عقیدہ کا اپنے قرآن پاک میں رد کیا ہے جسکو فاذا جاء تھم آیت کے بعد فرمایا ہے۔

---

[۱] مثلاً الحمد للہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب الآیہ

لن نومن حتی یوتی مثل ما اوتی رسل اللہ ۔۔۔ الآیہ

ہم ہرگز ایمان نہ لائینگے جب تک ہمیں اسکی مثل نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا تھا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کا جواب دیا ہے.

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ۔۔۔ الآیہ

اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ وہ رسالت کس کو عطا کرے

یعنی ہر انسان میں رسول بننے کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے کچھ خصوصیتیں لازم ہیں اور ان خصوصیتوں کا خدا کے سوا کسی کو علم نہیں ہے. وہی جانتا ہے کہ کون انسان ان خصوصیتوں کو جامع ہے ورنہ بظاہر سب آدمی برابر ہوتے ہیں. اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس خیال کو رد نہ فرماتا. اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے.

کذلک فتنا بعضھم ببعض لیقولوا اھولاء من اللہ علیھم من بیننا الیس اللہ باعلم بالشکرین

ایسے ہی ہم نے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمایا تاکہ وہ کہہ اٹھیں کیا ان ہی پر اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے احسان کیا ہے کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو خوب نہیں جانتا.

یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں پس وہ اپنے فضل کے لئے جسکو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور وہ نافرمانوں پر احسان نہیں کرتا.

اشخاص اور اماکن کی فضیلت

پس ہر محل اس کے شکر اور احسان کا متحمل نہیں اور تخصیص و شرافت کے لائق نہیں ہے کچھ ذوات کو اس نے اشخاص اور اماکن میں سے منتخب کر لیا ہے وہ ذوات کچھ ایسی صفات اور خصوصیات سے متصف ہوتی ہیں جو دوسری ذوات کو نصیب نہیں ہوتیں. اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو منتخب فرماتا ہے اور وہی ان کو ان صفات کی وجہ سے فضیلت دیتا ہے اور وہی اپنے اختیار سے انکو خاص کرتا ہے. یہ اسکا خلق اور اختیار ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے.

اور اس سے زیادہ باطل اور بیہودہ بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ بیت اللہ بھی تمام مکانوں کی طرح ہے اور حجر اسود کو بھی سب پتھروں کے برابر قرار دیا جائے اور حضور صلعم کی ذات گرامی بھی دوسرے انسانوں کے برابر تصور کر لی جائے. بات یہ ہے کہ تفضیل کا معاملہ ان چند امور کی وجہ سے ہوتا ہے جو خارج از ذات ہوتے ہیں اور ان صفات کی بدولت ہوتے ہیں جو ذوات کے ساتھ قائم ہوتی ہیں.

غرضکہ یہ تمام اقوال اور امثال متکلمین کی ان فضولیات میں سے ہیں جو انھوں نے شریعت میں جائز سمجھی ہیں اور اس کی طرف منسوب کر دی ہیں حالانکہ شریعت ان فضولیات سے بالکل پاک ہے ان متکلمین کے پاس زیادہ سے زیادہ "بعض امور میں اشتراک اور مساوات" کی دلیل ہے جس سے وہ عمومی مساوات نہیں ثابت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اختلاف صفات کے باوجود اشیاء مختلفہ کا امور عام میں اشتراک نہ بعید از قیاس ہے اور نہ ناممکن، لیکن بایں ہمہ نہ اللہ تعالیٰ نے پیشاب اور مشک میں برابری کی اور نہ آگ اور پانی میں مساوات رکھی۔ لہٰذا مقامات مقدسہ اور عام مقامات، ذوات ابنیاء، اور عام انسانوں میں نہایت واضح فرق موجود ہے اور موسیٰ علیہ السلام اور فرعون میں ایسا ہی واضح تر فرق ہے جیسا کہ مشک اور غلاظت میں ہے۔ ایسے ہی کعبۃ اللہ اور محل سلطانی میں واضح فرق ہے۔ لہٰذا دو خطے کس طرح سے برابر ہو سکتے ہیں جن میں سے ایک کو ان عبادات اور اذکار کی فضیلت حاصل ہے جو وہاں ادا کئے جاتے ہیں اور دوسرے خطہ کو یہ شرافت حاصل نہیں ہے۔

بہر حال اس تفصیل سے مقصود محض اس بیہودہ مسلک کا رد ہی نہیں ہے بلکہ ہم چاہتے ہیں انصاف پسندوں اور عقلمندوں کے سامنے معاملہ کی صحیح تصویر آجائے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے اس کے سوا کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی کو کوئی شرافت اور فضیلت عطا کرتا ہے تو اس کے لئے اس کا کچھ اقتضا ہوتا ہے۔ جس کا بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے وہی پیدا کرتا ہے اور اور وہی پیدا کرنیکے بعد اختیار کرتا ہے

وربك يخلق ما يشاء ويختار — تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے

دنوں اور مہینوں کی ایک دوسرے پر فضیلت

اسی سے بعض دنوں کی بعض پر اور بعض مہینوں کی بعض پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ پس افضل ترین دن اللہ کے نزدیک یوم نحر (قربانی کا دن) ہے اور وہی یوم حج اکبر ہے حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

قال افضل الایام عند اللہ — اللہ کے نزدیک افضل ترین دن یوم نحر ہے۔

یوم النحر ثم یوم النفر — پھر یوم نفر ہے۔

کہا گیا ہے یوم عرفہ اس سے افضل ہے اور اصحاب امام شافعی کا یہی مسلک ہے ان کا فرمانا ہے کہ حج اکبر کا دن

تحقیق یوم حج اکبر [۱] اس مسئلہ میں چار قول ہیں (۱) یوم حج اکبر، یوم عرفہ ہے۔ (۲) یوم نحر ہے (۳) یوم طواف افاضہ ہے (۴) کل کے کل ایام حج ہیں۔ پہلا قول حضرت ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، طاؤس، سعید بن مسیب کا ہے انکی دلیل ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے یوم حج اکبر یوم عرفہ ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں اگرچہ وہ دن جمعہ کا دن نہ ہو۔ دوسرا قول حضرت علی۔ ابو ہریرہ، سدی، شعبی، نخعی کا ہے انکی دلیل حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن ادفی کی روایت ہے کہ یوم حج اکبر یوم نحر ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

اوراس دن کا روزہ دو برس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن بھی گذشتہ سے پیوستہ۔ اس روایت کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔ غرضکہ ہر چہار اقوال کی پشت پر عقلی اور نقلی بکثرت دلائل موجود ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان روایات اور اقوال میں تعارض نہیں ہے کیونکہ یہ ایک نسبتی امر ہے لہٰذا جمعہ کے دن کا حج دوسرے ایام کے مقابلہ میں حج اکبر ہے اسی طرح حج قران اکبر ہے حج افراد سے اور حج مفرد اکبر ہے عمرہ سے۔ پھر آیت مبارکہ میں جس حج اکبر کا ذکر ہے اس کے متعلق علماء کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اس حج کے متعلق ہے جب ۹ھ میں حضور صلعم نے حضرت ابو بکر صدیق کو امیر الحج بنا کر بھیجا تھا اسکی تائید میں طبرانی نے ایک روایت بھی ذکر کی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ یوم حج اکبر، یوم حج ابو بکر رضؓ ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یوم حج اکبر یوم عرفہ ہے اگر اس دن جمعہ ہو اور یہی قول عوام کی زبانوں پر ہے اسکے متعلق بھی کہا گیا ہے خلق کی زبان حق کا قلم ہے۔ ان تمام اقوال اور انکی نوعیت کے بعد گذارش ہے کہ علامہ ابن قیم کی تحقیق اس مسئلہ میں زیادہ مضبوط نہیں ہے بلکہ علامہ زیلعی حنفی (جو بڑے محدث اور فقیہ ہیں) نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا دنوں میں افضل ترین دن یوم عرفہ ہے جبکہ اس دن جمعہ کا بھی دن ہو تو اس دن کا حج بقیہ دنوں کے ایام کے حجوں سے ستر درجہ افضل ہے۔ بعض محدثین نے اسکو ضعیف قرار دیا ہے اور فضائل اعمال میں ضعیف روایت بھی معتبر ہے بعض جہال نے اس روایت کو موضوع بھی قرار دیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ علامہ نووی نے اپنے مناسک میں بیان فرمایا ہے کہ یوم عرفہ اگر جمعہ کے دن آجائے تو اس دن کل اہل موقف کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اس روایت کو ابو طالب مکی نے قوت القلوب میں ذکر کیا ہے علامہ سیوطی کا بھی ادھر ہی میلان ہے۔ بعض حضرات نے اس پر ایک اشکال وارد کیا ہے کہ جبکہ مطلقاً یوم عرفہ میں اہل موقف کی مغفرت ہو جاتی ہے تو پھر جمعہ کے دن ہی کی کیا تخصیص ہے۔ جواب دیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن حجاج کے علاوہ دوسروں کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے گویا کہ بخشش رب اکبر بکثرت ہوتی ہے جس میں حجاج اور غیر حجاج دونوں شریک ہوتے ہیں۔ اس جواب پر اشکال وارد کیا ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہے اس کو عرفہ کے دن بخش دیا جاتا ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا، کیا یہ مغفرت اہل عرفہ کے لئے ہے یا عام ہے فرمایا عام ہے۔ اس کے جواب میں علامہ عبدالغنی نے بہت زیادہ تفصیل سے کلام کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یوم جمعہ ہفتہ کے دنوں میں افضل ہے اور یوم عرفہ سال کے دنوں میں افضل ہے لہٰذا جب دو افضل ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو فضیلت میں اضافہ ہی ہوگا۔

الحاصل ان تمام اقوال کو اس طرح سے مجتمع کیا جا سکتا ہے کہ یوم سے مراد۔ یوم عرفی نہیں ہے بلکہ یوم سے مراد مطلق وقت ہے کہ جس میں حجاج کرام اعمال حج شرعی ادا کرتے ہیں۔ اس کی تائید میں ایک روایت بھی موجود ہے کہ یوم حج اکبر کل کے کل ایام منی ہیں اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے یوم صفین، یوم جمل، حالانکہ ان جنگوں میں صرف ایک دن ہی نہیں لگا اسلئے کہ جنگوں میں تو بہت سے دن خرچ ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی جب بولا جاتا ہے تو "یوم واحد" کے ساتھ بولتے ہیں لہٰذا اسی پر یوم حج اکبر کو قیاس کر لینا چاہیئے۔ یوم عرفہ تو اس وجہ سے داخل رہے گا کہ اس دن سے ارکان حج کی ابتدا ہوتی ہے اور یوم نحر اس وجہ سے داخل ہوگا کہ اس دن بہت سے افعال حج ادا ہوتے ہیں اور یوم افاضہ اس وجہ سے داخل ہے کہ اس دن اعمال حج ختم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح مجموعہ مرکب کو یوم حج اکبر کہا گیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد الساری صد ۳۱۶، صد ۳۱۷ صد ۳۱۸۔ مظہری صد ۱۳۴ ج ۴۔ رد المحتار صد ۲۷۵ ج ۲۔

دوزخیوں کو دوزخ سے آزاد نہیں کرتا یعنی اس دن آزاد ہونے والے دوزخیوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت اور ایام کے۔ اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے بندوں سے قریب تر ہوتا ہے اور وقوف کرنے والوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے لیکن قول اول صحیح ہے کیونکہ حدیث شریف سے بھی یہی ثابت ہے اور اس کا معارض کوئی نہیں ہے اور یہی بات صحیح ہے کہ حج اکبر کا دن یوم نحر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم حج الاکبر	اللہ اور اس کے رسول کی جانب لوگوں کو حج اکبر کے دن سنا دینا ہے۔

اور بخاری ومسلم میں ہے کہ یوم حج اکبر (یوم نحر) کو اذن ملا نہ کہ یوم عرفہ کو۔ اور سنن ابی داود میں صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یوم حج الاکبر یوم النحر	حضور صلعم نے ارشاد فرمایا حج اکبر کا دن یوم نحر ہے۔

یہی حضرت ابوہریرہ اور حضرات صحابہ رضؓ کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ رہا یوم عرفہ کا معاملہ وہ یوم النحر سے پہلے مقدمہ کی طرح ہے کیونکہ یوم عرفہ وقوف اگریہ وزاری اور عاجزی کا دن ہے پھر یوم النحر ہے جس میں قربانی اور زیارت کعبہ، رمی جمار، سر منڈانا، اور دوسرے بڑے افعال حج ہوتے ہیں اسی وجہ سے اس طواف کو طواف زیارت کہتے ہیں کیونکہ جب لوگ یوم عرفہ میں گناہوں سے پاک ہو گئے تو اب انھیں یوم نحر میں زیارت کعبہ اور اس میں (ہر طرح سے پاک صاف ہو کر) داخل ہونے کا حکم ہوا ہے یوم عرفہ کے اعمال طہارت اور غسل یہ یوم نحر کے اعمال قربانی وغیرہ سے پہلے ہوتے ہیں۔ اور ذی الحجہ کے دس دن دوسرے ایام سے افضل ہیں کیونکہ یہ دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور دنوں سے محترم ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ایام العمل الصالح فیھا احب الی اللہ منہ فی ھذہ الایام العشر قالوا ولا الجھاد فی سبیل اللہ قال ولا الجھاد فی	حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں عمل خیر اللہ کو تنا محبوب ہو جتنا ان دس دنوں میں صحابہ نے دریافت کیا اور نہ جہاد فی سبیل اللہ آپ نے فرمایا اور نہ جہاد فی سبیل اللہ مگر وہ شخص جو اپنی جان

سبیل اللہ الا رجل خرج بنفسہ وماله ثم لم یرجع من ذلك بشئ	اور مال لے کر نکلا اور پھر واپس نہ ہوا۔

اور وہ دس دن وہی ہیں کہ جن کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن) میں کھائی ہے

والفجر ولیال عشر	قسم ہے فجر کی اور قسم ہے دس راتوں کی[1]

لہٰذا ان ایام میں تکبیر اور تہلیل اور تحمید کی کثرت مستحب ہے[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

فاکثروا فیھن من التکبیر والتھلیل والتحمید	ان راتوں میں تکبیر، تہلیل اور تحمید کثرت سے کرو۔

ان ایام اور راتوں کی نسبت بقیہ دنوں سے ایسی ہی ہے جیسی کہ مقامات مناسک حج کی نسبت بقیہ خطہ ہائے ارض سے ہے یعنی جس طرح مقامات حج دوسرے مقامات سے افضل ہیں ایسے ہی یہ دن بھی دوسرے دنوں سے افضل ہیں۔

اسی قبیل سے رمضان المبارک کی دوسرے مہینوں پر فضیلت بھی آئی اور اس کے آخری عشرہ کی فضیلت باقی راتوں پر اور لیلۃ القدر کی فضیلت ہزار مہینوں پر۔ پس اگر آپ کہیں کہ ان دس راتوں (یعنی عشرہ ذی الحجہ اور عشرہ رمضان) میں سے کون سی دس راتیں افضل ہیں اور کون سی دو راتیں افضل ہیں لیلۃ المعراج افضل ہے یا لیلۃ القدر؟ تو میں کہوں گا جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو صواب یہ ہے کہ راتوں میں تو رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں افضل ہیں اور دنوں میں عشرہ ذی الحجہ کے دن رمضان کے آخری عشرہ کے دنوں سے افضل ہیں اس تاویل اور تطبیق سے تمام احتمالات دور ہو جاتے ہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ آخر عشرہ رمضان کی دس راتیں لیلۃ القدر کی وجہ سے بزرگ ہیں اور عشرہ ذی الحجہ کے دس دن یوم نحر اور یوم عرفہ اور یوم ترویہ کی وجہ سے محترم ہیں۔

---

[1] امام رازی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی اس قسم کا مقسم بہ متعین کرنے میں بہت اختلاف ہے اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف ظن اور تخمینہ ہے امام موصوف نے اس جگہ ۲۰ احتمالات پیدا کئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں (۱) فجر سے مراد وہ فجر ہے جس دن آنحضرت صلعم پیدا ہوئے (۲) عشرہ لیال سے مراد ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں یا رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی دس راتیں ہیں جن میں لیلۃ القدر کے ہونے کا قوی امکان ہے۔ ان راتوں میں حضور صلعم بیدار رہتے اور اپنی ازواج مطہرات کو بھی بیدار رکھا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ تفسیر کبیر ص ۵۵۹ ج ۸

[2] اس کے متعلق تفصیلی کلام کسی دوسری جگہ آئے گا۔

لیلۃ المعراج اور لیلۃ القدر

رہا دوسرا سوال تو اس کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے پوچھا گیا کہ دو آدمی ہیں جن میں سے ایک کہتا ہے کہ لیلۃ القدر افضل ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ لیلۃ المعراج افضل ہے تو ان دونوں میں سے کون صواب پر ہے ابن تیمیہ نے جواب دیا الحمد للہ۔ جو یہ کہتا ہے کہ لیلۃ المعراج لیلۃ القدر سے افضل ہے اگر اس کی مراد وہ رات ہے جس میں حضور ؐ کو معراج ہوئی تھی۔ اور اس کے نظائر پورے سال میں (یعنی معراج کی رات جس تاریخ کو ہوئی تھی اسی تاریخ والی راتیں بقیہ آنے والے تمام سنین میں) لیلۃ القدر سے افضل ہیں اور......اس رات میں نماز پڑھنا وغیرہ لیلۃ القدر سے افضل ہے تو یہ قول غلط ہے مسلمانوں میں سے کسی نے ایسا نہیں کہا اور یہ خیال بالکل فاسد ہے اور اسلام میں اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اور بالفرض یہ دعا اور عبادت وغیرہ کی فضیلت اس وقت ممکن ہے جب لیلۃ المعراج معین طور پر معلوم بھی ہو جب کہ اس رات اور اسکے مہینے اور اس کے عشرے کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں بلکہ اس کے متعلق مختلف منقطع اقوال ہیں۔ پھر مسلمانوں کے لئے تخصیص کے ساتھ اس رات میں اسلام نے عبادات کو مشروع قرار نہیں دیا[1]۔ اس کیخلاف لیلۃ القدر کے بارے میں بخاری و مسلم میں روایت موجود ہے کہ۔

قال من قام لیلۃ القدر ایماناً	حضور صلعم نے ارشاد فرمایا جو شخص ایمان اور
واحتساباً غفرلہ ماتقدم من	احتساب کیساتھ لیلۃ القدر میں عبادت کریگا
ذنبہ	اسکے گذشتہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔

بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت ہے۔

تحروا لیلۃ القدر فی العشرۃ الاخر	لیلۃ القدر کو رمضان کے آخر عشرہ میں
من رمضان	تلاش کرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر ہزار ماہ سے افضل ہے کیونکہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا ہے اور اگر اس شخص کی مراد اس رات سے وہ معین رات ہے جس میں آنحضرت صلعم معراج میں تشریف لے گئے۔ اور جس میں آپ کو علوم و معارف کے وہ خزانے ملے جو دوسری راتوں میں نہ ملے۔ بغیر اس کے کہ اس رات کو قیام اور عبادت کے لئے مخصوص کیا جائے تو یہ امر صحیح اور مسلم ہے۔

یہ بات نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلعم کو کسی زمان یا مکان میں کوئی فضیلت عطا فرمائی

---

[1] فقہا نے بیان کیا ہے کہ ۲۷ دیں رجب کو یہ خیال کرکے کہ یہ لیلۃ المعراج ہے عبادت کرنا یا اسی طرح لیلۃ القدر اور شب براۃ کو مساجد میں شب بیداری کے لئے اجتماع مکروہ اور بدعت ہے۔ رد المحتار صفحہ ۵۰۶ ج ۱۔

تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ زمان اور مکان تمام زمان اور مکان سے افضل ہیں یہ بات تو اس وقت قابل تسلیم ہوگی جب یہ دلیل قائم کر دی جائے کہ لیلۃ المعراج میں آپ پر جو انعام ہوا وہ لیلۃ القدر کے نزول قرآن اور دوسرے انعامات سے افضل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان امور پر اس وقت کلام کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے جب نعمتوں کی مقدار اور اشیاء کی حقیقتوں کا علم حاصل ہو جائے اور یہ علم تو وحی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے لہٰذا کسی کیلئے یہ جائز نہیں کہ بلا علم کے کلام کرے۔

مسلمانوں میں سے کسی سے منقول نہیں ہے کہ اس نے معراج کی رات کو دوسری راتوں پر خصوصاً لیلۃ القدر پر فوقیت دی ہے حضرات صحابہ اور تابعین کرام نے بھی لیلۃ المعراج کو عبادت کے لئے مخصوص نہیں قرار دیا۔ وہ حضرات تو لیلۃ المعراج کا اس نقطہ نظر سے ذکر بھی نہیں کرتے تھے۔

اور یہ بات بھی متعین نہیں ہے کہ مخصوص طور پر وہ رات کونسی تھی[1] اگرچہ لیلۃ المعراج حضور صلعم کے فضائل میں ایک عظیم الشان حیثیت کی مالک ہے۔ اس کے باوجود اس رات اور اس جگہ کی عبادت وغیرہ کے لئے اس حیثیت سے کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ غار حرا جو ہبط وحی کا مبدا اور حضور صلعم کی عبادت گاہ رہا ہے اس کے باوجود آپ نے اور نہ کسی صحابی نے مکہ میں رہتے ہوئے بعد بعثت کے کبھی بھی اس کا عبادت کے لئے قصد نہیں فرمایا اور نہ نزول وحی کے دن کو اس نسبت سے عبادت کی تخصیص کی گئی اور جن لوگوں نے اس نسبت کی وجہ سے مقامات مخصوصہ اور زمان مخصوص کو عبادت کے لئے خاص کیا وہ اہل کتاب ہیں چنانچہ انھوں نے یوم میلاد اور یوم تعمید مقرر کیا ہے۔

جب حضرت عمر رضؓ نے کچھ لوگوں کو جا کر دیکھا کہ وہ لوگ ایک خاص جگہ جا کر تبرکاً نماز پڑھتے ہیں تو انھوں نے پوچھا کیا بات ہے۔ تو لوگوں نے بتلایا کہ حضور صلعم نے اس جگہ نماز پڑھی تھی۔ تب حضرت عمر رضؓ نے فرمایا

اتریدون ان تتخذوا آثار الانبیاء مساجد انما هلك من كان قبلكم بهذا فمن ادركته فليصل والا فليمض۔

کیا تم چاہتے ہو کہ انبیاء کے آثار مسجد بنائیں تم سے پہلے اسی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں لہٰذا جس کو جہاں کہیں نماز کا وقت ہو جائے وہیں پڑھ لے ورنہ چلتا بنے۔[2]

---

[1] لیلۃ المعراج کب ہوئی اس میں مختلف قول ہیں مثلاً ربیع الاول (۲) ربیع الاخر (۳) رجب (۴) رمضان (۵) شوال۔ بعض نے کہا ہجرت سے پانچ مہینہ پہلے ہوئی بعض نے کہا ہے سال بھر پہلے ہوئی۔ بعض نے کہا ۲۷ رجب کو ہوئی بعض نے کہا وہ جمعہ کا دن تھا بعض نے کہا وہ ہفتہ کا دن تھا اور بعض نے کہا وہ دوشنبہ تھا۔ زرقانی شرح مواہب ص ۳۰۷ تا ۳۰۸ ج ۱۔

[2] اس جگہ بھی علامہ ابن قیم نے تشدد اور تفرد کو اختیار کیا ہے اور ذرہ برابر حضرت عمر بن الخطاب کے منشا پر (باقی اگلے صفحہ پر)

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ معراج کی رات حضور صلعم کے حق میں لیلۃ القدر سے افضل ہے اور لیلۃ القدر امت کے حق میں معراج کی رات سے افضل ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ:- غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ اس جگہ تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی جارہی ہے وباللہ التوفیق

آثار سے تبرک

بخاری شریف میں حضرت عتبان رضؓ کی حدیث موجود ہے جس میں مذکور ہے کہ انھوں نے حضور صلعم سے درخواست کی کہ۔ ان یصلی فی بیتہ لیتخذہ مصلےٰ (بخاری شریف) کہ حضورؐ میرے گھر جاکر نماز پڑھ لیں میں اس جگہ کو اپنے لئے جائے نماز بنالوں گا۔

اس حدیث میں صراحۃ ابن قیم کے خلاف دلیل موجود ہے اگر یہ ناجائز ہوتا تو حضور صلعم ایسا کرنے سے منع فرمادیتے اسکے علاوہ علامہ بدرالدین عینی بیان فرماتے ہیں کہ متعدد حضرات سے مروی ہے کہ حضور صلعم بطن روحا کی مسجد میں جو عرق الظبیہ کے قریب ہے تشریف لے گئے اور فرمایا

ھذا وادمن اودیۃ الجنۃ وصلےٰ — یہ جنت کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے یہاں
فی ھذا الوادی قبلی سبعون نبیاً — پر پہلے ستر نبیوں نے نماز پڑھی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ اتباع سنت کے معاملہ میں نہایت حریص تھے وہ مکہ معظمہ کو جاتے ہوئے اور وہاں سے لوٹتے ہوئے خود اسبات کا خیال رکھتے تھے کہ آنحضرت صلعم نے کس کس جگہ قیام فرمایا چنانچہ وہ ان مقامات پر ٹھہرتے اور نماز پڑھتے تھے۔ اسکے علاوہ متعدد روایات بخاری ومسلم میں ایسی موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ رضؓ حضور صلعم کے آثار کو محفوظ رکھتے تھے حضرت گنگوہی رح ارشاد فرماتے ہیں الروایات فی استبراک الصحابۃ ومن بعدھم الکثر من ان تحصی یعنی حضرات صحابہ اور انکے بعد کے حضرات متعلق بکثرت روایات موجود ہیں کہ وہ استبراک آثار انبیاء کو جائز سمجھتے تھے۔ خود اس اثر یعنی حضرت عمرؓ کے مذکورہ ارشاد سے اس کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس وجہ سے منع فرمایا تھا کہ لوگ کہیں بدعت میں مبتلا نہ ہو جائیں اسی وجہ سے آثار پر اعراس اور مجالس کے علماء مخالف ہیں اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں لیکن اگر محتاط طور پر شہداء صلحاء اور آثار انبیاء پر حاضر ہوکر کوئی تبرکاً نماز پڑھنا چاہے تو اسکی حرمت منقول نہیں ہے خود قرآن پاک میں موجود ہے۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلےٰ — مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ

اس آیت میں اگرچہ پوری مسجد حرام مراد ہے مگر اس میں بھی تخصیص ہے لہذا کس طرح سے اسکو آثار انبیاء سے خارج کیا جاسکتا ہے حضور صلعم خود مسجد قبا میں ہفتہ کے دن تشریف لایا کرتے تھے اور دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے "مسجد قبا میں نماز پڑھنا عمرہ کے برابر ہے" علامہ طیبی نے اس حدیث کی شرح میں ارشاد فرمایا ہے فیہ دلیل ان التقرب بالمساجد ومواضع الصلحاء مستحب تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے۔ مرقات ج ۱ ص ۴۴۹، لامع الدراری ج ۱ ص ۱۹۱، فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۵ مطبوعہ پاکستان۔ اس کے علاوہ علامہ کا مذکورہ ارشاد ان کے گذشتہ قول کے خلاف ہے کیونکہ وہ فرماچکے ہیں کہ امکنہ کی شرافت اضافی ہے پھر معلوم نہیں کیوں اس جگہ اس سے انحراف اختیار کیا۔ ہمارے مشائخ اس معاملہ میں غلو کے مخالف اور اعتدال کے موافق ہیں اور یہی ان کا مسلک ہے اس قسم کے مسائل بیان کرنے میں تفقہ اور حکیمانہ نظر کی ضرورت ہے۔

یوم جمعہ اور یوم عرفہ

اگر کہا جائے کہ یوم جمعہ افضل ہے یا یوم عرفہ؟ تو ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔ فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تطلع الشمس افضل من یوم الجمعة

حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سورج نے جمعہ کے دن سے زیادہ افضل دن پر طلوع نہیں کیا

اسی طرح حضرت تمیم بن اوس کی حدیث ہے۔

خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعہ

سب سے بہتر دن جس پر سورج نے طلوع کیا وہ جمعہ کا دن ہے۔

کہا گیا ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث کی وجہ سے جمعہ کے دن کی فضیلت عرفہ کے دن پر ثابت کی ہے قاضی ابویعلی نے امام احمد سے ایک روایت کی ہے۔

لیلة الجمعة افضل من لیلة القدر

شب جمعہ لیلۃ القدر سے افضل ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ ہفتہ کے دنوں میں جمعہ افضل ہے اور سال کے دنوں میں یوم عرفہ اور یوم نحر افضل ہے یہی حال شب جمعہ اور شب قدر کا ہے۔ اسی وجہ سے یوم جمعہ کو اگر وقوف عرفات ہو یعنی یوم عرفہ واقع ہو جائے تو اس کو متعدد وجوہ سے تمام دنوں پر فوقیت حاصل ہو گی۔ اول یہ کہ دو فضیلتیں ایک ہی دن میں جمع ہو جاتی ہیں۔ دوم یہ کہ اس دن یقینی طور پر قبولیت دعا کی ایک خاص گھڑی ہے اور اکثر اقوال اس طرف ہیں کہ وہ گھڑی بعد عصر ہوتی ہے۔[1] اور عرفات میں وقوف کرنے والے جب سب کے سب دعا اور تضرع کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ گھڑی بھی قبولیت دعا کی ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ اس دن حضور صلعم نے وقوف فرمایا ہے تو حضور صلعم کی موافقت کی وجہ سے بھی فضیلت حاصل ہو گی۔ چوتھے یہ کہ گوشہائے زمین کے انسان اس وقت خطبہ اور نماز جمعہ کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اسی کے مطابق عرفات میں اہل عرفہ جمع ہوتے ہیں تو اس طرح مساجد میں مسلمانوں کا اجتماع اور موقف میں اہل عرفہ کا اجتماع اس سے وہ خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے جو دوسرے ایام میں حاصل نہیں ہوتی۔ پانچویں یہ کہ یوم جمعہ بھی یوم عید ہے اور یوم عرفہ بھی اہل عرفہ کے لئے یوم عید ہے اسی لئے

---

[1] قبولیت دعا کے متعلق حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ۴۲ اقوال اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں ۵۰ اقوال اور اوجز المسالک میں شیخ الحدیث نے گیارہ اقوال نقل کئے لیکن مشہور ترین قول دو ہیں اول بعد عصر اسکے متعلق حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ کی حدیث ہے اور دوسرا قول حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ کی حدیث کے مطابق اذان جمعہ سے لیکر نماز جمعہ کے ختم تک ہے پہلے قول کو اکثر جمہور علماء حضرات تابعین نے اختیار کیا ہے ملاحظہ فرمایئے اوجز المسالک صفحہ ۳۵۲ ج ۱۔ تفسیر مظہری صفحہ ۲۹۶ ج ۹۔

اہل عرفہ کے لئے اس دن کا روزہ مکروہ قرار دیا ہے۔ نسائی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت موجود ہے۔

نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صوم یوم عرفۃ بعرفۃ	حضور صلعم نے عرفات میں یوم عرفہ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔

اس روایت کی سند میں کلام ہے کیونکہ اس کی سند میں مہدی بن حرب جوزی ہے جو غیر معروف ہے اور وہی مدار روایت ہے۔ صحیح بخاری شریف کی ام فضل والی حدیث سے ثابت ہے کہ لوگوں نے عرفات میں ... عرفہ کے دن حضور صلعم کے روزے کے متعلق اختلاف کیا تو میں نے آپ کی خدمت میں دودھ کا پیالہ بھیجا آپ اس وقت اپنے اونٹ پر سوار تھے چنانچہ آپ نے دودھ نوش فرمایا۔

علماء نے عرفہ کے دن عرفات میں روزہ نہ رکھنے کی حکمت کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ دعا وغیرہ میں قوت حاصل کرنے کے لئے روزہ نہ رکھنے کا حکم ہے اور یہ قول حربی کا ہے ان کے علاوہ دوسروں نے اور خود علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے کہ یہ دن اہل عرفہ کے لئے یوم عید ہے اس لئے ان کے لئے اس دن کا روزہ نہ رکھنا مستحب ہے۔[1]

اور فرمایا اس کے لئے وہ حدیث دلیل ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یوم عرفۃ ویوم النحر وایام منی عیدنا اھل الاسلام	یوم عرفہ، یوم نحر، اور ایام منی ہم مسلمانوں کی عید ہیں۔

ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے کہ یوم عرفہ اہل عرفات کے لئے ان کے جمع ہونے کی وجہ سے عید ہے بخلاف دوسرے لوگوں کے کہ وہ یوم النحر کو جمع ہوتے ہیں ان کے لئے وہی عید ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب عرفہ کے دن جمعہ ہو تو اس دن دو عیدیں جمع ہوتی ہیں۔

چھٹے یہ کہ اس دن کا توافق اس دن سے ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے دین اور نعمتوں کو مکمل کیا تھا جیسا کہ بخاری شریف میں طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ ایک یہودی حضرت عمر فاروق رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ ایک آیت قرآن پاک میں آپ حضرات پڑھتے ہیں اگر وہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو عید منایا کرتے۔ فرمایا وہ کونسی آیت ہے؟ یہودی نے جواب دیا وہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا ہم جانتے ہیں جس دن اور

۱؎ یعنی حجاج کے لئے عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے لیکن دوسروں کے لئے مستحب۔ حدیث میں موجود ہے کہ اس دن روزہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کا اوجز المسالک صفحہ ۵۲۴ ج ۳۔ مناسک ملا علی قاری صفحہ ۲۱۸۔

جس جگہ یہ آیت نازل ہوئی وہ عرفات کا میدان اور جمعہ کا دن تھا اور اس دن ہم عرفات میں آپ کیساتھ موجود تھے۔

ساتویں یہ کہ یہ دن (عرفہ) قیامت کے دن کے اجتماع سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے کیونکہ قیامت جمعہ کے دن قائم ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

خیر یوم طلعت فیہ الشمس یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ ادخل الجنۃ وفیہ اخرج منہا وفیہ تقوم الساعۃ وفیہ ساعۃ لا یوافقہا فیہ عبد سال اللہ خیراً الا اعطاہ ایاہ	افضل دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے۔ اس دن آدم پیدا ہوئے اور اسی دن وہ جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن وہ جنت سے نکالے گئے اور اسی میں قیامت قائم ہوگی اور اس میں ایک گھڑی ایسی ہے اگر کوئی بندہ اس وقت دعا میں کوئی خیر اللہ تعالیٰ سے طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا کر دیتا ہے۔[۲]

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے ایک دن ایسا مقرر کر دیا کہ جس میں وہ مجتمع ہوتے ہیں اور مبدا و معاد اور دوزخ و جنت کا ذکر کرتے ہیں (یعنی خطبہ میں) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے یوم اجتماع جمعہ کے دن کو قرار دیا ہے اس لئے کہ اس میں مبدا اور معاد ہے اسی وجہ سے حضور صلعم جمعہ کی فجر کی نماز میں سورۂ حٰم سجدہ اور سورۂ دھر قرأت فرمایا کرتے تھے[۳] کیونکہ ان دونوں سورتوں میں یہ مضامین موجود ہیں کہ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے یعنی مبدا اور معاد، خلق آدم، دخول جنت اور دوزخ کا ذکر موجود ہے لہٰذا حضور صلعم ان سورتوں کو پڑھ کر اس دن کے حالات یاد دلایا کرتے تھے۔ اسی طرح انسان اس دن کے سب سے بڑے موقف (آخرت) اور دنیا کے سب سے بڑے موقف (عرفات) کی یاد تازہ کرتا ہے کہ اس دن ایک بڑا عظیم اجتماع اللہ رب العالمین کے روبرو کھڑا ہوگا جب تک کہ دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں نہ پہونچ جائیں گے۔

آٹھویں یہ کہ یوم جمعہ اور شب جمعہ کی عبادت بقیہ ایام سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس دن اور رات میں

---

[۱] شرح مواہب زرقانی میں ایک قول یہ بھی موجود ہے کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی وہ پیر کا دن تھا یعنی دوشنبہ تھا آگے فضیلت میں بیان فرماتے ہیں۔ اسی دن حضور صلعم پیدا ہوئے اور اسی دن آپ پر وحی نازل ہوئی۔ اسی دن معراج ہوئی اور اسی دن ہجرت ہوئی اور اسی دن ہجرت میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن علامہ نے جو قول اختیار کیا ہے وہ صحیح ترین قول ہے۔

[۲] حضرت آدم کی پیدائش جن سے تمام انسانوں کا وجود عمل میں آیا یہ ایک مستقل نعمت ہے۔ اور قیامت کا قیام بھی ایک نعمت ہے کیونکہ اس کے بعد ہی مومنین اپنے محبوب حقیقی کا دیدار کریں گے اہل اسرار نے اس پر نہایت تفصیل سے کلام کیا ہے ملاحظہ فرمایئے مرقاۃ باب الجمعہ۔

[۳] سیدی و مرشدی و مولائی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح کا بھی یہی عمل تھا۔

فاسق وفاجر بھی اللہ اللہ کر لیتے ہیں اور اس دن کا احترام بھی کرتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جو جمعہ کے دن خدا کی نافرمانی کرے گا وہ جلد ہی عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جائے گا اور یہ عقیدہ ان کا پختہ ہو گیا ہے اور ان کے تجربہ میں بھی آچکا ہے اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو پسند فرمایا ہے اور باعظمت قرار دیا ہے لہٰذا اس دن عرفہ کا ہونا مزید فضیلت کا باعث ہوگا۔

نویں یہ کہ جمعہ کا دن جنت کے یوم زیارت سے بھی مشابہت رکھتا ہے کیونکہ یہ دن وہ ہے کہ اہل جنت ایک عظیم میدان میں جمع ہونگے۔ اور ان کے لئے موتی۔ زبرجد، یاقوت کے منبر رکھے ہوئے ہوں گے اور جنتی ان پر اور مشک کے ٹیلوں پر بیٹھ کر اپنے رب اکبر حق سبحانہ تعالیٰ کی زیارت کرتے ہوں گے اور وہ ان کو اپنی تجلی سے نوازے گا اور یہ حق تعالیٰ کو عیاناً دیکھیں گے۔

محو دیدار رہوں خود کو فراموش کروں
اس طرح دل کی تمناؤں کو زندہ کرلوں
کاش وہ وقت بیسر مجھے بھی ہو جائے
دل بیتاب کی تسکین کا سہارا کرلوں
تو ہو بے پردہ مرے سامنے اور کچھ بھی نہ ہو
اس طرح دل کی تمناؤں کو زندہ کرلوں (امیدوار کرم عزیز الرحمٰن)

یہ وہ لوگ ہوں گے جو صبح کے وقت مسجد کی طرف جانے میں تیزی کرتے ہیں۔ ان میں قیامت کے دن اللہ کے نزدیک تر وہ ہوں گے جو امام سے قریب ہوتے ہیں بہر حال اہل جنت یوم زیارت کے مشتاق ہونگے اور یہ دن یہی دن ہوگا جب ان کو یہ کرامت اور شرافت حاصل ہوگی۔ لہٰذا جب جمعہ کے دن عرفہ ہو جائے تو اس کو جو فضیلت اور خصوصیت حاصل ہوتی ہے وہ سب سے بالاتر ہے۔

دسویں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرفہ کی رات وقوف کرنیوالوں کے بہت قریب ہوتا ہے اور فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کیا چاہتے ہیں؟ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انکو بخشدیا اور اللہ تعالیٰ کے قرب کیساتھ انکو وہ گھڑی بھی حاصل ہوتی ہے جسمیں دعا مقبول ہوتی ہے اس طرح انکو اللہ تعالیٰ کی دو طرح سے قربت حاصل ہوتی ہے۔ بہر حال ان وجوہ سے یوم عرفہ اگر جمعہ کو ہو جائے تو یہ مزید فوقیت کا سبب ہے لیکن یہ جو لوگوں کی زبانوں پر چڑھا ہوا ہے کہ اس دن کا حج ۷۲ حج کے برابر ہے۔ اسکی کوئی اصل نہیں ہے یہ نہ حضور صلعم سے ثابت اور نہ حضرات صحابہ رضؓ اور تابعین سے ثابت ہے[1]۔

---

[1] حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ جمع الفوائد میں اس حدیث کو مرسل ذکر کیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اللہ تعالیٰ ہر طیب چیز کو پسند کرتا ہے

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجناس میں سے پاک وطیب جنس کو پسند کیا ہے اور اپنے لئے اسے مخصوص اور منتخب کر لیا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ خود طیب ہے اس لئے طیب ہی کو منتخب کرتا ہے۔ اس لئے وہ پاکیزہ فعل و قول اور صدقہ[1] قبول کرتا ہے گویا کہ ہر طیب چیز اللہ تعالیٰ کی منتخب کردہ ہے باقی رہا تخلیق کا معاملہ تو یہ دونوں قسم کو عام ہے یعنی طیب کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور غیر طیب کو بھی۔ اور اسی سے بندے کی سعادت اور شقاوت کا پتہ معلوم ہو جاتا ہے۔ پس طیب، طیب ہی کے لئے مناسب ہے اور طیب، طیب ہی کو پسند کرتا ہے غیر طیب کو نہیں۔ اسی طرح اللہ کے یہاں طیب کلام ہی باریابی پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بری باتوں، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بہتان، اور ہر بری بات سے بہت زیادہ نفرت کرتا ہے یہی حال اعمال کا ہے وہ اعمال صالحہ کو پسند کرتا ہے۔

یہ اعمال صالحہ وہ ہیں کہ جن سے فطرت سلیمہ مطمئن ہوتی ہے اور ان پر شریعت نبویہ کی چھاپ[2] ہوتی ہے اور عقول صحیحہ ان سے راضی ہوتی ہیں۔ غرضکہ ان اعمال کے درست ہونے پر، فطرت، شریعت، عقل تینوں متفق ہوتی ہیں مثلاً اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہی کی عبادت کی جائے اپنی خواہشات نفسانیہ پر اسکی مرضیات کو مقدم رکھا جائے اور مجاہدہ کرکے اس کی محبت حاصل کی جائے اور اس کی مخلوق کے ساتھ جہاں تک ممکن ہو اچھا سلوک کیا جائے اور دوسروں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے جیسا کہ اپنے بارے میں ان سے چاہتا ہے اور ان کو دعوت و تبلیغ بھی اسی انداز سے کرے جس انداز سے اپنے لئے پسند کرتا ہے اور دوسروں کے بارے میں ویسا ہی فیصلہ کرے جیسا اپنے بارے میں پسند ہے۔ دوسروں کی اذیتوں کو برداشت کرے لیکن دوسروں کو ایذا دینے کا موجب نہ ہو اور نہ اس سے انتقام ہی لے۔ جب ان کی اچھائی دیکھے تو اس کی تحسین کرے۔ لیکن ان کی برائیوں کی پردہ پوشی کرے اور حتی الامکان برائیوں میں لوگوں کو معذور سمجھے بشرطیکہ شریعت کے اوامر اور نواہی کی مخالفت لازم نہ آتی ہو۔

ایسے اخلاق کا نہایت صاف ستھرا اور اعلیٰ ہونا ضروری ہے مثلاً حلم، وقار، سکون خاطر، رحم، صبر وفا شعاری، میانہ روی، نرمی، صداقت، اعلیٰ حوصلگی وغیرہ اور بغض وحسد، کبر سے اجتناب ضروری ہے۔ مومنوں کی عزت اور ان کا احترام کرنا ان کے سامنے منکسر رہنا۔ اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں سخت ہونا غیر اللہ کے سامنے ذلت اور تواضع سے پرہیز کرنا عفت، پاکدامنی، شجاعت، سخاوت، مروت اور شرافت[لعت] فطرت اور عقل کے ساتھ پورا پورا اتفاق۔

---

[1] مال حرام کا صدقہ قبول نہیں بلکہ اگر مال حرام کو ثواب کی نیت سے صدقہ کریگا تو ایمان کیلئے مضر ہے کفر کا اندیشہ ہے۔ (ردالمحتار)

[2] معلوم ہوا کہ سلوک و تصوف کے اوپر بھی شریعت کی چھاپ ضروری ہے۔

اسی طرح اکل حلال کی طلب جو جسم و روح کے لئے باعث تقویت ہو اور جس سے اللہ تعالےٰ کی بندگی مقصود ہو۔ اسی طرح نکاح میں بھی پاکیزگی کا خیال رہنا ضروری ہے یعنی شریف عورتوں سے نکاح کرنا، اسی طرح خوشبو، اچھا ماحول، اچھے دوست اور اسی طرح کھانا، پینا، لباس، گھربار، نشست و برخاست غرضکہ سب چیزوں کا طیب ہونا ضروری ہے ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے۔

سلام علیکم ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون — تم پر سلامتی ہو۔ اپنے اچھے اعمال کی برکت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اور جنت کے محافظ فرشتے ان سے کہیں گے۔

سلام علیکم طبتم فادخلوها خالدین — تم پر سلامتی ہو۔ خوش رہو۔ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اس آیت مبارکہ میں " فا " سببیت کو چاہتی ہے یعنی اس صورت میں یہ مطلب ہے کہ تم پاکیزگی کی وجہ سے داخل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین و الطیبون للطیبات۔ الآیہ — خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لئے ہی مناسب ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں بتلایا گیا ہے کہ خبیثوں کی باتیں بھی بری ہوتی ہیں اور طیب لوگوں باتیں طیب ہوتی ہیں۔ اور یہ تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ " پاک " بیبیاں پاک مردوں کے لئے اور خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہوتی ہیں۔ غرضکہ اس آیت کے مطلب میں عمومیت ہے یعنی پاکیزہ لوگوں کا کلام اعمال، بیبیاں وغیرہ سب چیزیں پاکیزہ ہوتی ہیں ایسے ہی خبیث لوگوں کی سب چیزیں بری ہوتی ہیں غرضکہ اللہ تعالیٰ نے تمام طیبوں کو جنت میں تمام خبیثوں کو دوزخ میں جمع کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تین " دار " مقرر فرمائے ہیں ۱۔ پاک لوگوں کیلئے علیحدہ (جو ناپاک لوگوں پر حرام ہے) اور اس میں ہر طیب چیز موجود ہے اس کا نام جنت ہے ۲۔ وہ جگہ جس میں صرف خبیثوں کو رکھا جائے گا اس کا نام دوزخ ہے ۳۔ اور تیسرا دار " یہ دنیا " ہے جس میں پاک و ناپاک سب مخلوط ہیں۔ اسی اختلاط کے باعث یہاں مصائب اور آلام آتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے جب جنت قائم ہو گی تو اللہ تعالیٰ اچھوں کو بروں سے جدا کر دے گا پس اچھے لوگ اور ان کے اہل جنت

میں ہوں گے برے ان کے ساتھ نہ ہوں گے اور برے لوگ اور ان کے اہل دوزخ میں ہوں گے اور ان کیساتھ اچھے مخلوط نہ ہوں گے۔ الحاصل اس وقت دو ہی گھر ہوں گے یعنی اچھوں کا گھر جنت اور بروں کا گھر دوزخ پس اللہ ہر ایک سے ثواب اور عذاب کا معاملہ انکے اعمال کے مطابق کرے گا۔

اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کے اچھے اقوال، افعال، اخلاق کو جنت کی نعمتوں اور اس کی لذتوں اور خوشیوں سے تبدیل کرے گا اور برے لوگوں کے برے افعال، اقوال، اخلاق کو دوزخ کے عذاب کی صورت دے دی جائے گی۔ اس میں اس کی عظیم حکمت ہے اور نہایت بلند و بالا عظمت ہے تاکہ اس کے بندے اسکی شانِ ربوبیت اور حکمتِ بالغہ کا نظارہ کرسکیں اور اللہ کے دشمنوں کو بھی اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ وہ فتنہ پرور اور جھوٹے تھے نہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

واقسموا باللہ جھد ایمانھم لایبعث اللہ من یموت بلٰی وعدا علیہ حقا ولکن اکثر الناس لایعلمون لیبین لھم الذین یختلفون فیہ و لیعلم الذین کفروا انھم کانوا کاذبین۔	وہ اللہ تعالیٰ کی سخت قسم کھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ نہیں کرے گا۔ کچھ نہیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے لیکن اکثر ان جانتے نہیں ہیں، تاکہ ان لوگوں کو جو اس مسئلہ میں مختلف ہیں اچھی طرح ظاہر ہوجائے اور کافروں کو معلوم ہوجائے کہ بیشک وہ جھوٹے تھے۔

غرضکہ اللہ تعالیٰ نے سعادت اور شقاوت کو نشان فرق قرار دیدیا ہے کہ جس کے ذریعہ ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے لہٰذا سعید روحوں کے لئے طیب چیزیں ہیں اور ان سے طیب اقوال، اعمال، اخلاق ہی صادر ہوتے ہیں اور خبیث روحوں کے لئے خبیث چیزیں ہیں اور ان سے ایسا ہی صدور ہوتا ہے۔ غرضکہ ان کی زبان اور قلب سے فجور ہی ظاہر ہوتا ہے اور ستھروں کے تمام جوارح سے اچھائی صادر ہوتی ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص میں دونوں مادے ودیعت کردیئے جاتے ہیں تو ایسے شخص پر جب کوئی مادہ غالب آجاتا ہے تو وہ ویسا ہی کرنے لگتا ہے اس کے متعلق اگر اللہ تعالیٰ نیک ارادہ رکھتا ہے تو اس کے مرنے سے پہلے ہی اس کو برائیوں سے پاک کردیتا ہے، اور قیامت کے دن پاک ہی اٹھاتا ہے اس کو پاک کرنے کے لئے دوزخ میں نہیں ڈالتا۔

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کبھی تو دنیا میں خالص توبہ کی توفیق دیکر پاک کرتا ہے اور کبھی نیکیوں کی توفیق سے اور کبھی مصیبت اور آلام میں گرفتار کرکے پاک کرتا ہے۔

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

آخرکار وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس طرح حاضر ہوتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اور ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ جن سے مذکورہ توفیق اور تطہیر کو روک لیا گیا ہے وہ قیامت میں اپنی نیکیوں اور بدیوں کے ساتھ حاضر ہوں گے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بالغہ اور رحمت کاملہ ہے کہ کوئی اس کے جوار رحمت (جنت) میں گندگیوں کے ساتھ نہ آئے اس لئے کہ وہ خود طیب ہے۔ بدیں وجہ برے لوگوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تاکہ ان کو یہاں صفائی حاصل ہو جائے۔

تری حکمتوں کو نہ پاسکا: تیری شان جل جلالہٗ

اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے جوار اور ستھرے لوگوں کی جگہ (جنت) کے قابل ہو سکے گا۔

اس قسم کے لوگوں کا دوزخ میں ٹھہرنا ان کی برائیوں اور اچھائیوں کی قلت اور کثرت کیمطابق ہوگا۔ جس کے گناہ جلد دھل جائیں گے وہ جلد دوزخ سے نکل آئے گا اور جس کی صفائی میں دیر لگے گی وہ دیر میں دوزخ سے باہر آئے گا غرضکہ ہر ایک کو پورا پورا بدلا ملے گا۔

وما ربك بظلام للعبيد اور آپکا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

اور چونکہ کافر کی ذات اور اس کے عناصر خبیث ہوتے ہیں اس لئے وہ جب بھی نکلنے کا ارادہ کرے گا تب ہی اس کو دھکیل دیا جائے گا جیسا کہ کتا اگرچہ وہ سمندر میں سے نہا کر نکلے۔ ناپاک ہی رہتا ہے یہی حال کافر کا ہے وہ پاک نہیں ہوگا اس پر جنت حرام ہے اور جب مومن گناہوں سے پاک ہو جائے گا تو اس کے لئے دوزخ حرام ہو جائے گی کیونکہ پاک ہونے کے بعد اس میں کوئی خرابی نہیں ہوگی جس کے دور کرنے کے لئے اس کو مزید روکنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ پاک ہے اسکی حکمت انسانی عقل سے وراء الوراء ہے وہی احکم الحاکمین ہے اور وہی رب العالمین۔

فصل ضرورت ارسال رسل

مندرجات بالا سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ انسان معرفت رسول، اور ان پر نازل شدہ وحی کی تصدیق کے لئے کس قدر محتاج ہے اور ان کی اطلاعات اور اطاعت کا کسقدر پابند ہے اس لئے کہ دنیا اور آخرت کی کامیابیاں صرف رسولوں کے دست حق پرست سے وابستہ ہوئے ہیں اور اچھے اور برے کی تمیز و معرفت ان کے ہی ذریعہ سے ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول بھی ان ہی کے توسط سے ہو سکتا ہے۔

اسی طرح اچھے اعمال، اقوال، اخلاق وحی الٰہی کا تحفہ باسعادت ہیں ان کی ذات معیار اور کسوٹی ہیں۔ ان ہی کے اقوال، اعمال، اخلاق پر تمام اقوال، اعمال، اخلاق پرکھے جاتے ہیں ان ہی کی اتباع اور عدم اتباع سے ہدایت یافتہ اور گمراہ میں تمیز ہوتی ہے ان مقدس ہستیوں کی ضرورت جسم کے لئے روح، آنکھ کے لئے نور اور روح کے لئے حیات سے بھی شدید تر ہے۔ غرضکہ کوئی سی ضرورت خواہ کتنی زیادہ شدید کیوں نہ ہو لیکن انبیاء علیہم السلام کی انسانوں کیلئے ضرورت سب پر فوقیت رکھتی ہے۔

ذرا خیال فرمائیے کہ اگر ذرا سی دیر کے لئے تم سے انبیاء کی ہدایت اور وحی الٰہی کو روک لیا جائے تو تمہاری دینی زندگی اور قلب ایمانی ایسا ہو جائے گا جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر گرم توے پر ڈال دیا جائے۔ ایسے ہی بندے کا حال ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید۔ اس کا احساس صرف زندہ قلوب ہی کو ہو سکتا ہے اور مردہ دلوں کو تو احساس بھی نہیں ہوتا۔

غرضکہ جب بندے کی فلاح دارین صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام ہی سے وابستہ ہے تو ہر انسان پر جو نصیحت، نجات، سعادت کا متمنی ہے۔ واجب ہے کہ وہ آپ کے تحفہ مقدس (وحی، سیرت شان رسالت) کا بنظر غائر مطالعہ کرے۔ یہی چیز اس کو جاہلین کے زمرے سے نکال کر آپ کے متبعین کے زمرے میں داخل کر دے گی۔

اس میں بھی تین قسم کے افراد ہیں۔ بعض وہ ہیں جو اس سے بالکل نابلد ہیں بعض وہ ہیں جنھوں نے تھوڑے پر اکتفا کیا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو خوب خوب سیرابی حاصل ہوئی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر موقوف اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔

فصل معذرت مصنف

یہ چند کلمات ہیں کہ جن کے جانے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کی شریعت سے تعارف حاصل کرنے کے لئے چارۂ کار نہیں ہے۔ اور یہ مباحث اس کے لئے بہت کم ہیں جو میں نے علمی کم مائیگی کے باوجود تحریر کئے ہیں۔ جن سے نہ تو علوم کے بند دروازے ہی کھل سکتے ہیں اور نہ طلباء علوم دین ہی کا اس طرف میلان ہو سکتا ہے کیونکہ یہ چند اوراق میں نے حضر میں نہیں بلکہ حالت سفر میں تحریر کئے ہیں۔ قلب بھی پریشان رہا اور ہمت بھی جواب دیتی رہی پھر کتابوں کا ذخیرہ بھی پاس نہ رہا جن سے علوم کے دروازے کھلتے۔

اسی طرح علوم نافع جن سے سعادت اور کامرانی حاصل ہوتی ہے ناپید ہیں اہل علم وحشت میں مبتلا ہیں۔ جہلاء کا غلبہ ہے جس کی وجہ سے علماء خاموش ہیں اور اہل بدعت کی کثرت ہے ان وجوہات سے

علمی شیرازہ منتشر ہو چکا ہے اب سوائے صبر کے کیا چارہ ہے، اللہ ہی ہمارا مددگار ہے۔

وھو حسبنا ونعم الوکیل۔

فائدہ:۔ علامہ نے اپنے زمانے میں قلت علم اور کثرتِ جہل کی شکایت کی، اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کا ایک ارشاد نقل کردوں جس کو مولانا عاشق الٰہی نے تذکرۃ الخلیل ص۱۸۱ میں تحریر فرمایا ہے:۔

ایک مرتبہ بندہ حاضر تھا آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا مولوی عاشق الٰہی ایک بات کہوں۔ ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ ہندوستان میں علم کی اتنی کمی تھی کہ دور کیوں جاؤ خود ہمارے اضلاع میں بھی جنازہ کی نماز پڑھانے والا مشکل سے ملتا تھا اور آج علم کی کثرت کا یہ حال ہے کہ شہر تو شہر بلکہ کوئی قصبہ کوئی گاؤں بھی ایسا نہ ہوگا جہاں کوئی مولوی نہ مل جائے اس کے بعد ذرا دوسرا پہلو دیکھو غدر کا زمانہ گذرے کچھ مدت نہیں گذری۔ ابھی اس کے دیکھنے والے بھی زندہ ہیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ پھانسی گڑی ہوئی تھی اور ان ناکردہ مظلوموں کا پرا بندھا ہوا تھا جن کو پھانسی کا حکم دیا جا چکا تھا وہ لوگ آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ ایک نعش کو اتارا جا رہا ہے اور دوسرے کو زندہ چڑھایا جا رہا ہے اس طرح پر موت ان کی نظر کے سامنے تھی اور ان کو عین الیقین تھا کہ چند منٹ کے بعد میرا شمار مردوں میں ہوگا بایں ہمہ کوئی جھوٹو بھی ان کے متعلق ضعفِ ایمان کا الزام نہیں لگا سکتا کہ کسی بچے نے بھی موت سے ڈر کر اسلام سے انحراف یا تبدیل مذہب کا خیال کیا ہو باوجود قلتِ علم اور غلبۂ جہالت کے ان کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ مرنا قبول تھا مگر مذہب پر حرف آنا قبول نہ تھا اور آج بایں کثرتِ علم ضعفِ ایمان کا یہ حال ہے کہ ذرا ڈنڈے کا خوف یا روپے بلکہ دو حرف انگریزی کے عطیہ کی طمع دلا کر جو چاہے کہلا لو اور جو چاہے کرا لو عجیب بات ہے قلتِ علم کے وقت ایمان میں اتنی قوت اور کثرتِ علم کے زمانے میں ایمان کی اتنی کمزوری الخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جسے وسعتیں بھی نہ پا سکیں
وہ نبی کا پاک مقام ہے

سیرتِ خیر العباد صلعم

یعنی

ترجمہ و تشریح زاد المعاد ابن قیم جوزیہ

باب اوّل

نسب، خاندان، والدین وغیرہ

باب اول

نسب اور خاندان وغیرہ

نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اور نسب روئے زمین پر سب سے زیادہ اشرف اور اعلیٰ ہے آپ کے دشمنوں نے بھی آپ کی خاندانی شرافت کی گواہی دی ہے۔ چنانچہ ہرقل شاہ روم کے بھرے دربار میں ابوسفیان نے کہا۔

اشرف القوم قومہٗ اشرف القبائل قبیلتہٗ واشرف الافخاذ فخذہٗ	آپ کی قوم سب قوموں سے افضل اور آپ کا خاندان سب خاندانوں سے محترم اور آپ کے آباء واجداد سب سے اعلیٰ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب شریف یہ ہے:۔ محمد صلعم بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ابن خزیمۃ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار ابن معد بن عدنان۔

یہاں تک نسب نامہ کی صحت پر سب کا اتفاق ہے۔ البتہ عدنان سے اوپر کے سلسلہ میں اختلاف منقول ہے ہاں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عدنان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ ہیں یہی علمائے صحابہ کرام، تابعین اور دیگر علمائے امت کا ارشاد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں اور اس کے رد میں بیس سے زیادہ دلائل موجود ہیں۔

ذبیح اللہ کون تھا؟ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا ہے کہ یہ آخری قول اسرائیلیوں سے لیا گیا ہے باوجودیکہ یہ قول ان کی کتابوں کی نصوص کیخلاف ہے اور ان کی کتابوں میں موجود ہے "کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے پیارے بیٹے اور دوسری روایت میں ہے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرو۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ مسلمان اور اہل کتاب اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نرینہ اولاد میں اس وقت صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام

ہی تھے۔

جن حضرات نے قول ثانی کو اختیار کیا ہے ان کو توریت کی اس عبارت " اپنے بیٹے اسحٰق کو ذبح کر" سے دھوکہ ہو گیا ہے حالانکہ " لفظ اسحٰق[۱] " یہودیوں کا اضافہ ہے جو توریت کی دو تصریح کے خلاف ہے۔ کیونکہ پہلی عبارت میں صرف اسقدر ہے کہ " اپنی نرینہ اور اکلوتی اولاد کو ذبح کر "۔

یہودی چونکہ بنی اسماعیل سے ان کی خاندانی شرافت کی وجہ سے حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ شرف (نبوت) انکو حاصل ہو جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ یہ شرافت اسکے اہل کو عطا کرتا ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت اسحٰق " ذبیح " ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو پوتے " یعقوب " کی بشارت دی ہے ارشاد ربانی ہے۔

لاتخف انا ارسلنا الیٰ قوم	آپ ڈریں نہیں ہم نے (ان فرشتوں کو) قوم
لوط وامرأته قائمة فضحكت فبشرنا	لوط کی طرف بھیجا ہے (اسوقت وہاں) حضرت
ها باسحٰق ومن وراء اسحٰق يعقوب	ابراہیم ؑ کی بیوی بھی کھڑی تھیں چنانچہ ہنس

دیں۔ پس ہم نے اس کو اسحٰق کی بشارت دی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی بھی۔

لہٰذا یہ امر محال ہے کہ پہلے بیٹے کی خوشخبری دی جائے اور پھر ذبح کا حکم دیا جائے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بشارت میں حضرت یعقوب ؑ داخل ہیں۔

یہ تو اس آیت مبارکہ کا سیاق اور ظاہری مطلب ہے اس کے علاوہ ایک دوسری بات اور ہے وہ یہ کہ اگر کہا جائے " تمہاری بات تسلیم ہے تو لفظ " یعقوب " کو اسحٰق پر معطوف ہونے کی بنا پر مجرور ہونا چاہیئے یعنی عبارت یوں ہونا چاہیئے ومن وراء اسحٰق یعقوب ای یعقوب من وراء اسحٰق " اس کا جواب یہ ہے کہ حالت رفع بشرنٰہ " یعقوب کو بشارت سے خارج نہیں کر سکتی۔ کیونکہ " لفظ بشارت " ایک کلام خاص ہے (جس کے معنی مخصوص ہیں) اور وہ خبر صادق مقدم ہے اور اللہ تعالیٰ کا دوسرا قول " ومن وراء اسحٰق یعقوب " ایک دوسرا جملہ ہے جس میں گذشتہ تمام قیودات متضمن ہیں پس یہ بشارت بلکہ پورا جملہ خبر یہ بشارت ہوگا۔

اور اگر اس کلام کو منصوب قرار دیا جائے تو پھر معنی اس طرح ہوں گے وقلنا لها من وراء اسحٰق یعقوب "۔ یعنی ہم نے اس عورت کو اسحٰق کے بعد یعقوب کی بشارت دی اور جب کہنے والا یوں کہتا ہے " بشرت فلانا بقدوم اخيه وثقله فی اثره " (یعنی میں نے فلاں آدمی کو اس کے بھائی

---

[۱] یہودی حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اسی وجہ سے انھوں نے یہ کارروائی کی ہے۔

اور اس کے سامان آنے کی خبر دی) اس سے دو باتوں کی بشارت پائی جاتی ہیں اول بچائی اور دوسرے اسی کے ساتھ اس کے سامان کی۔ اور صاحب فہم پر یہ بات مخفی نہیں ہے پھر جر کے ضعیف ہونے میں ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ جیسے مررت بزید ومن بعد لاعمرو اس عبارت میں عاطف (حرف واو) جر (با) کا قائم مقام ہو رہا ہے اس میں اعادہ حرف جر (با) کی ضرورت نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ہمارے اس استدلال کی تائید (کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہیں) سورۂ صافات کی اس آیت مبارکہ سے بھی ہو رہی ہے۔

فلما اسلما وتلّهٗ للجبین ونادینٰه ان یا ابراهیم قد صدقت الرویاء انا کذٰلك نجزی المحسنین ان هٰذا لهو البلاءُ المبین ۝ وفدینٰهُ بذبحٍ عظیم وترکنا علیه فی الاٰخرین سلامٌ علیٰ ابراهیم کذٰلك نجزی المحسنین انهٗ من عبادنا المؤمنین

جب باپ بیٹے تعمیل حکم کے لئے تیار ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا تو ہم نے پکارا اے ابراہیم تو نے خواب کو سچ کر دکھایا ہم محسنین کو ایسی جزا دیتے ہیں بلاشبہ یہ کھلی ہوئی آزمائش ہے اور ہم نے ان کو ذبح عظیم[1] فدیہ کے طور پر عطا کیا اور باقی رکھا اس میں آنے والی نسلوں کو ابراہیم پر سلامتی ہو ہم نیکوں کو یوں ہی بدلہ دیتے ہیں ابراہیم ہم پر ایمان رکھنے والوں میں سے تھے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

وبشرناه باسحٰق نبیًا من الصالحین۔

اور ہم نے اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے تھے۔

پس یہ بشارت تعمیل حکم خداوندی کی وجہ سے ہے۔ اس میں واضح ترین دلیل ہے کہ بشنرہٗ (اسحٰق)

---

[1] ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ ذبح عظیم سے وہ دنبہ مراد ہے جو ہابیل ابن آدم علیہ السلام نے بطور نذر پیش کیا تھا بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ذبح عظیم سے کثیر الثواب والا ہونا مراد ہے بہر حال اس میں تضاد نہیں کیونکہ یہ دنبہ اگر ہابیل والا دنبہ نہیں بھی تھا تب بھی اس کو بچند وجوہ عظمت حاصل ہے اول یہ کہ جنت سے آیا۔ دوسرے یہ کہ جبرئیلؑ اللہ کے حکم سے لائے۔ تیسرے یہ کہ ایک پیغمبر کا فدیہ بنا۔ چوتھے یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کا عزم اور امتحان بھی اس کے ذریعہ سے پورا ہو گیا وغیرہ۔ حضرت ابن عباسؓ نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی ذبح فرزند کی نذر کرے تو اس کو بکری ذبح کر دینا کافی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابن عباس کے فتویٰ کو اختیار کیا ہے۔ مظہری ص ۱۳۲ ج ۸۔

غیر اول ہے یعنی جن کی بشارت دی ہے وہ اور ہیں اور جن کو ذبح کیا گیا تھا وہ اور تھے جیسا کہ نص قرآنی کا ظاہر ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ بشارت ثانیہ سے مراد نبوت ہے یعنی جب باپ بیٹے نے امر خداوندی پر صبر و اطاعت کا مظاہرہ کیا تو اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے اعطائے نبوت کا اعلان فرمایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح بشارت کا اطلاق ذات نبی اور نبوت دونوں پر ہے، نہ کہ اصل کو چھوڑ کر صرف صفت (نبوت) پر اسکی وجہ لفظ "نبیاً" منصوب بر بنائے حال ہے اس طرح بشارت کا اطلاق دونوں پر ایک ساتھ ہوگا۔ کیونکہ حال فضلہ کلام[1] میں شمار ہوتا ہے لہٰذا بشارت کا اطلاق فضلۂ کلام پر کرنا نحوی اعتبار سے بالکل غلط اور باطل ہے۔

ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ تھے

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ذبیح علیہ السلام (حضرت اسمٰعیلؑ) اس وقت مکہ معظمہ میں تھے اسی وجہ سے یوم نحر کو قربانیاں بھی وہیں کی جاتی ہیں جیسا کہ سعی بین الصفا والمروہ وہاں ہوتی ہے تاکہ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ محترمہ کی شان کا مظاہرہ اور خدا کا کلمہ بلند رہو۔

اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ محترمہ دونوں مکہ میں رہتے تھے نہ کہ حضرت اسحٰقؑ اور ان کی ام محترم لہٰذا ذبح کا مکان اور اس کا وقت اور بیت حرام (کہ جس کی بنا میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت ابراہیمؑ دونوں شریک تھے) متصل ہو گئے۔ اور مکہ[2] میں قربانی کرنا چونکہ تکملہ حج شمار ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند ارجمند کے وقت میں تھا۔ اور اگر یہ ذبح فرزند کا واقعہ قیام شام کے وقت پیش آتا (جیسا کہ اہل کتاب کا خیال ہے) تو قربانیاں ملک شام میں ہوا کرتیں نہ کہ مکہ معظمہ میں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ذبیح علیہ السلام کو حلیماً (صابر، بردبار) فرمایا ہے اور اس سے زیادہ کون حلیم ہو سکتا ہے جس نے اطاعت رب میں اپنے آپ کو ذبح کے لئے پیش کر دیا۔ اور حضرت اسحٰقؑ کو علیماً فرمایا ہے ارشاد ہے۔

ھل اتاك حديث ضيف	کیا آپ کو ابراہیمؑ کے محترم مہمانوں کی خبر معلوم ہے
ابراھیم المکرمین اذ دخلوا علیه	جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کیا اور (جواب
فقالوا سلاما قال سلام علیکم	میں) ابراہیمؑ نے بھی فرمایا۔ اے
قوم منکرون۔	قوم اجنبی سلام علیکم۔

---

[1] نحوی اعتبار سے جملہ فعلیہ میں۔ فعل، فاعل، مفعول بہ اصل کلام ہیں کیونکہ ان پر کلام تمام ہو جاتا ہے باقی دوسرے مفاعیل، حال اور تمیز وغیرہ کلام سے زائد ہیں اسی وجہ سے ان کو فضلہ کلام شمار کیا جاتا ہے۔

[2] مراد منیٰ ہے چونکہ مکہ اور منیٰ کو اتصال مکانی حاصل ہے اس کا شمار بھی مکہ ہی میں ہے۔

اس کے بعد ارشاد ربانی ہے۔

قالوا لا تخف وبشروہ بغلام علیم[۲۶] انھوں نے کہا آپ خوفزدہ نہ ہوں اور ان کو غلام علیم کی بشارت دی۔

اور بلا شبہ یہ بشارت حضرت اسحٰق علیہ السلام کے متعلق ہے اور یہ صاحبزادے ان کی بیوی کے بطن سے تھے لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ کے بطن سے ہیں جو باندی تھیں اور دوسرے یہ کہ حضرت اسحٰق ؑ کی بشارت ان دونوں (ماں، باپ) کو بڑھاپے اور یاس[۱] کے وقت میں دی گئی حضرت اسماعیل ؑ عالم یاس سے قبل پیدا ہو چکے تھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے انسان کو اولاد نرینہ سے زیادہ محبت کرنا عطا کیا ہے اس لئے ہر انسان اولاد نرینہ سے زیادہ محبت کرتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حق تعالیٰ شانہ سے بیٹے کے لئے سوال کیا تو ان کی دعا قبول ہوئی اور اللہ نے ان کو بیٹا دیا جس کی محبت ابراہیم ؑ کے قلب میں پیدا ہو گئی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شرف خلت سے نواز کر اپنا خلیل بنایا تھا۔ اور خلت یہ ہے کہ محبوب کی محبت قلب میں اس قدر راسخ ہو جائے کہ خیال غیر کا شائبہ بھی نہ آسکے۔ لیکن یہاں بیٹے کی محبت بھی پیدا ہو گئی تھی اس لئے غیرت خلت کے ماتحت ان کو اسی فرزند کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ تو ابراہیم ؑ اس کے لئے آمادہ ہو گئے بلکہ ایک حد تک کر گذرے۔ جس سے منشائے ربانی حاصل ہو گیا یعنی قلب خلیل سے ماسوی اللہ کو نکال دیا تو مقصود حاصل ہو گیا جس کی وجہ سے امر سابق ذبح فرزند کو منسوخ فرما دیا اور ذبیح علیہ السلام کے فدیہ میں جنت کا دنبہ بھیج دیا گیا۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے بھی خواب کو پورا کر دکھایا۔ اور مقصود ربانی بھی پورا ہو گیا۔

اس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ امتحان ولد اول کے وقت ہوا تھا نہ کہ دوسرے بچے کے وقت بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تقاضائے خلت ولد اول ہی کے وقت پورا ہو سکتا تھا نہ کہ دوسرے بچے کے وقت۔

نیز حضرت سارہ رضؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ ہیں جن کو حضرت ہاجرہ اور ان کے فرزند کی وجہ سے غیرت آئی اس لئے کہ ہاجرہ باندی تھیں۔ لہٰذا جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تو غیرت سوت میں اور زیادہ شدت پیدا ہو گئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ یہ دونوں ماں بیٹے ان سے دور چلے جائیں اس طرح انکو مکہ میں آباد کر دیا گیا۔ جسکی وجہ سے حضرت سارہ رضؓ کی غیرت سوت کو تسکین حاصل ہوئی یہ اللہ تعالیٰ

---

[۱] یاس سے مراد وہ زمانہ ہے کہ جب عورت اس عمر کو پہونچ جائے کہ آئندہ بچہ پیدا ہونے کی امید نہ رہے۔ حنفیہ کے نزدیک ۵۵ سال کی عمر میں یہ زمانہ آجاتا ہے۔

کی رحمت اور شفقت تھی۔

اس جگہ غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح حضرت سارہ رضؓ کے بیٹے کو تو ذبح کرنے کا حکم فرمادیا اور سوت (حضرت ہاجرہ رضؓ) کے بیٹے (حضرت اسمٰعیل) کو ذبح کرنے کا حکم نہ دیا بلکہ ویسے ہی چھوڑ دیا......

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا مقتضا تو یہ ہے کہ جاریہ (باندی) کے فرزند (حضرت اسمٰعیل عؑ) کو ذبح کردیا جائے تاکہ حضرت سارہ رضؓ کے قلب میں جو حسد کی آگ بھڑک اٹھی تھی اس کو حضرت اسماعیل رضؓ کے ذبح ہونے سے رحمت اور محبت مادری سے تبدیل کردیا جائے۔

قلب ہے نہ کہ سنگ وخشت درد سے بھرنہ آئے کیوں

پھر حضرت سارہ رضؓ کے سامنے بھی اس واقعہ سے کس قدر حضرت اسمٰعیل عؑ اور ان کی والدہ کی برکات کھل کر سامنے آئیں ان کو بھی ظاہر ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ ایسی صابرہ ماں اور ایسے حلیم بچے کو ضائع نہیں کرتا اور اپنے بندوں پر بھی یہ ظاہر کردیا کہ رنج وغم کے بعد فرحت وراحت اور ناامیدی کے بعد کامیابی حاصل ہوا کرتی ہے۔[۱]

حضرت ہاجرہ اور ان کے بچے کا بعد مشقت، غربت اور تنہائی پر تسلیم ورضا اور تعمیل وانقیاد کا یہ انجام ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے لئے مومنین کے واسطے ان کے آثار اور نشان قدوم کو مناسک حج قرار دیدیا۔ اللہ تعالیٰ جن کو دنیا وآخرت میں سربلندی اور عظمت عطا کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اس کی یہی عادت ہے کہ ان کی اسی طرح آزمائش کی جاتی ہے اور ان کو اسی عجز ومسکنت میں مبتلا کردیا جاتا ہے ارشاد ربانی ہے۔

ونرید ان نمن علی الذین	اور جب ہم ضعفاء ارض پر احسان کرنا چاہتے
استضعفوا فی الارض ونجعلهم	ہیں تو ہم ان کو اہل دنیا کا پیشوا اور وارث قرار

---

[۱] یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت اسماعیل کو جب قربان کیا گیا اس وقت ان کی عمر کیا تھی؟

حضرت اسماعیل کی عمر شریف

آیت مبارکہ فلما بلغ معه السعی کے تحت مفسرین کرام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر کے متعلق بحث کی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں بیان کیا ہے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر شریف ۱۳ سال یا ۱۷ سال تھی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہاں سعی سے مراد عمل ہے اسی کو علامہ سید محمود آلوسی نے پسند کیا ہے اور غالباً علامہ ابن قیم نے جس تمہید کے تحت اس واقعہ کو بیان کیا ہے اسکے بھی یہ زیادہ مناسب ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں هذا معنی صحیح حمل الآیۃ علیه اولی دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں سعی سے مراد پہاڑ پر چڑھنا ہی اسکے متعلق علامہ آلوسی نے بیان فرمایا لا ینبغی ان یلتفت الیه اس قول کیطرف متوجہ نہ ہونا چاہیئے۔ حضرت شیخ الہند نے پہلے قول کی رعایت کرتے ہوئے خوب ترجمہ کیا ہی "پھر جب پہنچا اسکے ساتھ دوڑنے کو"۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے تفسیر مظہری ص ۱۲۸ ج ۸، روح المعانی ص ۱۲۸ ج ۱۳، مدارک مع الاکلیل ص ۸۳ ج ۵، فوائد عثمانیہ ص ۵۸۳ مطبوعہ مدینہ پریس۔

أئمة ونجعلهم الوارثين وذلك فضل الله يؤتيه من يشآء والله ذو الفضل العظيم

دیتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔

مقام پیدائش

اس کے بعد اب ہم پھر اپنے مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اخلاق، وحی کو بیان کرتے ہیں۔

اس میں اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں[1] پیدا ہوئے۔ اور آپ کا سن پیدائش وہی سال[2] ہے کہ جب اصحاب فیل نے بیت اللہ پر حملہ کیا تھا۔ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ایک معجزہ کے طور پر دکھایا یعنی ابھی آپ شکم مادر ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں والوں کو پرندوں کے ذریعہ ذلیل ترین شکست دی اور یہ سب کچھ آپ کی برکت تھی ورنہ ظاہری حالات ایسے نہیں تھے۔

اصحاب فیل اہل کتاب (نصاریٰ) میں سے تھے۔ اور ان کا دین اہل مکہ سے بہتر بھی تھا کیونکہ وہ اہل کتاب تھے اور اہل مکہ کافر اور مشرک تھے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انھیں اہل کتاب کے مقابلہ میں نصرت عطا فرمائی۔ اس میں کسی انسان کے فعل کو دخل نہیں[3] تھا بلکہ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل اور ان کا ایک معجزہ اور بیت اللہ کی عظمت وشان کا ایک مظاہرہ تھا۔

والدین کا انتقال

آپ کے والد ماجد جناب عبداللہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ آپ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ ولادت باسعادت کے بعد انتقال ہوا اس قول کے قائلین کا کہنا ہے کہ آپ کی ولادت

---

[1] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں شعب بنی ہاشم میں پیدا ہوئے یہ گھر کوہ صفا کے قریب مشرقی جانب تھا یہ مقدس بیت بعد میں محمد بن یوسف حجاج کے بھائی کے پاس آ گیا تھا اس وقت اس کا نام دار بیضا تھا۔ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ اس گھر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیل بن ابی طالب کو ہبہ کر دیا تھا ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد میں سے کسی نے محمد بن یوسف کے ہاتھ فروخت کر دیا اس سے خیزران مہدی کی اہلیہ ہارون رشید کی والدہ نے لیا۔ اور اس کو مسجد بنا دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس کو ہارون رشید کی بیوی زبیدہ نے خرید کر مسجد بنا دیا تھا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم عسفان میں کہ معظمہ سے ۳۶ میل کے فاصلہ پر پیدا ہوئے مگر صحیح قول پہلا ہی ہے اھ زرقانی شرح مواہب صـ۱۳۶ ج ۱۔

[2] تفسیر اور شروحات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم واقعہ فیل کے ۵۵ یوم بعد تولد ہوئے۔

[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد محترم جناب عبدالمطلب نے بھی ابرہ سے جا کر کہہ دیا تھا کہ میں تو آپ کے پاس اپنے اونٹ چھوڑانے آیا ہوں۔

بیت اللہ کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ کرے گا۔

کے سات مہینہ بعد انتقال ہوا لیکن پہلا قول صحیح ہے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ (آمنہ خاتون) کا انتقال۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابوا میں ہوا۔ وہ اس وقت مدینہ منورہ سے اپنے بھائیوں کے یہاں سے واپس ہو رہی تھیں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۷ سال تھی۔

عبدالمطلب کی کفالت

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جد محترم جناب عبدالمطلب کی کفالت میں آگئے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ کی عمر شریف ۶ سال یا ۸ سال کی ہوگی اور ایک روایت یہ ہے کہ دس سال کی عمر شریف تھی کہ جناب عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا۔

ابوطالب کی کفالت

اس کے بعد آپ اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آگئے جس وقت آپ کی عمر شریف ۱۲ سال یا ۹ سال کی ہوئی تو آپ اپنے چچا کے ساتھ ملک شام کے سفر پر تشریف لے گئے اسی سفر میں بحیرہ راہب کا واقعہ پیش آیا اس نے آپ کے چچا کو مشورہ دیا کہ آپ ان کو شام نہ لے جائیں کیونکہ مجھے یہودیوں سے خطرہ ہے کہ مبادا وہ ان کو قتل کردیں چنانچہ آپ کے چچا نے اپنے کسی غلام کے ساتھ ان کو مدینہ بھیجدیا۔

کتاب ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم کے ساتھ حضرت بلال کو بھیجا گیا تھا یہ روایت غلط ہے[۱] کیونکہ اس وقت وہاں حضرت بلال رضؓ موجود نہ تھے اور اگر بالفرض ہوں بھی تو وہ نہ آپ کے چچا کے ساتھ تھے اور نہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے ساتھ تھے۔

---

[۱] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے حاکم نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ امام بیہقی، ابونعیم، خرائطی، ابن عساکر نے بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے رجال کے متعلق کہا ہے کہ سب ثقہ ہیں۔ امام سخاوی نے کہا ہے میرے نزدیک ان میں کوئی مجروح نہیں ہے۔ لیکن حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اس وقت وہاں نہ ابوبکر صدیق رضؓ ہی تھے اور نہ حضرت بلال رضؓ ہی ان کی غلامی میں وہاں موجود تھے۔ حضرت بلال رضؓ، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی غلامی میں مسلمان ہونے کے بعد آئے ہیں۔ علامہ زرقانی نے بیان کیا ہے کہ حدیث تو اپنی جگہ درست ہے لیکن اتنا حصہ بعد کا اضافہ ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اس وقت سے رہے جب کہ حضور صلعم کی عمر شریف ۲۰ سال اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شریف ۱۸ سال تھی۔ علامہ شبلی نے بھی انھیں وجوہات کی بنا پر اس حدیث کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے لیکن ہمارے نزدیک علامہ زرقانی کی رائے معتدل معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

زرقانی شرح مواہب صفحہ ۱۹۵ تا ۱۹۷، سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۱۹ ج ۱،
سیرت النبی از علامہ شبلی صفحہ ۱۳۱ ج ۱۔

بزار نے اس روایت کو اپنے مسند میں ذکر کیا ہے لیکن یوں نہیں کہا وارسل معه عمه بلالاً (آپ کے چچا نے آپ کے ساتھ بلال کو بھیجا بلکہ یوں کہا ہے " ارسل معه عمه رجلا " ان کے ساتھ ایک آدمی کو بھیجا۔

شام کا سفر اور حضرت خدیجہ سے نکاح

جب آپ کی عمر شریف ۲۵ سال کی ہوئی تو آپ پھر دوبارہ تجارت کی غرض سے ملک شام تشریف لے گئے اور بصرہ پہونچے جب وہاں سے واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رضؓ سے آپ کا عقد ہو گیا۔[۱]

کہا گیا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۰ سال تھی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ۲۱ سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضؓ کی عمر شریف اس وقت ۴۰ سال کی تھی۔ یہی سب سے پہلی عورت ہیں جن کو آپ نے اپنی زوجیت میں داخل فرمایا اور یہی سب سے پہلی ازواج مطہرات میں سے ہیں جن کا وصال ہوا اور جن کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے آپ نے عقد نہیں کیا۔ انھیں کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ اپنا سلام بھیجا تھا۔

غار حرا اور نزول وحی

پھر آپ کے قلب میں خلوت گزینی اور عبادت الٰہی سے رغبت اور محبت پیدا ہو گئی چنانچہ آپ مسلسل راتوں کو غار حرا میں عبادِ خداوندی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کے قلب میں شروع ہی سے اپنی قوم کے دین اور بت پرستی سے نفرت تھی۔

جب آپ کی عمر شریف کے ۴۰ سال پورے ہو گئے تو آپ پر انوار نبوت جلوہ گر ہونے شروع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت عطا فرما کر آپ کو مکرم فرمایا اور آپ کو اپنے اور بندوں کے درمیان

---

[۱] جس وقت آنحضرت صلعم کا عقد حضرت خدیجہ رضؓ سے ہوا اس وقت آپ کی عمر شریف ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضؓ کی عمر ۴۰ سال تھی یہی روایت صحیح ہے۔ حضرت خدیجہ رضؓ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے انکی دو شادیاں پہلے بھی ہو چکی تھیں۔ اپنے پاکیزہ اخلاق کی بنا پر زمانہ جاہلیت میں طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ ہوا یہ تھا کہ حضرت خدیجہ رضؓ نے مضاربت پر اپنا مال تجارت دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا۔ اور اپنے غلام میسرہ کو خدمت کے لئے ہمراہ کر دیا تھا واپسی پر میسرہ سے عجیب و غریب واقعات سنے تو آپ نے حضور صلعم سے اپنے عقد کا ارادہ کر لیا اور آپ کے چچا کے پاس پیغام بھیجدیا۔ جناب ابو طالب نے اس پیغام کو منظور کر لیا۔ اور رؤسائے قریش کو ہمراہ لے جا کر آپ کا عقد حضرت خدیجہ سے کر دیا ۵۰۰ طلائی درہم مہر مقرر ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضؓ کے والد زندہ تھے مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے حضرت خدیجہ رضؓ جس مکان میں رہتی تھیں وہ بیت خدیجہ ہی کے نام سے مشہور تھا۔ امیر معاویہ رضؓ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا تھا سیرت النبی از شبلی ص ۱۳۷ ج ۱۔

اپنا امین مقرر فرمایا۔

اس میں اختلاف نہیں ہے کہ آپ کی بعثت دوشنبہ کے دن ہوئی لیکن مہینہ میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ ۸ ربیع الاول ۴۱ عام فیل ہے۔ اکثر کا قول یہی ہے بعض نے کہا ہے کہ وہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا ان کی دلیل یہ آیت شریفہ ہے۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔	رمضان مبارک کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو سب سے پہلے انعام فرمایا وہ نزول قرآن ہے یہی قول ایک جماعت کا ہے ان میں سے یحیٰی الصرصری نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے چنانچہ وہ اپنے قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں۔

واتت علیہ اربعون فاشرقت شمس النبوۃ فی رمضان

پہلے قول کے قائلین کہتے ہیں کہ قرآن پاک تو لیلۃ القدر (رمضان المبارک) میں بیت العزت کی طرف اتارا گیا۔ پھر اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے ضرورت کے مطابق ۲۳ سال میں پورا کر دیا گیا۔ ایک جماعت کا یہ بھی کہنا ہے کہ رمضان المبارک کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس میں قرآن پاک نازل کیا گیا اور اسکے روزوں کو فرض قرار دیا گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ رجب کے مہینہ میں مبعوث ہوئے۔

مراتب وحی وحی کے چند درجے ہیں ۱ یہ کہ آپ کو رویائے صادقہ دکھائے جاتے تھے جن کی تعبیریں نمایاں ہو کر ظاہر ہوتی تھیں۔ ابتدائے نبوت میں آپ کے ساتھ یہی معاملہ رہا۔ ۲ فرشتہ آپ کے قلب میں القا کر دیتا تھا جیسا کہ آنحضرت صلعم نے خود ارشاد فرمایا ہے۔

ان روح القدس نفث فی روعی انہ لن تموت نفس حتی تستکمل رزقہا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب ولا یحملنکم استبطاء الرزق علی ان تطلبوا بمعصیۃ اللہ فان ما عند اللہ لاینال الا بطاعتہ	حضرت جبرئیل علیہ نے میرے دل میں القا کیا ہے کہ کوئی متنفس جب تک کہ اس کا رزق پورا نہ ہو جائے نہیں مرے گا لہٰذا خدا سے ڈرتے رہو اور طلب رزق میں شرافت کو اختیار کرو تمہارے پاس دیر میں رزق پہونچنا کہیں تم کو خدا کی نافرمانی پر آمادہ نہ کر دے اس لئے کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس کو طاعت ہی کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

تیسرا مرتبہ یہ کہ فرشتہ کسی شخص کی صورت میں متمثل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ سے مخاطب ہوتا یہاں تک کہ آپ اسکو یاد کر لیتے۔ اس صورت میں بعض مرتبہ حضرات صحابہ رضی بھی اس فرشتہ کو دیکھ لیتے تھے۔

چوتھا مرتبہ یہ کہ آپ کے کان میں گھنٹی کی سی آواز آتی۔ یہ صورت آپ پر بہت زیادہ گراں بار ہوتی تھی اور فرشتہ بھی خلط ملط ہو جاتا تھا۔ سخت ترین سردی کی حالت میں بھی آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے اور اگر آپ سواری پر ہوتے تو وہ سواری بھی زمین پر بیٹھ جاتی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ حضرت زید بن ثابت کی زانو پر سر رکھے ہوئے تھے کہ نزول وحی شروع ہوا۔ حضرت زید رض پر یہ بوجھ بہت ہی زیادہ گراں ہوا یہاں تک کہ وہ احساس کرنے لگے کہ اب میری ران ٹوٹ جائے گی۔

پانچواں مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ آپ فرشتہ کو اس کی اصل صورت میں دیکھ لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا وحی فرماتا۔ یہ حضور صلعم کے ساتھ دو مرتبہ ہوا جیسا کہ سورۂ نجم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے[1]۔

چھٹی صورت یہ کہ جب آپ معراج میں تشریف لے گئے تو وہاں آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل فرمائی اور نماز وغیرہ فرض قرار دیں۔

ساتویں صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے واسطہ کے بغیر آپ سے کلام کیا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ یہ طریقۂ وحی نص قرآن سے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ثابت ہے اور ہمارے حضور صلعم کے لئے اس طریقہ کا ثبوت حدیث اسراء سے ملتا ہے[1]۔

بعض حضرات نے وحی کی آٹھویں صورت بھی بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر حجاب کے آپ سے کلام فرمایا یہ ان لوگوں کے مسلک کے مطابق ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلعم نے اپنے رب کو بلا حجاب دیکھا۔ اس مسئلہ میں سلف اور خلف کا اختلاف ہے اگرچہ جمہور صحابہ رض بلکہ کل کے کل حضرت عائشہ صدیقہ رض کے ساتھ ہیں جیسا کہ عثمان بن سعید دارمی نے حضرات صحابہ رض کا اس پر اجماع نقل کیا ہے[2]۔

مسئلہ معراج [1][2] معلوم ایسا ہوتا ہے کہ علامہ ابن قیم نے ان حضرات کا مسلک اختیار کیا ہے جن کا مسلک رویت قلبی ہے اسی پر انھوں نے اجماع نقل کر دیا ہے اگرچہ ان کو اجماع کے نقل کرنیکا حق نہیں پہونچتا کیونکہ ان ہی کا فرمانا ہے:۔

جو کوئی اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ لوگوں میں اختلاف ہو الخ اعلام الموقعین ص ۳۳۲ ج ۲۔

اس کے بعد اب ہم اصل مسئلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رض اور بعض صحابہ رض کا یہ خیال ہے (باقی آگے)

بابُ دوم

ایام طفولیت سے بعثت تک

حضور صلعم کا مختون پیدا ہونا

اس مسئلہ میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے۔ اس بارے میں جو حدیث ہے وہ

گذشتہ سے پیوستہ

کہ حضور صلعم کو معراج منامی ہوئی نہ کہ جسدی۔ اسی طرح آپ نے حق تعالیٰ شانہٗ کو قلب کی آنکھ سے دیکھا نہ کہ ان آنکھوں سے۔ جب حضرت مسروق رح نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے سوال کیا کہ "کیا حضور صلعم نے اپنے رب کو دیکھا" تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر کوئی تم سے یہ تین باتیں کہے تو اس نے جھوٹ بولا ہے۔ ۱۔ حضور صلعم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ دلیل میں حضرت عائشہ رضؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لاتدرکہ الابصار۔ الآیۃ۔ دلیل سے فارغ ہونیکے بعد حضرت عائشہ رضؓ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ حضور صلعم نے حضرت جبرئیل عؑ کو دومرتبہ دیکھا۔ الخ اس حدیث اور آیت مبارکہ

علمہٗ شدید القویٰ ذومرۃ فاستویٰ وھو	اس کو سکھلایا ہے سخت قوت والے زور آور نے پھر
بالافق الاعلیٰ ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب	سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارے پر آسمان کے پھر
قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ ما	نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر
کذب الفواد ما رایٰ افتمارونہٗ علیٰ مایریٰ و	بلکہ اس سے بھی کم پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا
لقد راٰہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتھیٰ	اب کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا اور

اس نے اس کو دیکھا ہے اترتے ہوئے ایک بار اور بھی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ (شیخ الہند)

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اور بعض صحابہ رضؓ اور بعض علمائے امت (انھیں میں علامہ ابن قیم بھی ہیں) کا کہنا یہ ہے کہ اس آیت سے ثابت ہے کہ حضور صلعم نے حضرت جبرئیل کو دیکھا اور دومرتبہ دیکھا اول غار حرا میں نزول وحی کے وقت دوسرے لیلۃ المعراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ لیکن حضرات صحابہ رضؓ کی ایک کثیر جماعت (جن میں خلفائے راشدین بھی ہیں) اور جمہور علمائے امت کا یہ فرمانا ہے کہ حضور صلعم کو معراج جسدی ہوئی اور آپ نے خداوند عالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مذکورہ بالا آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر مذکورہ آیت اوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ الخ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مراد لیا جائے تو انتشار ضمائر لازم آتا ہے ۲۔ دنو اور تدلی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ہو تو یہ حضور صلعم کیلئے کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ جبکہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے وزیرای فی السماء جبرئیل و میکائیل یعنی میرے دو وزیر آسمان میں ہیں جبرئیل اور میکائیل۔ اور رویت قلبی کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس پر کافروں کو اعتراض ہوتا یہ رویت تو اولیائے امت کو بھی حاصل ہے۔

حضرت انس رضؓ اور عکرمہ رضؓ کہتے ہیں کہ حضور صلعم نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا۔ امام مسلم نے روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابوذر رضؓ نے حضور صلعم سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا۔ تو فرمایا رایت نوراً انی اراہ۔ علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضؓ چونکہ نفی کررہی ہیں اور دوسرے صحابہ رضؓ اثبات کررہے ہیں اصولاً اثبات کو تسلیم کیا جائیگا اور آیت مبارکہ لاتدرکہ الابصار میں رویۃ بالبصر غیرنبی کیمتعلق

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کو ابو الفرج ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ اس بارے میں کوئی حدیث ثابت موجود نہیں ہے۔ اور نہ یہ حضور صلعم کے خواص ہی میں سے ہے کیونکہ بہتیرے انسان مختون پیدا ہوتے ہیں۔[۱]

میمونی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا وہ یہ کہ ایک ختنہ کرنے والے نے ایک بچہ کی ختنہ کیں لیکن پوری طرح ختنہ نہ کر سکا۔ فرمایا اگر نصف حشفہ تک کاٹا ہے تو دوبارہ ختنہ کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر نصف حشفہ سے کم رہا تو دوبارہ ختنہ کرنا ہوں گی۔ اس لئے کہ حشفہ سخت ہو جاتا ہے اور جب سخت ہو جاتا ہے تو ختنہ ظاہر ہو جاتی ہے لیکن نصف سے کم میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ میں نے پھر کہا کہ اعادہ کرنے میں تکلیف ہوگی اور خوف بھی ہے فرمایا۔ آگے میں نہیں جانتا۔ پھر مجھ سے کہا کہ یہاں ایک آدمی کے مختون لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اس کے باپ کو بہت غم ہوا کیونکہ اب اس کی ختنہ کرنا ممکن نہ تھا۔ میں نے اس کے باپ سے کہا بھائی کیوں غمگین ہوتے ہو اللہ تعالیٰ نے تمھیں مشقت سے بچا لیا ہے اھ

اور مجھے (ابن قیم) میرے ایک دوست ابو عبد اللہ محمد بن عثمان خلیلی محدث بیت المقدس نے بتلایا کہ وہ مختون پیدا ہوئے تھے ان کے سرپرستوں نے ان کا ختنہ نہیں کرایا۔[۲]

گذشتہ سے پیوستہ ہے اور اسی پر اجماع ہے۔ . . . . تفصیلی کلام ملاحظہ ہو۔ تفسیری مظہری ص۱۰۱ تا ص۱۰۲ ج۹ الخصائص الکبریٰ از سیوطی ص۵۲ ج۱۔

مختون پیدا ہونا[۱] حضرت کعب احبار رض فرماتے ہیں کہ بارہ انبیاء علیہم السلام مختون پیدا ہوئے ۱ حضرت شیث ۲ حضرت ادریس ۳ حضرت نوح ۴ حضرت سام ۵ حضرت لوط ۶ حضرت یوسف ۷ حضرت موسیٰ ۸ حضرت سلیمان ۹ حضرت شعیب ۱۰ حضرت یحییٰ ۱۱ حضرت ہود ۱۲ حضرت صالح اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مختون پیدا ہوئے۔ علامہ ابن قیم کا یہ فرمانا غلط ہے کہ "اور نہ یہ حضور صلعم کے خواص ہی میں سے ہے" اگر جزوی خصوصیت میں یہ بھی ہو تو اس سے کیا حرج لازم آتا ہے پھر انحصار خصوصیت صرف مختون ہونے کو قرار دینا اسکا تو کوئی بھی داعی نہیں علامہ ابن جوزی کی جرح بھی صحیح نہیں ہے حاکم نے مستدرک میں کہا ہے تواترت الاحادیث انہ ولد مختونا۔ یعنی آپ کے مختون ہونیکے متعلق متواتر احادیث موجود ہیں جسوقت آنحضرت صلعم مختون تولد ہوئے تو عبد المطلب خوش ہو کر فرمایا لیکونن لابنی ھذا اشان۔ اس حدیث کو بیہقی نے نقل کیا ہے الخصائص الکبریٰ ص۵۳ ج۱۔ حضرت ابو ہریرہ رض اور حضرت انس رض کی بھی یہی روایت ہے آنحضرت صلعم مختون پیدا ہوئے۔ حضرت انس رض کی روایت میں ہے من کرامتی علی ربی ولدت مختونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری کرامت یہ بھی ہے کہ میں مختون پیدا ہوا ہوں اور میری شرمگاہ کسی نے نہیں دیکھی۔ علامہ حافظ ضیاء الدین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے علامہ زرکشی کہتے ہیں کہ انکی تصحیح کا مرتبہ حاکم کی تصحیح سے زیادہ ہے (اور اتفاق سے یہاں دونوں کی تصحیح موجود ہے) مغلطائی نے اس حدیث کی تحسین کی ہے حافظ صاحب کا فرمانا ہے کہ صفات نبویہ کے متعلق جو احادیث بھی ہیں وہ مرفوع کے حکم میں ہیں حافظ ابن کثیر نے بھی یہی کہا ہے کہ آپ مختون پیدا ہوئے الخ زرقانی شرح مواہب ص۲۳۲ ج۱۔ علامہ ابن قیم نے آئندہ چند سطور کے بعد ایک تیسرا قول نقل کیا ہے جسمیں یہ بتلایا ہے کہ آپ مختون پیدا نہیں ہوئے اور آپ کے دادا نے ساتویں دن ختنہ کرائیں اس زمانہ میں عرب میں عموماً اسکا رواج تھا اور یہ شرافت کی علامت شمار ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ عرب کی عادت تھی کہ وہ بلوغ کے قریب ختنہ کرتے تھے الخ زرقانی ص۱۳ ج۱۔ اس قول سے حضرت انس رض والی حدیث کو ترجیح دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے پھر علامہ ابن عبد البر نے بھی اسکو صحیح قرار دیا ہے۔ [۲] ان واقعات سے تو استدلال اسوقت زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے جب کہ انحصار فضیلت اسی پر ہو لیکن چونکہ مختون پیدا ہونا عمومیت سے ہٹ کر کسی نہ کسی درجہ میں خصوصیت میں داخل ہے اگر یہ خصوصیت بھی حضور صلعم کو حاصل تھی تو اس میں کونسا محظور لازم آتا ہے کیونکہ یہ ایک جزوی چیز ہے۔

عوام کا کہنا کہ جو مختون پیدا ہوا اس کی چاند ختنہ کر دیتا ہے یہ دراصل ان کی خرافات ہے اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ جس وقت آنحضرت صلعم حلیمہ سعدیہ کے یہاں تھے تو شق صدر کے دن حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی نے آپ کا ختنہ کر دیا تھا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی ختنہ ساتویں دن ان کے دادا عبدالمطلب نے کرائیں اور لوگوں کو کھانا کھلایا اور آپ کا نام محمد صلعم رکھا۔ علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس باب میں حدیث مسند غریب ہے (وہ یہ ہے) حدثنا احمد بن محمد حدثنا محمد بن عیسٰے حدثنا یحیی بن ایوب العلاف حدثنا محمد بن ابی السری العسقلانی حدثنا الولید بن مسلم عن شعیب عن عطاء الخراسانی عن عکرمۃ عن ابن عباس۔

ان عبد المطلب ختن النبی	عبدالمطلب نے ساتویں دن آپ کا ختنہ
صلعم یوم سابعہٖ وجعل له مأدبة	کرادیا اور آپ کا نام محمد (صلی اللہ علیہ
وسماہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم	وسلم) رکھا۔

یحیی بن ایوب کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو تلاش کیا مگر محمد بن ابی السری کے سوا کسی محدث کے پاس مجھے یہ حدیث نہ ملی۔

اتفاق سے دو شخصوں کے درمیان یہ مسئلہ باعث نزاع بن گیا۔ ان میں سے ایک شخص نے صرف اسی مسئلہ پر ایک کتاب تصنیف کر ڈالی اور متعدد روایات سے ثابت کیا کہ آپ مختون پیدا ہوئے تھے۔ لیکن سب احادیث ویسی ہی ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کتاب کے مصنف کا نام کمال الدین ہے۔ علامہ ابن عدیم نے ان پر اعتراض کیا ہے اور بیان فرمایا ہے کہ ختنہ کرانا عرب کی عادت تھی اور اس کو عمومیت حاصل تھی اور اسکو شرافت کی نشانی بھی سمجھا جاتا تھا واللہ اعلم۔

حضور صلعم کی رضاعی مائیں

جن کا حضور صلعم نے دودھ پیا ان میں سے ایک ابولہب کی باندی حضرت ثوبیہ ہیں ان کا آپ نے چند دن دودھ پیا۔ آپ کے ساتھ ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاشد مخزومی، ثوبیہ کے بیٹے مسروح نے بھی دودھ پیا۔ ان کے علاوہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی ثوبیہ کا دودھ پیا (گویا حضرت حمزہ آپ کے چچا ہونے کے علاوہ دودھ شریک بھائی بھی ہیں) محدثین نے ثوبیہ کے اسلام کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔[۱]

---

[۱] حافظ ابوبکر بن العربی نے سراج المریدین میں ذکر کیا ہے کہ ... جسکا بھی حضور صلعم نے دودھ پیا وہ مسلمان ہوگئیں۔ ثوبیہ کی وفات مکہ معظمہ میں ۷ھ میں ہوئی۔ واللہ اعلم زرقانی شرح مواہب ص ۱۳۷ ج ۱۔

اس کے بعد آپ کو حلیمہ سعدیہؓ نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ کے ساتھ دودھ پلایا (آپ کے چار رضاعی بھائی بہن تھے۔ عبداللہ، انیسہ، حذیفہ، حذافہ جو شیما کے لقب سے مشہور تھیں) حلیمہ حارث بن عبدالعزی بن رفاعہ سعدی کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے رضاعی ابوین کے اسلام کے بارے میں علما کو اختلاف ہے واللہ اعلم۔[1]

آنحضرت صلعم کے علاوہ حلیمہ نے آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا ہے، یہ حضور صلعم کے سخت ترین دشمن رہے لیکن فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہو گئے۔ ان ہی ایام میں حضرت حمزہ بھی سعد بن بنی بکر کے یہاں ایک عورت کا دودھ پیتے تھے تو ایک دن حضرت حمزہ کی رضاعی ماں نے بھی آپ کو دودھ پلایا۔ اس طرح حضرت حمزہ دو طرف سے آپکے رضاعی بھائی ہوئے۔

گود کھلانے والیاں

ان میں سے سب سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ جناب آمنہ خاتون بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ہیں اور پھر حضرت ثوبیہ ہیں اور پھر حضرت حلیمہ سعدیہؓ اور حلیمہ کی بیٹیاں شیما ہیں یہ آپ کی رضاعی بہنیں بھی ہوتی ہیں یہ آپ کو اپنی والدہ کے ساتھ گود کھلایا کرتی تھیں یہی وہ ہیں جو وفد ہوازن کے ساتھ حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ نے ان کے مرتبہ کا خیال کرتے ہوئے اپنی ردائے مبارک ان کیلئے بچھا دی تھی۔[2]

انھیں میں سے فاضلہ جلیلہ جناب ام ایمن ہیں جو آپ کو اپنے والد محترم کے ترکہ میں ملی تھیں، یہ دایہ تھیں ان کے خاوند زید بن حارثہ تھے۔ ان ہی کے بطن سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے۔ یہی وہ خاتون ہیں کہ جن کے پاس حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بعد وفات نبی صلعم پہونچے اور یہ اس وقت رو رہی تھیں تب ان دونوں حضرات نے ان سے دریافت کیا۔

یا ام ایمن ما یبکیک فما عند اللہ	ام ایمن! آپ کیوں روتی ہیں جو کچھ اللہ کے
خیر لرسولہ قالت انی لا علم ان ما	پاس اپنے رسول کیلئے ہے وہ بہت بہتر ہے جواب
عند اللہ خیر لرسولہ وانما ابکی لا	دیا میں خوب جانتی ہوں کہ اللہ کے پاس اپنے
نقطاع خبر السماء فہیجتہما علے	رسول کیلئے جو کچھ ہے وہ بہتر ہے لیکن میں تو انقطاع
البکاء فبکیا	وحی کی وجہ سے روتی ہوں یہ سنکر یہ دونوں بھی انکے ساتھ رونے میں شریک ہو گئے اور رونے لگے۔

---

[1] ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حلیمہ آنحضرت صلعم کی نبوت سے پہلے ہی انتقال کر گئی تھیں لیکن یہ غلط ہے ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں ابن جوزی نے حدا و میں، منذری نے مختصر سنن ابی داود میں، ابن حجر نے ان کے اسلام لانے کو لکھا ہے اور حافظ مغلطائی نے مستقل ایک رسالہ اس بارے میں لکھا ہے اور اصابہ میں ان کے شوہر حارث کے مسلمان ہونیکو بیان کیا ہے اھ سیرت النبی صلعم صفحہ ۱۲۶ ج ۱۔

[2] اس روایت کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔

بعثت رسول اور ابتدائے وحی

جب آپ کی عمر شریف کے چالیس سال پورے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ کہا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اسی عمر میں مبعوث ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے تو اس کے متعلق کوئی اثر متصل نہیں ہے کہ جسکی طرف توجہ دینا ضروری ہو[1]۔

وحی کی ابتدا رویائے صادقہ سے ہوئی۔ جو بھی آپ خواب دیکھتے تھے وہ مثل صبح صادق کے سچا ہوتا یہ کیفیت آپ پر چھ مہینہ رہی اور چونکہ حضور صلعم کی رسالت کی مدت ۲۳ سال ہے اس طرح رویائے صالحہ نبوت کا ۴۶ واں حصہ ہیں واللہ اعلم۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ جب آپ غار حرا میں تھے تو فرشتہ آیا ان دنوں آپ کو خلوت بہت پسند تھی۔ سب سے پہلے آپ پر یہ آیت مبارکہ

اقراء باسم ربک الذی خلق الخ

نازل ہوئی یہی حضرت عائشہ رض اور جمہور کا قول ہے۔ حضرت جابر رض فرماتے ہیں سب سے پہلے آپ پر یا ایھا المدثر الخ نازل ہوئی مگر پہلا قول چند وجوہ سے صحیح ہے ۱۔ یہ کہ حضور صلعم کا یہ فرمانا وما انا بقاری الخ اس بات کی شہادت ہے کہ آپ نے اس سے قبل کوئی چیز نہیں پڑھی تھی ۲۔ یہ کہ ترتیب میں قرأت کا امر (اقراء) انذار کے امر (انذر) سے پہلا ہے اس لئے کہ جب آپ نے دل دل میں انذر ما اقراء پڑھا تو اولاً قرأت کا حکم ہوا اور پھر انذار قرأت کا حکم ہوا ۳۔ یہ کہ حدیث جابر اور ان کا یہ ارشاد

اول ما انزل من القرآن یا ایھا المدثر	سب سے پہلے قرآن میں سورت یا ایھا المدثر نازل ہوئی۔

لہ ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابو ایوب سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے خلوص کے ساتھ چالیس دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں حکمت کے چشمے جاری کر دیتا ہے جو زبان سے جاری ہونے لگتے ہیں اسکے علاوہ چالیس کے عدد کو ایک خصوصیت ضرور حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

وواعدنا ثلثین لیلۃ واتممنھا بعشر فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ	اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور ان کو دس کے عدد سے پورا کیا پس اللہ کا مقرر کیا وقت چالیس رات پورا ہوا تفسیری مظہری ج ۵/۲ ، ص ۳ ج ۱۰۔

قرآن پاک میں دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے متعلق موجود ہے۔

واذ وعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ	اور جب موسیٰ سے ہم نے چالیس راتوں کا وعدہ کیا۔

بہرحال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو ۳۳ سال والی روایت موجود ہے اس کو نوادرات پر محمول کیا جا سکتا لیکن اصل معاملہ وہی چالیس سال والا ہے۔

یہ ان کی ذاتی رائے ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ تو براہ راست حضور صلعم سے خبر نقل کر رہی ہیں ۔ حضرت جابر رضؓ کی حدیث سے صراحۃً یہ معلوم ہو رہا ہے کہ المدثر کے نازل ہونے سے قبل آپ پر فرشتہ نازل ہو چکا تھا کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

فرفعت راسی فاذا الملک	پس میں نے اپنے سر کو اٹھایا تو اس
الذی جاءنی بحراء فرجعت الی	فرشتہ کو دیکھا جو میرے پاس غار حرا میں آیا
اھلی فقلت زملونی دثرونی فانزل	تھا اسکے بعد میں اپنے گھر آیا اور میں نے کہا مجھے
اللہ یا ایھا المدثر	چادر اڑھادو مجھے کمبل اڑھادو۔

اس کے علاوہ حضرت جابر رضؓ ہی نے بیان فرمایا ہے۔

ان الملک الذی جاء بحراء	جو فرشتہ غار حراء میں آیا اس نے آپ پر
انزل علیہ اقراء باسم الذی خلق	اقراء باسم الخ نازل کیا۔

لہٰذا حدیث جابر رضؓ خود اس پر دال ہے کہ المدثر بعد میں نازل ہوئی ہے غرضکہ حجت حضرت جابر رضؓ کی حدیث ہے نہ کہ ان کی رائے۔

ترتیب دعوت اور اسکے درجے

پہلا مرتبہ نبوت، دوسرا مرتبہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرانا، تیسرا مرتبہ اپنی قوم کو ڈرانا، چوتھا مرتبہ اس قوم کو ڈرانا کہ جن کے پاس پہلے کوئی دعوت نہیں آئی اور وہ عرب تھے، پانچواں مرتبہ قیامت تک کے لئے تمام جنات اور تمام انسانوں کو دعوت دینا۔ حضور صلعم نے اپنی دعوت کو اس ترتیب سے جاری فرمایا تھا۔

حضور صلعم کا طریق دعوت

حضور صلعم نزول وحی کے بعد تین سال تک پوشیدہ طور سے دعوت دیتے رہے اسکے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

فاصدع بما تومر واعرض	جس کا آپ کو حکم ہے اسکو اعلانیہ ظاہر کرو۔
عن المشرکین	اور مشرکوں سے اعراض کرو۔

پس حضور صلعم نے اعلانیہ دعوت دینا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں آپ کی قوم آپ کی دشمن ہو گئی اور آپ کو اور مسلمانوں کو سخت ایذائیں دینے لگی جس کی بنا پر مسلمانوں کو دونوں ہجرتوں کا حکم دیا گیا[1]

---

[1] یعنی ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ منورہ۔

حضور صلعم کے اسمائے مبارکہ

آپ کے تمام اسمائے صفاتیہ محض "علم" کے طور پر نہیں ہیں بلکہ یہ تمام اسماء صفاتیہ ہیں جو آپ کے اوصاف جلیلہ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان اسماء مبارکہ میں سے آپ کے چند اسماء یہ ہیں:۔

۱۔ محمد صلعم:۔ آپ کا یہ اسم گرامی سب سے زیادہ مشہور ہے اور توریت میں بھی صراحۃً موجود ہے۔ ہم نے اس کو واضح دلائل سے اپنی کتاب جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علے خیر الانام میں بیان کیا ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے کثرت فوائد اور عظیم معلومات کی وجہ سے اپنا مثل نہیں رکھتی۔ اس کتاب میں ہم نے درود شریف کے متعلق احادیث ذکر کی ہیں اور ان کی صحت اور حسن پر بھی کلام کیا ہے اور معلول احادیث کی علتوں پر بھی بیان شافی کیا ہے۔ اسکے بعد ہم نے درود شریف کے فوائد اور اس کے اسرار و حکم بیان کئے ہیں۔ اس کے علاوہ درود شریف کے موقعہ اور محل اور مقدار واجب اور اختلاف علما پر بھی کلام کیا ہے اور قول راجح کی ترجیح اور کھوٹے کی کھوٹ بیان کردی ہے۔ غرضکہ یہ کتاب ہمارے اس تعارف سے زیادہ ہے۔

الحاصل اہل کتاب کے علما کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسم گرامی "محمد" توریت میں موجود ہے۔

۲۔ احمد صلعم:۔ یہ اسم مبارک وہ ہے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ذکر فرمایا ہے[1]۔ اس کے اسرار بھی ہم نے اسی کتاب میں بیان کئے ہیں۔

۳۔ المتوکل، (۴) الماحی (۵) الحاشر (۶) العاقب (۷) مقفی (۸) نبی التوبہ

۹۔ نبی الرحمۃ (۱۰) نبی الملحمۃ (۱۱) فاتح (۱۲) امین۔ ان ہی اسماء سے ملحق یہ بھی ہیں۔ (۱۳) شاھد (۱۴) مبشر (۱۵) بشیر (۱۶) نذیر (۱۷) قاسم (۱۸) ضحوک۔

۱۹۔ قتال (۲۰) عبد اللہ (۲۱) السراج المنیر (۲۲) سید ولد آدم (۲۳) صاحب لواء الحمد (۲۴) صاحب مقام المحمود وغیرہ ذلک۔

اور جب بھی کسی تعریفی کلمہ سے آپ کو یاد کیا جائے گا وہی آپ کا اسم گرامی ہوگا۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ

---

[1] قرآن شریف میں یہ آیۃ شریفہ موجود ہے۔

اذ قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدی ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (صف)

جب عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے ان کا اسم گرامی احمد ہوگا۔

وصف مشتق اور وصف غالب میں فرق کیا جائے۔ اسی طرح وصف مشترک میں فرق کرنا چاہیئے۔ حضرت ابن مطعم بیان فرماتے ہیں کہ ہمیں حضور صلعم نے اپنے اسماء گرامی گنائے اور فرمایا:۔

میں محمد ہوں۔ احمد ہوں۔ ماحی ہوں اللہ تعالیٰ
میرے ذریعہ سے کفر مٹائے گا۔ میں حاشر ہوں کہ لوگ
میرے قدموں میں جمع ہو جائیں گے۔ میں عاقب ہوں
کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ جن میں کوئی دوسرا نبی شریک نہیں مثلاً محمد، احمد، عاقب، حاشر، المقفی، بنی الملحمہ، اور دوسرے وہ کہ ان کے معنی میں دوسرے رسول بھی شریک ہیں لیکن آپ کا ان اسماء مبارکہ سے خاص قسم کا تعلق ہے۔ مثلاً رسول اللہ، نبی اللہ، عبداللہ، الشاہد، البشیر، النذیر، بنی الرحمۃ، بنی التوبہ، اور اگر تمام اوصاف حمیدہ کو آپ کا اسم قرار دیدیا جائے تو آپ کے اسماء گرامی دو سو سے بھی زیادہ ہو جائیں گے۔ مثلاً صادق، مصدوق، الرؤف، الرحیم، وغیرہ کسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں تو حضور صلعم کے بھی ہزار نام ہیں۔ اس قول کے قائل ابو خطاب بن دحیہ ہیں۔ مراد ان کی بھی یہی اوصافی اسماء گرامی ہیں۔

شرح اسماء گرامی صلعم

محمد صلعم ۔ مفعول کا صیغہ ہے۔ حمد سے ماخوذ ہے چونکہ آپ قابل ستائش کثیر خصلتوں کے مالک تھے اس لئے یہ لفظ "محمد" محمود سے زیادہ بلیغ ہے۔ چونکہ محمود ثلاثی مجرد کا صیغہ ہے اور محمد مضاعف کا صیغہ ہے جو مبالغہ کے لئے آتا ہے لہٰذا آپ کی تعریف تمام انسانوں سے زیادہ کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو توریت میں محمد کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

آپ کے خصائل محمودہ اور آپ کی امت کی توریت میں اس قدر تعریف کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی آپ کی امت میں پیدا ہونے کی تمنا ظاہر کی۔ ان معنی کے بیان کرنے پر ہم نے اپنی کتاب میں بہت سے دلائل ذکر کئے ہیں۔ اور ابوالقاسم السہیل کی غلطی کی گرفت کی ہے کہ انھوں نے معاملہ کو بالکل لوٹ دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ آپ کا اسم گرامی توریت میں احمد مذکور ہے (اسلئے وہ زیادہ بلیغ ہے)

۲۔ احمد صلعم:۔ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور یہ بھی حمد سے ماخوذ ہے لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ یہ فاعل کا صیغہ ہے یا مفعول کا یعنی فاعل کے معنی مراد لئے جائیں یا مفعول کے۔ ایک جماعت فاعل کے معنی مراد لیتی ہے یعنی آپ نے خدا کی دوسروں سے زیادہ حمد کی۔ اس طرح اس کا مطلب یہ ہوگا۔

احمد الحامد لربہ — اپنے رب کی سب سے زیادہ تعریف کرنیوالا

انھوں نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ اسم تفضیل فعل معروف سے ماخوذ ہے نہ کہ فعل مجہول سے اسی وجہ سے نہیں کہا جاتا ہے۔ ما اضوب زیداً ولا زید اضوب من عمرٍ باعتبار ضرب کے جو اس پر واقع ہو رہی ہے اور نہ یہ ہی منقول ہے۔ ما اشھرہٗ للماء واکلہ للخبز وغیرہ۔

ان حضرات کا فرمانا ہے کہ چونکہ اسم تفضیل اور فعل تعجب دونوں کے دونوں فعل لازم سے بنتے ہیں لہٰذا اس کے لئے فعل مقدر مانا جاتا ہے اور فعل بھی مفتوح العین اور مکسور العین اور مضموم العین ہر طرح آتا ہے اسی وجہ سے اس میں ہمزہ کا اضافہ کر کے متعدی الی المفعول بناتے ہیں۔ پس اس کی یہ ہمزہ متعدی بنانے کی وجہ سے ہے نہ کہ اصلی جیسے ما اظرف زیداً اور اکرم عمراً ان دونوں کی اصل ظرف اور کرم ہے۔

یہ حضرات کہتے ہیں کہ اصل میں متعجب منہ فاعل ہے لہٰذا نتیجہ اس کا صاف ظاہر ہے کہ فعل غیر متعدی ہوگا۔ یہ لوگ کہتے ہیں مثلاً ما اضرب زیدٌ العمرو یہ مفتوح العین فعل سے منقول ہے پھر اس کو متعدی بنا دیا گیا دلیل اس کی یہ ہے کہ اس میں لام کا اضافہ کیا گیا ہے اسی وجہ سے کہتے ہیں ما اضرب زیدُ العمرِو اگر یہ اپنے متعدی ہونے پر برقرار رہتا تو ما اضرب زید عمراً کہا جاتا کیونکہ ایک کے ساتھ متعدی بنفسہٖ ہے اور دوسرے کے ساتھ ہمزہ کے ذریعہ متعدی ہوا ہے۔ لہٰذا جب ایک کو ہمزہ کے ساتھ متعدی کیا تو دوسرے کو لام کے ساتھ متعدی کر دیا۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس فعل لازم سے بنے ہیں جو بعد میں متعدی کر دیا گیا ہے۔

دوسری جماعت نے ان لوگوں سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں صیغے فعل لازم سے مشتق ہیں اور مفعول پر واقع ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے۔

ما اولعہٗ بکذا — وہ اس کے ساتھ کتنا حریص ہے۔

اب یہ مفعول پر واقع فعل سے مشتق فعل متعدی ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں۔

ما اعجبہٗ بکذا — ما احبہٗ الیَّ

ان جملوں میں اعجب اور احب جیسا فعل متعدی مفعول پر واقع ہو رہا ہے۔ ایسے ہی ما ابغضہ الیَّ اور ما امقتہٗ الیَّ ہیں۔ اس جگہ ایک مشہور مسئلہ سیبویہ نے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ ما ابغضنی لہ وما امقتنی لہ اس جگہ فاعل ہی مبغض، محب، ماقت ہوا اور متعجب منہ فعل فاعل ہوا اور جب

لہ اسم تفضیل کا الف لام کے ساتھ استعمال ہے۔

آپ نے ما ابغضنی الیہ اور ما امقتنی الیہ اور ما احبنی الیہ بولا تو آپ خود ہی فاعل ......
...... بھی ہوئے اس صورت میں فعل متعدی ہوا پس جو صیغہ لام کے ساتھ ہوگا وہ فاعل کے لئے اور جو صیغہ الی کے ساتھ ہوگا وہ مفعول کے لئے ہے۔

اکثر نحوی علتوں میں یہ بات بیان نہیں کرتے۔ خدا جانتا ہے یہ جو کہا جاتا ہے کہ لام معنی میں فاعل کے لئے آتا ہے جیسے تم نے کہا لمن ھذا یہ کس کے لئے ہے تو جواب دیا جاتا ہے لزید پس یہ بھی لام کے ساتھ آیا ہے۔ اب رہا الی کا معاملہ سو وہ مفعول کے معنی میں آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔

الی من یصل ھذا الکتاب　　　　یہ کتاب کس کو دی جائے۔

تو کہا جائے گا عبداللہ کو۔ اس میں راز یہ ہے کہ لام اصل میں ملک اور اختصاص کیلئے آتا ہے اور استحقاق اس بارے میں فاعل کو ہوتا ہے کہ وہی مالک ہو۔ اور الی انتہائے غایت کے لئے اور انتہائے غایت مفعول ہے پس الی مفعول کو جا ہتا ہے۔ زہیر کا یہ شعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں بطور دلیل ...... پیش کرتا ہوں۔

فلھو اخوف عندہ اذا کلمتہ　　　　وقیل انک محبوس ومقتول

یعنی جب میں ان سے بات کرتا ہوں تو وہ پر رعب نظر آتے ہیں اور مجھے
کہا جاتا ہے کہ تو یا تو گرفتار ہو جائیگا یا قتل ہو جائے گا۔

اس جگہ اخوف، خیف، مخوف سے ماخوذ ہے نہ کہ خاف فعل لازم ہے۔ اسی طرح نحویوں کا کہنا ہے ما اجن زیداً۔ جن مجنون سے ماخوذ ہے۔ یہ کوفیوں اور ان کے موافقین کا مسلک ہے رہا بصریوں کا معاملہ وہ فرماتے ہیں یہ سارے دلائل شواذ میں شمار ہوتے ہیں ان کو دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان سے قواعد ہی ختم ہو سکتے ہیں۔ ایسی مثالوں میں قواعد کے بجائے سمع پر انحصار کرنا چاہیئے۔ کوفی کہتے ہیں کہ مذکورہ مثالیں نظم ونثر دونوں میں بکثرت موجود ہیں اسلئے ان کو شاذ نہیں کہا جا سکتا۔ اسلئے کہ شاذ وہ ہے کہ جو عام استعمال کے خلاف ہو اور یہ مثالیں ایسی نہیں ہیں۔ کوفی حضرات کہتے ہیں کہ بصریوں کا فعل کو لازم قرار دیکر دوسرے فعل کی طرف نقل کرنا بلا دلیل ہے اور زیادتی ہے فرماتے ہیں ہمزہ کے ذریعہ متعدی کرنے　　　　کا معاملہ تو بات ایسے نہیں جیسے تم نے کہی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ہمزہ ان اوزان میں تعدیہ کے لئے نہیں ہے وہ تو تعجب اور تفضیل کے معنی پر دلالت کرنیکے لئے ہے جیسے فاعل کا الف، مفعول کا میم اور واؤ، اور تا، افتعال اور مطاوعۃ کا اور زوائد جو فعل ثلاثی کو لاحق ہوتے ہیں یہ سب مجرد کے لواحقات کو بیان کرنیکے لئے آتے ہیں۔ لہٰذا ہمزہ کا یہ سبب قوی تر ہے نہ کہ متعدی

کرنے والی بات۔

ان حضرات کا یہ بھی فرمانا ہے کہ وہ فعل جو ہمزہ کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے اس کو حرف جر اور تضعیف[1] کے ساتھ بھی متعدی کرنا جائز ہے جیسے جلست بہ، اجلست، قمت بہ واقمت وغیرہ اس جگہ ہمزہ کے قائم مقام دوسرا حرف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ہمزہ محض تعدیہ ہی کے لئے نہیں ہے علاوہ ازیں ہمزہ با کے ساتھ بھی تعدیہ کے لئے آتا ہے جیسے اکرم بہ۔ احسن بہ اور ایک فعل میں تعدیہ کے دو طریقہ جمع نہیں ہو سکتے۔

ان حضرات کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ما اعطاہ للدراھم۔ اکساہ للثیاب اور یہ اعطی و کسا سے متعدی بنائے گئے ہیں ان کو اعطی سے بنانا درست نہیں ہے اور پھر بعد میں ہمزہ داخل کرنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں معنی فاسد ہو جائیں گے کیونکہ تعجب اعطا سے ہے نہ کہ عطو سے اور اس میں ہمزہ تعجب اور تفضیل کے لئے ہے۔ اور ان فعلوں کی، اس ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے جو تعدیہ کے لئے تھی۔ لہٰذا اس کو تعدیہ کی ہمزہ قرار دینا درست نہیں ہے

اس کے علاوہ تمھاری یہ بات کہ ان مثالوں میں لام کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے مثلاً ما اضربہ لزید الخ تو بات یہ نہیں ہے جو تم نے کہی ہے بلکہ فعل کے تصرف میں یہاں ایک ضعف پیدا ہو گیا تھا اس کی تقویت کے لئے لام کو لایا گیا ہے اور چونکہ اس طرح افعال کے طریقوں سے خارج ہو گیا اسی وجہ سے ضعف آیا لہٰذا اس کو تقویت دینا ضروری تھا جیسا کہ معمول کے مقدم آنے کی صورت میں تقویت دی جاتی ہے۔ بہر حال نحویوں کا یہ مذہب راجح ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ہم اپنے مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

پہلے دونوں قول کی بنا پر "احمد" کی صورت احمد الناس لربہ ہے یعنی اپنے خدا کی تمام انسانوں سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ اس بنا پر حضور صلعم کی ذات احق اور اولیٰ ہے کہ ان کی تعریف کی جائے پس یہ لفظِ "احمد" بھی لفظ "محمد" کے معنی ہی ہوا۔ مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ محمد وہ کثیر خصائل والا جس پر ان کی تعریف کی جائے اور احمد۔ حمد کرنے والوں میں افضل ترین کو کہیں گے پس لفظ "محمد" کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے ہے اور "احمد" صفت اور کیفیت کے اعتبار سے ہے الغرض یہ دونوں اسم مبارک مفعول پر واقع ہوتے ہیں اور یہی بلیغ ہے۔

اور اگر فاعل کے معنی مراد لئے جائیں تو پھر حماد کہنا پڑے گا یعنی کثیر الحمد والا کیونکہ حضور صلعم تمام

---

[1] دو حرف ایک جنس کے جمع کر دینے کو تضعیف کہتے ہیں۔

مخلوق میں سب سے زیادہ حمد کرنے والے تھے۔ لہٰذا اگر احمد کے بھی یہی معنی مراد لئے جائیں تو پھر حماد کہنا زیادہ مناسب ہے جیسا کہ آپ کی امت کا نام بھی یہی رکھا گیا ہے اور چونکہ آپ کے یہ دونوں اسم گرامی آپ کے اخلاق حمیدہ کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں اس وجہ سے زیادہ مناسب ہے کہ آپ کو محمد کہا جائے پھر "احمد" وہ ذات گرامی کہ جس کی تمام زمین والے اور تمام آسمان والے اور تمام آخرت والے تعریف کریں بہرحال یہ ابحاث بھی ہم نے اپنی اسی کتاب میں تفصیل سے بیان کئے ہیں اور اس جگہ تو بہت مختصر کلام کیا ہے کیونکہ مسافرت کا تقاضا اور قلبی پریشانیاں وغیرہ زیادہ اجازت نہیں دیتیں وباللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

۳۔ المتوکل:۔ صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:۔

قال قرأت فی صفة النبی صلے الله علیه وسلم محمد رسول الله عبدی ورسولی سمّیتهٗ المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق ولا یجزی بالسیئة السیئة بل یعفو ویصفح ولن اقبضه حتی اقیم به الملة العوجاء بان یقولوا لا اله الا الله۔	میں نے تورات میں حضور صلعم کی صفت پڑھی ہے کہ محمد رسول اللہ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔ میں نے ان کا نام المتوکل رکھا ہے وہ نہ سخت مزاج ہیں اور نہ سخت خو اور بازاروں میں شور کرنے والے، وہ برائی کا بدلہ برائی سے بھی نہیں لیتے بلکہ معاف اور درگذر کرتے ہیں میں ان کو اسوقت تک نہ موت دونگا جبتک کہ ایک ایسی ملت بیضاء پیدا ہو جائے جو لا الٰہ الا اللہ کہے۔

اور وہ ذات گرامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ جنہوں نے اقامت دین کی خاطر مصائب برداشت کرنے میں ایسا توکل کیا کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

۴۔ الماحی۔ ۵۔ الحاشر۔ ۶۔ المقفی۔ ۷۔ العاقب۔

ان اسماء گرامی کی وضاحت میں نے حضرت جبیر بن مطعمؓ کی حدیث کے ذیل میں کی ہے ہاں لفظ ماحی کی تشریح باقی ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ وہ ذات گرامی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے کفر کو مٹایا چنانچہ حضور صلعم نے کفر کو اس قدر مٹایا کہ کسی دوسرے نے اس قدر نہیں مٹایا کیونکہ جس وقت آپ مبعوث ہوئے روئے زمین پر کفر کا غلبہ تھا۔ اس وقت کچھ اہل کتاب ضرور تھے باقی بت پرست، مشرک، مغضوب علیہم یہودی اور ضالین نصاریٰ۔ ستارہ پرست، دہریئے جو نہ خدا کو مانیں اور نہ آخرت کو اور آتش پرست، فلاسفہ جو نہ کسی نبی کو مانیں اور نہ شریعت کو ان سب کو حضور صلعم نے مٹایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے

ذریعہ اس قدر مٹایا کہ اللہ تعالیٰ کا دین تمام ادیان پر غالب آگیا اور آپ کا دین وہاں تک پہونچا جہاں تک رات پہونچتی ہے اور آپ کی دعوت وہاں تک پہونچی جہاں تک زمین کے گوشوں میں سورج پہونچتا ہے یعنی روئے زمین کا کوئی چپہ باقی نہیں رہا جہاں دعوت حق اور دین اسلام نہ پہونچا ہو۔[1]

الحاشر :- ملانے اور جمع کرنے کے معنی میں آتا ہے یعنی حضور صلعم کی ذات گرامی وہ ہے کہ جن کے قدموں پر تمام انسانوں کو جمع کر دیا جائے گا گویا آپ کو بھیجا گیا ہی ہے اس لئے کہ لوگوں کو (آپکے ذریعہ) جمع کر دیا جائے (اسی وجہ سے آپ کی رسالت آخری رسالت ہے اور اب حشر قائم ہونا ہے)

العاقب :- وہ ذات گرامی جو انبیاء کے بعد آئے چنانچہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا گویا آپ بمنزلہ خاتم ہیں (کہ جس طرح خط کا مضمون ختم کرنے کے بعد مہر لگا دی جاتی ہے) ایسے ہی آپ بھی عاقب الانبیاء ہیں۔

المقفی :- وہ جو اسلاف کے نقش قدم پر چلتا ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے انبیاء سابقین کی بھی اتباع نصیب فرمائی، یہ لفظ قفو سے مشتق ہے قفا، یقفو جب بولا جاتا جب کوئی پیچھے رہ جائے اسی سے قافیۃ الراس (سر کا پچھلا حصہ) قافیۃ البیت (گھر کا پچھلا حصہ) بنا ہے الحاصل المقفی وہ ذات گرامی ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد مبعوث ہوئی جسکو خاتم الرسل کہا جاتا ہے۔

۸۔ **نبی التوبۃ** :- وہ ذات گرامی جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کے لئے توبہ کا دروازہ کھولا اور اہل ارض کو ایسی توبہ عطا فرمائی کہ کبھی نہیں عطا ہوئی تھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں سب سے زیادہ استغفار کرنے والے تھے۔ ایک ہی مجلس میں سو، سو مرتبہ آپ کے یہ کلمات شمار کئے گئے ہیں۔

رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الغفور

آپ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

یا ایھا الناس توبوا الی اللہ ربکم وانی اتوب الی اللہ فی الیوم مائۃ مرۃ	اے لوگو! اپنے رب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو میں بھی ایک دن میں (کم از کم) سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

۔ اسی وجہ سے آپ کی امت کی توبہ سابقہ امتوں کی توبہ کے مقابلہ میں زیادہ کامل اور جلد قبول ہونے والی اور بہت آسان ہے۔ حالانکہ گذشتہ امتوں کی توبہ سب سے زیادہ دشوار تھی۔ حد یہ ہے کہ

---

[1] تبلیغی جماعت کا زمین کے چپہ چپہ پر گشت اور دنیا بھر کے ملکوں میں جماعتوں کا جانا اسکی زندہ مثال ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

بنی اسرائیل کی بچھڑا پوجا سے توبہ قتل نفس تھی لیکن اس امت کی کرامت یہ ہے کہ اس کی توبہ اظہار ندامت ہے۔

۹۔ **نبی الملحمہ**:۔ اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنا۔ چنانچہ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت نے کفار سے جہاد کیا ہے کبھی کسی نبی اور اس کی امت نے اس قدر جہاد نہیں کیا۔ جس قدر بڑے بڑے معرکے آپ کی امت اور کفار کے درمیان ہوئے اور ہونگے اتنے بڑے معرکے کبھی کسی امت اور کفار کے درمیان نہیں ہوئے۔ چنانچہ آپ کی امت کافروں کے ساتھ مختلف زمانوں اور ملکوں میں برسر پیکار ہوتی رہی ہے اور رہے گی۔

۱۰۔ **نبی الرحمۃ**:۔ آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے تمام اہل زمین پر رحم فرمایا۔ خواہ وہ مومن ہوں یا کافر۔ رہا مومنوں کا معاملہ سو ان کو رحمت کا حظ وافر حاصل ہوا۔ لیکن کفار اور ان میں سے بھی اہل کتاب، سو یہ لوگ ہمیشہ حضور صلعم کے سایۂ جود و سخا میں زندگی گذارتے رہے لیکن جنھوں نے حضور صلعم سے جنگ کی سو ان لوگوں نے خود ہی جلدی سے دوزخ کے عذاب کو اختیار کیا اس طرح وہ اس طویل زندگی سے نجات پاگئے جو انکو عذاب کی طرف لیجارہی تھی۔

۱۱۔ **الفاتح**:۔ کھولنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر رحمت اور ہدایت کے دروازوں کو کھولا۔ اور ہدایت کے اندھوں کو بصارت اور بہروں کو سماعت اور قلبی روگیوں کو صحت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے کفار کے شہروں کو فتح کرایا۔ جنت کے دروازوں کو کھولا۔ علوم و معارف اور اعمال خیر کے دروازے کھلے۔ غرضکہ آنکھ، کان، دل، دنیا اور آخرت ہر قسم کے دروازے کھولدیئے گئے۔

۱۲۔ **امین**:۔ امانت دار۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ہی اس لقب کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ وحی الٰہی اور شریعت کے امین ہیں۔ اہل زمین کے امین، اہل آسمان کے امین۔ غرضکہ پوری کائنات کے آپ امین ہیں۔ مبعوث ہونے سے پہلے بھی آپ اسی اسم گرامی سے مشہور تھے۔

۱۳، ۱۴۔ **ضحوک اور قتال**:۔ یہ دونوں اسم ایک دوسرے سے اس قدر مربوط اور مخلوط ہیں کہ ان کو علیحدہ ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لئے ہنس مکھ ہیں اور اس قدر کہ نفرت و حقارت اور سختی نام کو نہیں اور کفار کے لئے قاتل ہیں اور اس معاملہ میں وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔

لے فاقتلوا انفسکم الآیۃ۔ کے تحت صاحب تفسیر مظہری نے حضرت علی رض کی روایت نقل فرمائی ہے کہ اس توبہ کے سلسلہ میں ستر ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے۔

۱۵- بشیر:- جو خدا کی اطاعت کرے اس کو خوشخبری دینے والے ہیں۔

۱۶- نذیر:- جو خدا کی نافرمانی کرے اس کو عذاب نار سے ڈرانے والے ہیں۔

۱۷- عبد اللہ:- اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں چند جگہ آپ کو عبد کے نام سے یاد کیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

۱۔ لما قام عبد اللہ یدعوہ	جب اللہ کا بندہ انکو دعوت دینے کھڑا ہوا۔
۲۔ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ	وہ ذات بابرکت ہے جس نے قرآن کو اپنے بندے پر اتارا۔
۳۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی	جو کچھ اپنے بندے کی طرف وحی بھیجنی تھی بھیجی۔
۴۔ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا۔	اگر تمہیں اس میں شک ہے، جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے۔

۱۸- سید ولد آدم:- صحیح حدیث میں موجود ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں لیکن اس پر فخر نہیں۔

۱۹- السراج المنیر:- اللہ تعالیٰ نے آپ کو روشن چراغ کے لقب سے یاد کیا اور سورج کو سراج وہاج (جلانے والا چراغ قرار دیا) منیر وہ جو بغیر جلائے روشنی دے یعنی اس میں کسی قسم کی حرقت نہیں ہوتی اور وہاج میں حرقت اور احراق ہوتا ہے[۱]

---

[۱] اس کے علاوہ سورج کی روشنی اگرچہ متعدی ضرور ہے مگر اس قدر نہیں جسقدر چراغ کی روشنی متعدی ہوتی ہے، آسمان کے تارے اگرچہ سورج کی وجہ سے روشن ہیں مگر جہاں سورج کی روشنی نہیں پہونچ سکتی ان گھاٹیوں، تہہ خانوں کو چراغ ہی روشن کرتا ہے۔ ع: عزیز الرحمٰن غفرلہ۔

تیسرا باب

ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ وغیرہ

ہجرت اولیٰ اور ثانیہ

جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی اور کافروں کو ان سے خطرہ لاحق ہوا تو انھوں نے حضور صلعم کو اذیت دینے کی رفتار کو تیز کر دیا اور انھوں نے مسلمانوں کو سخت ترین آزمائشوں میں ڈالدیا۔ تب حضور صلعم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دیدی اور فرمایا وہاں ایک بادشاہ ہے کہ اس کی موجودگی میں لوگوں پر ظلم نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ بارہ[۱] مسلمان مردوں اور چار عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی انھیں میں سے حضرت عثمان رضؓ بھی ہیں چنانچہ وہ پہلے مسلمان ہیں کہ جنھوں نے ہجرت کی اور ان کے ساتھ انکی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضؓ جناب رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی نے بھی ہجرت فرمائی۔

حبشہ میں یہ حضرات اپنے اچھے پڑوسیوں کے ہمراہ سکون کی زندگی گذار رہے تھے کہ ان کے پاس ایک جھوٹی خبر پہونچی وہ یہ کہ قریش مسلمان ہوگئے ہیں تو یہ حضرات مکہ واپس آگئے۔ یہاں اگر انھوں نے معاملہ

مہاجرین حبشہ[۱] (۱) حضرت عثمان بن عفان (۲) حضرت ابو حذیفہ رضؓ (۳) حضرت زبیر بن عوام رضؓ (۴) حضرت مصعب بن عمیر رضؓ (۵) حضرت ابو سلمہ مخزومی رضؓ (۶) حضرت عثمان بن مظعون رضؓ (۷) حضرت عامر بن ربیعہ رضؓ (۸) حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم رضؓ (۹) حضرت حاطب بن عمرو رضؓ (۱۰) حضرت سہیل بن بیضا رضؓ (۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ (حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ عورتوں میں۔ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) حضرت ام سلمہ رضؓ زوجہ حضرت ابو سلمہ رضؓ (۳) لیلیٰ زوجہ محترمہ حضرت عامر رضؓ (۴) حضرت سہلہ زوجہ محترمہ حضرت ابو حذیفہ رضؓ

اس تعداد میں تھوڑا سا اختلاف ہے بعض نے گیارہ مرد اور چار عورتوں کو کہا ہے اور بعض بارہ مرد اور پانچ عورتوں کو کہا ہے۔ راویوں کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں پہلی ہجرت میں ابو سبرہ تھے یا حضرت حاطب بن عمرو تھے۔ بعض نے حضرت ابن مسعود کو دوسری ہجرت میں شمار کیا ہے، عورتوں میں ام کلثوم رضؓ کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ اسی اختلاف کی بنا پر بعض نے دس مردوں کو بتلایا ہے تعجب ہے علامہ شبلی نے سیرت النبی میں گیارہ کو فرمایا ہے لیکن فہرست میں بارہ حضرات شمار کرائے ہیں واللہ اعلم۔ سیرت النبی ص۱۷۲ ج ۱، زرقانی شرح مواہب ص۲۷ ج ۱۔

بالکل برعکس پایا اس کے بعد کچھ حضرات پھر حبشہ واپس ہوگئے اور کچھ مکہ ہی میں رہ گئے جن پر پہلے سے زیادہ مظالم ہوئے۔ ان ٹھہرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ بھی ہیں۔

اس کے بعد پھر حضور صلعم نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اس مرتبہ ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتوں نے ہجرت کی۔ مردوں میں حضرت عمار رضؓ بھی تھے راوی کو ان کے متعلق شک ہے[1]۔ یہ سب حضرات حبشہ میں بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ رہ رہے تھے مگر قریش کو مسلمانوں کا یہ سکون ایک آنکھ نہ بھایا تب انھوں نے اپنی سفارت پر نجاشی کے پاس عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبیر مخزومی کی سرکردگی میں ایک جماعت بھیجی تاکہ نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف ورغلایا جائے[2]۔

شعب ابی طالب

اس کے بعد[3] قریش کی ایذا رسانیوں میں تیزی آگئی جس کی بنا پر حضور صلعم اور آپ کے خاندان والوں کو، ایک روایت کی بنا پر تین سال اور دوسری روایت کی بنا پر دو سال محصور رہنا پڑا۔ جس وقت حضور صلعم شعب ابی طالب (بائیکاٹ) سے آزاد ہوئے تو اسوقت آپ کی عمر شریف ۴۹ سال کی تھی اور ۴۸ سال کے متعلق بھی ایک قول موجود ہے۔

اس واقعہ کے چند مہینہ بعد آپ کے چچا ابو طالب نے ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی[4] اسی شعب ابی طالب

---

[1] استیعاب میں حضرت عمار رضؓ کو مہاجرین حبشہ میں شمار کرلیا ہے بعض نے انکار کیا ہے ملاحظہ فرمایئے زرقانی شرح مواہب صفحہ ۲۸۰ پہلی ہجرت حبشہ ۵ھ نبوی میں ہوئی۔

[2] نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے ایسا بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا کہ کافروں کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ قیام حبشہ کے دوران ایک بادشاہ نے بھی حبشہ پر چڑھائی کی تھی اسوقت نجاشی کی امداد اور ملک کے دفاع کے لئے مسلمانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اس واقعہ سے بہت سے سیاسی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ [3] شعب ابی طالب کا واقعہ ۷ھ نبوی کا ہے شعب ابی طالب بنی ہاشم کی ایک غیر مسکونہ زمین تھی۔ عبدالمطلب کی جس وقت بصارت کمزور ہوگئی تھی اس وقت انھوں نے اس کو تقسیم کر دیا تھا۔ اہل سیر کا فرمانا ہے کہ حضور صلعم کا بھی اس میں حصہ تھا۔ مواہب صفحہ ۲۷۸ ج ۱۔

[4] **اسلام ابی طالب** ابو طالب کا انتقال ۱۲ رمضان ۱۰ھ نبوی میں ہوا۔ شیعہ حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مسلمان ہوگئے تھے۔ ان کا مدار ابن اسحٰق کی روایات ہیں۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ جس وقت ابو طالب کا وقت قریب آیا تو آنحضرت صلعم نے ان سے فرمایا کہ "لاالٰہ الا اللہ کہہ لیجئے تاکہ قیامت کے دن آپ کے لئے میری شفاعت حلال ہوجائے" (اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے) اسوقت سرداران قریش میں سے ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ موجود تھے انھوں نے ورغلایا اور کہا کہ کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھرتے ہو۔ بہرحال ابو طالب نے حضور صلعم سے کہا میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ تب حضور صلعم نے ارشاد فرمایا میں اسوقت تک آپ کیلئے دعا مغفرت کرونگا جب تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے منع نہ کردے۔ ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ مرتے وقت ابو طالب کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے حضرت عباس رضؓ جو اسوقت تک اسلام نہیں قبول کرسکے تھے انھوں نے کان لگا کر سنا تو حضور صلعم سے عرض کیا یہ تو وہی کلمہ کہہ رہے ہیں جس کے لئے آپ نے فرمایا تھا الخ

(باقی اگلے صفحہ پر)

میں حضرت عبداللہ بن عباس تولد ہوئے۔ آپ کو کفار نے شعب ابی طالب میں سخت ایذائیں پہونچائیں جن کا ان کو بھی احساس تھا چنانچہ قریش کے سرداروں میں بہت زیادہ سخت کلامی اور جھگڑا ہوا اور وہ معاہدہ پھاڑ پھینکا گیا اور سخت قسم کا احتجاج ہوا تب کہیں یہ محاصرہ ختم ہوا۔

گذشتہ سے پیوستہ اس بنیاد پر اختلاف ہے کہ آیا ابو طالب مسلمان مرے یا کافر۔ بخاری و مسلم کی روایت سے کفر معلوم ہوتا ہے اور ابن اسحٰق کی روایت سے اسلام معلوم ہوتا ہے علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی میں بخاری کی حدیث کے متعلق فرمایا ہے "لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں الخ ص۱۸۱ ج ۱"

اس کے بعد علامہ موصوف نے جناب ابو طالب کے کچھ مناقب شمار کرائے ہیں اور پھر سکوت اختیار کیا ہے یعنی موصوف اگرچہ فیصلہ نہیں کر سکے ہیں لیکن ان کا رجحان طبع معلوم ہو گیا کہ وہ اسلام ابی طالب کے حق میں ہیں لیکن مفسرین کی ایک بڑی جماعت اس طرف ہے کہ آیت شریفہ انک لا تھدی من احببت ابو طالب کی وفات کے متعلق ہے جس سے نتیجہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ابو طالب کی وفات شرک پر ہوئی۔ تفسیر مظہری ص۱۷۶ ج ۱ اسی طرح سورۂ براۃ کی ایک آیت ما کان للنبی کے تحت مفسرین نے یہی بیان کیا ہے ملاحظہ ہو تفسیر مظہری ص۳۰۶ ج ۴ اسی طرح صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عباس رضؓ نے حضور صلعم سے عرض کیا کہ ابو طالب نے آپ کی اتنی خدمات کی ہیں۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری شفاعت سے ان کو یہ فائدہ ہوگا کہ ان کو ٹخنوں تک دوزخ میں عذاب ہوگا جس کی وجہ سے ان کا دماغ کھولیگا۔ اسی طرح بعض حضرات نے کہا کہ عبدالمطلب تو مسلمان تھے کیونکہ ان کا انتقال زمانۂ فترۃ میں ہوا ہے اور ان ہی کی ملت پر ابو طالب کی وفات ہوئی جیسا کہ بخاری کی حدیث سے ثابت ہے لہٰذا وہ بھی مسلمان ہی مرے لیکن عرض یہ ہے کہ ابو طالب کی وفات کے وقت حضور صلعم کی رسالت کا اعلان ہو چکا تھا اسلئے عبدالمطلب کے اسلام سے قیاس صحیح نہیں پھر حضرت عباس رضؓ کی روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ جب حضرت عباس رضؓ نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ "میں نے کان لگا کر سنا ہے کہ یہ وہی کلمہ کہہ رہے ہیں جو آپ کہلانا چاہتے تھے"۔ تب حضور صلعم نے ارشاد فرمایا لم اسمع الخ یعنی میں نے تو نہیں سنا۔ علماء نے بیان فرمایا ہے کہ اگر حضرت عباس یہ شہادت مسلمان ہونیکے بعد دیتے تو مقبول تھی کیونکہ جب کوئی عادل جماعت کی شہادت دے اور اعلان کرے میں نے نہیں سنا تو عادل کی بات مان لی جائے گی لیکن یہاں عادل اسلام لانے سے پہلے یہ کہہ رہا ہے اسلئے ان کا قول رد ہوگا الخ الروض الانف ص۲۹۸ ج ۱۔ اس جگہ یہ لطیفہ بھی یاد رہنا چاہیئے کہ حضور صلعم کے چار چچا تھے دو مسلمان ہوئے یعنی حضرت حمزہ اور حضرت عباس۔ اور ان کا یہی نام تھا لیکن دو کافر مرے ایک ابو طالب جن کا مشرکانہ نام عبد مناف اور دوسرے ابو لہب کہ جن کا مشرکانہ نام عبدالعزیٰ تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مواہب ص۲۹۶ ج ۱۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ نام کا بھی بہت زیادہ اثر پڑتا ہے اس لئے نام کے رکھنے میں اچھے ناموں کو اختیار کیا جائے سب سے اچھا نام وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی یا صفاتی نام آئے جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالرحیم وغیرہ یا جناب رسول اللہ صلعم کا اسم گرامی آجائے جیسے محمد احمد وغیرہ۔ لیکن آج کل کے ناموں کے بارے میں ان چیزوں کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ نام اسقدر بے ڈھنگے رکھے جاتے ہیں کہ مسلم غیر مسلم کا امتیاز نہیں ہوتا۔ حیرت تو یہ ہے کہ ناموں کے ساتھ معاشرت بھی بدلتی جارہی ہے۔ ادھر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے ورنہ بہت زیادہ اندیشہ ہے اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

طائف جانا

ابو طالب کے انتقال کے بعد تھوڑے وقفہ سے حضرت خدیجہؓ کا بھی وصال ہوگیا (اب تو کافروں کے لئے میدان صاف تھا انھوں نے اب اور بھی زیادہ ایذائیں پہونچائیں تو حضور صلعم نے اپنی دعوت کے لئے طائف کو منتخب کیا) چنانچہ آپ طائف تشریف لے گئے آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ بھی تھے۔ یہاں آپ نے چند دنوں قیام فرمایا لیکن یہاں بھی لوگوں نے آپ کی بات مان کر نہ دی۔ بلکہ سخت ایذائیں دیں اور اسقدر پتھراؤ کیا کہ آپ کی پنڈلیاں زخمی ہوگئیں اور.... آپ کو شہر سے نکالدیا گیا۔

جب آپ طائف سے مراجعت فرما رہے تھے تو راستے میں عداسؓ[لہ] نامی نصرانی سے آپ کی ملاقات ہوئی جس نے آپ کی تصدیق کی اور وہ آپ پر ایمان لے آیا۔ نیز اسی راستہ میں جب آپ وادی نخلہ میں پہونچے تو اہل نصیبین کے سات جنات سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے آپ سے قرآن شریف سنا اور ایمان لے آئے[ٹہ]

نیز اسی راستہ میں پہاڑوں کا فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر آپ فرمائیں تو

لہ عداس کا مسلمان ہونا عداس کے اسلام کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ ربیعہ کے دو بیٹے تھے۔ یہ ان کے غلام تھے۔ جب حضور صلعم طائف سے لوٹتے وقت انگوروں کے باغیچہ میں آرام کے لئے بیٹھے تو ان دونوں نے اپنے غلام عداس کو حکم دیا کہ جاؤ ان کی خدمت میں انگور کا ایک خوشہ پیش کرو۔ عداس نے انگور کا ایک خوشہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کیا۔ تو عداس کو تعجب ہوا اور کہا کہ اس شہر کے رہنے والے تو ایسا کلام پڑھ کر نہیں کھاتے تب حضور صلعم نے دریافت کیا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ اس نے کہا میں نینوا کا رہنے والا ہوں۔ اور نصرانی ہوں۔ تب حضور صلعم نے فرمایا اچھا تم ایک رجل صالح یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو۔ عداس نے کہا آپ ان سے کیسے واقف ہیں؟ تو حضور صلعم نے فرمایا وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سن کر عداس مسلمان ہوگیا۔ تفسیر مظہری ص ۱۰ ج ۱۰۔

ٹہ جنوں سے ملاقات خفاجی نے کہا ہے کہ حضور صلعم کی خدمت میں جنات کے وفود چھ مرتبہ آئے۔ اس مرتبہ کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ طائف سے واپس ہوکر ایک مرتبہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے تو (علی اختلاف الروایات) چند جنات نے آپ کو قرآن پاک پڑھتے سنا اور مسلمان ہوگئے۔ اور اپنی قوم سے جاکر عرض کیا تو ستر جنات کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث جو نبیذ تمر کے سلسلہ اور استنجا کے ابواب میں مذکور ہیں ان سے یہ تفصیل با سانی معلوم ہوجاتی ہے تفسیر مظہری ص ۳ ج ۱۰۔ سیرت کی کتابوں میں بیان ہے کہ یہ واقعہ نصیبین کے جنات کے ساتھ پیش آیا۔ نصیبین ملک شام میں ایک شہر ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ جنات نینوا کے ساکن تھے۔ جب آسمان کی خبروں پر پہرہ بٹھادیا گیا تو جنات کو فکر ہوئی کہ وجہ دریافت کی جائے۔ چنانچہ وادی میں انھوں نے حضور صلعم کو قرآن پاک پڑھتے سنا الخ مواہب ج ۱ ص ۳

ان پہاڑوں کو اہل طائف پر گرا کر کچل دوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے بھی پیدا کرے گا کہ جو

یعبد اللہ ولا یشرک بہ شیئاً — جو خدا کو مانیں گے اور شرک نہ کرینگے۔

اسی راستہ میں حضور صلعم نے یہ مشہور دعا بھی کی تھی۔

اللّٰھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی — اے اللہ میں آپ سے اپنی قوت کے ضعف اور اسباب کی کمی کی شکایت کرتا ہوں۔

پھر حضور صلعم مطعم بن عدی کے گھر کے قریب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد آپ کے جسد اطہر کو مع روح کے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی اور پھر وہاں سے مع روح اور جسم آسمانوں کے اوپر کی سیر کرائی جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام کیا اور آپ پر نماز فرض کی گئی۔ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ کو ایسی معراج صرف ایک ہی دفعہ ہوئی ہے۔

مسئلہ معراج اور اسکی نوعیت

بعض کا خیال ہے کہ آپ کو معراج منامی ہوئی۔ بعض نے کہا کہ یوں کہنا چاہیئے کہ آپ کو رات کو سیر کرائی گئی یوں نہ کہنا چاہیئے کہ آپ کو بیداری میں معراج ہوئی یا حالت نوم میں بلکہ اس معاملہ میں سکوت اختیار کرنا چاہیئے۔ بعض نے کہا ہے کہ بیت المقدس تک کی سیر تو بیداری میں ہوئی اور آسمانوں پر تشریف لے جانا حالت نوم میں ہوا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ ہوا ہے ایک مرتبہ نیند کی حالت میں اور ایک مرتبہ بیداری کی حالت میں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ واقعہ آپ کو تین مرتبہ پیش آیا۔ بہر حال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ بعثت کے بعد پیش آیا۔

اور حدیث شریک میں جو یہ بیان کیا گیا ہے یہ معاملہ قبل نزول وحی پیش آیا تو یہ بات بھی شریک کی آٹھ شدید ترین غلطیوں میں سے ہے اور ان کے غلط حافظہ کی بنا پر ہے جو انھوں نے حدیث اسرا کو غلط طور پر یاد کر لیا تھا[1]۔ اور کہا گیا ہے کہ معراج منامی نزول وحی سے قبل ہوئی اور معراج بیداری

شریک کی غلطی[1] شریک بن عبد اللہ دو ہیں۔ ایک شریک بن عبد اللہ ابن ابی نمر المدنی التابعی اور دوسرے شریک بن عبد اللہ النخعی القاضی۔ زیر نظر روایت اول الذکر کی ہے اس میں لفظ "قبل ان یوحیٰ الیہ" یعنی یہ واقعہ وحی کے نازل ہونے سے پہلا ہے۔ ذکر ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ صلوٰۃ لیلۃ المعراج میں فرض ہوئی اور شریک اس کا ذکر خود اس حدیث میں کر رہے ہیں لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ واقعہ معراج بعد نزول وحی پیش آیا چنانچہ امام مسلم نے فرما دیا کہ یہ لفظ حدیث شریک کو یاد نہیں رہی اسلئے ان سے اضطراب ہو گیا۔ امام نووی، حافظ ابن حجر، حافظ عینی، ابن حزم، صاحب الروض الانف عبد الحق، زرقانی، ابن قیم وغیرہ جمہور علماء نے ان کی غلطیاں شمار کرائی ہیں حافظ ابن حجر نے انکی دس غلطیاں بیان کی ہیں تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲، عینی شرح بخاری ج ۶ ص ۶۰، شرح مواہب ج ۶ ص ۳۲، الروض الانف ج ۱ ص ۲۴۳۔

بعد نزول وحی ہوئی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں وحی مقید مراد ہے نہ کہ وحی مطلق جو کہ مبدائے نبوت ہے۔
اور قبل ان یوحی الیہ (یعنی وحی کے نازل ہونے سے پیشتر یہ واقعہ ہوا) سے مراد یہ ہے کہ شان معراج بتانے سے پیشتر یہ واقعہ اچانک پیش آگیا۔ واللہ اعلم۔

قبائل کو دعوت

واقعۂ معراج کے بعد ایک مدت تک حضور صلعم مکہ میں مقیم رہے اور لوگوں کو دعوت دیتے رہے اور جو موقعہ (میلہ یا تہوار وغیرہ) بھی پیش آتا وہاں آپ تشریف لے جاتے اور تبلیغ کرتے تھے لیکن کسی قبیلہ نے بھی آپ کی دعوت پر کان نہ دھرا، دراصل یہ شرافت اللہ تعالے نے انصار کے لئے مقدر کر دی تھی۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی نصرت اور اپنے فضل کے اظہار اور اپنے کلمے کے بلند کرنے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کا ارادہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو انصار کی طرف متوجہ کیا کیونکہ یہ شرافت ان کے لئے مخصوص تھی لہٰذا اُن میں کے چھ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا گیا ہے کہ وہ آٹھ حضرات تھے[1]۔

موسم حج تھا اور یہ حضرات اپنا سر منڈانے کیلئے منیٰ میں وادی عقبہ میں بیٹھے تھے کہ حضور صلعم انکے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ اور ان کو قرآن پاک پڑھ کر سنایا چنانچہ ان لوگوں نے حضور صلعم کی بات کو سنا اور مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ پہونچ کر انھوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور انھیں اپنا ہم خیال بنا لیا۔ دھیرے دھیرے مدینہ میں اسلام پھیل گیا اور کوئی گھر ایسا نہ رہا جہاں حضور صلعم کا ذکر خیر نہ ہوتا ہو۔

مدینہ منورہ میں جہاں سب سے پہلے اعلانیہ قرآن پاک پڑھا گیا وہ مسجد بنی زریق تھی[2] اسکے بعد اگلے سال مکہ معظمہ میں بارہ آدمی مدینہ سے حاضر ہوئے۔ جن میں سے پانچ وہ بھی تھے جو پہلے سال بھی حاضر ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے حضور صلعم کے دست مبارک پر بیعت کی اور اس کے بعد مدینہ واپس ہو گئے۔ اسکے بعد

---

[1] **سابقین اسلام** — یہ چھ حضرات سب سے پہلے یہ کہہ کر مسلمان ہو گئے کہ شاید لا تسبقنا الیہود الیہ یہود حضور صلعم کی دعوت قبول کرنے میں ہم سے پہلے نہ نکل جائیں۔
(۱) ابو الہیثم بن تیہان (۲) اسعد بن زرارہ (۳) عوف بن حرث (۴) رافع بن مالک بن عجلان (۵) قطبہ بن عامر (۶) جابر بن عبداللہ بن رباب، حضرات صحابہ میں سے ان کے علاوہ جابر بن عبداللہ اور بھی ہیں مثلاً جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام، جابر بن عبداللہ العبدی، جابر بن عبداللہ الراسبی، جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہم۔
دوسری مرتبہ جابر بن عبداللہ بن رباب نہیں حاضر ہوئے تھے بلکہ سات حضرات اور آئے تھے وہ یہ ہیں (۱) ابو امامۃ رضہ (۲) عوف بن عفراء (۳) رافع بن مالک (۴) عقبہ بن عامر (۵) معاذ بن حرث (۶) ذکوان بن عبد قیس الزرقی (۷) عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم الخ زرقانی شرح مواہب صفحہ ۳۱۲ ج ۱، سیرت النبی صفحہ ۱۹۳ ج ۱۔

[2] اوس اور خزرج نے حضور صلعم کی طرف لکھ کر بھیجا تھا کہ آپ ہمارے لئے کوئی قرآن پڑھانے والا بھیجیں تب حضور صلعم نے مصعب بن عمیر کو لکھا کہ وہ لوگوں کو جمع کریں اور قرآن پڑھائیں الخ شرح مواہب صفحہ ۳۱۵ ج ۱۔

پھر اگلے سال ۷۳ مرد اور دو عورتیں[1] مکہ معظمہ آئے اور یہ بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے ان لوگوں نے اس بات پر بیعت کی کہ حضور صلعم جس چیز سے منع فرمائیں گے وہ خود بھی اس سے بچیں گے اور اپنی عورتوں اور اولادوں کو بھی اس سے بچائیں گے۔

ہجرت کیلئے اجازت

اس کے بعد حضور صلعم نے اپنے اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دیدی اور ان میں سے بارہ مبلغین مقرر فرمائے[2] اور خفیہ طور پر مدینہ پہونچنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ بعض کے نزدیک تبلیغ کرنیوالوں میں سب سے اول حضرت ابو سلمہ مخزومی ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت مصعب بن عمیر ہیں یہ مدینہ آئے اور انصار کے یہاں قیام پذیر ہوئے اس طرح اسلام مدینہ میں خوب پھیلا۔

حضور صلعم کا ہجرت فرمانا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھی ہجرت کی اجازت دیدی چنانچہ آپ مکہ سے دو شنبہ کو ربیع الاول کے مہینہ میں نکلے اور کہا گیا ہے کہ وہ صفر کا مہینہ تھا اسوقت آپ کی عمر شریف ۵۳ سال کی تھی اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رض اور ان کا غلام عامر بن فہیرہ تھا اور عبداللہ بن اریقط رہنما تھے۔ چنانچہ آپ اور حضرت ابوبکر صدیق رض غار ثور میں داخل ہوئے اور یہاں تین دن قیام فرمایا۔ اور پھر ساحلی راستہ کو اختیار کیا اس طرح آپ ۱۲ ربیع الاول منگل کی شب میں مدینہ منورہ پہونچ گئے۔

مسجد قبا کی تعمیر

آپ نے مدینہ منورہ سے باہر قبا[3] میں بنی عمرو بن عوف میں قیام فرمایا اور کہا گیا ہے کہ آپ کلثوم بن ہدم کے یہاں مہمان ہوئے[4] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سعد بن خیثمہ کے یہاں مقیم ہوئے[5] مگر پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ غرضکہ آپ نے یہاں چودہ دن قیام

---

[1] وہ دو عورتیں یہ ہیں نسیبہ بنت کعب بن عمرو بن عوف رض اور اسما بنت عمرو بن عدی رض شرح مواہب ص ۲۱۶ ج ۱۔

[2] **مبلغین اولین** (۱) ابو الہیثم بن تیہان (۲) اسید بن حضیر (۳) سعد بن خیثمہ (۴) اسعد بن زرارہ (۵) سعد بن الربیع (۶) عبداللہ بن رواحہ (۷) سعد بن عبادۃ (۸) منذر بن عمر (۹) براء بن معرور (۱۰) عبداللہ بن عمرو (۱۱) عبادہ بن الصامت (۱۲) رافع بن مالک رضی اللہ عنہم۔ سیرت النبی ص ۱۹۴ ج ۱۔

[3] **تاریخ کی ابتدا** یہاں کے قیام ہی میں حضور صلعم نے تاریخ لکھوائی۔ زہری نے یہی بیان کیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ تاریخ کی ابتدا حضرت عمر رض نے فرمائی اور محرم کے مہینہ سے اسلامی سال کی ابتدا فرمائی۔ وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عمر کو لکھا کہ آپ کے پاس سے مکتوب آتے ہیں اور ان پر تاریخ نہیں ہوتی تب حضرت عمر رض نے لوگوں کو جمع کیا اور اس معاملہ میں مشورہ کیا بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ بعثت سے ابتدا کی جائے تب حضرت عمر رض نے فرمایا نہیں بلکہ ہجرت سے ابتدا ہونی چاہیئے چونکہ یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کی ابتدا ہے چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ کے اس قول کو بنیاد بنا کر طے سمجھے اسس الآیۃ تاریخ ہجری کی ابتدا کر دی الخ شرح مواہب ص ۲۵۲ ج ۱

[4] کلثوم بن الہدم بن امراء القیس۔ بعض روایات میں الہدم (دال کیساتھ) ہے یہ ان دنوں مشرک ہی تھے الخ وفاء الوفا ص ۱۷۴ ج ۱

[5] ابن جوزی نے بیان کیا ہے کہ قیام تو کلثوم بن الہدم کے یہاں تھا لیکن لوگوں سے ملاقات سعد بن خیثمہ کے یہاں ہوا کرتی تھی یہ غیر شادی شدہ تھے اسلئے لوگوں کو یہاں زیادہ سہولت تھی الخ وفاء الوفا ص ۱۷۵ ج ۱۔

فرمایا اور مسجد قبا کی تعمیر فرمائی۔ اس کے بعد آپ جمعہ کے دن یہاں سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ ہی میں جمعہ کا وقت ہو گیا اس وقت حضور صلعم کے ساتھ سو حضرات صحابہ تھے آپ نے ان کے ہمراہ بنی سالم میں جمعہ کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔ چنانچہ لوگوں نے عرض کرنا شروع کیا کہ حضور! آپ ہمارے یہاں قیام کریں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس (اونٹنی) کو چھوڑ دو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔ جہاں خدا کا حکم ہو گا یہ وہیں ٹھہر جائیگی۔ چنانچہ اونٹنی اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں آج مسجد نبوی بنی ہوئی ہے۔ یہ جگہ بنی نجار کے دو لڑکوں سہل اور سہیل کی تھی۔

مدینہ منورہ میں قیام

آپ مدینہ منورہ[1] میں حضرت ابوایوب انصاری کے یہاں قیام پذیر ہوئے پھر آپ نے اس خالی جگہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ مل کر کچی اینٹوں اور کھجور کے تنوں سے مسجد[2] بنائی پھر آپ نے اپنا کاشانۂ نبوت اور اپنی ازواج مطہرات کے لئے بیوت بنائے۔ ان میں مسجد سے قریب ترین حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ کا تھا۔ سات مہینہ بعد آپ حضرت ابوایوب انصاری کے مکان سے ادھر منتقل ہو گئے۔

اس کے بعد جب مہاجرین حبشہ کو خبر ہوئی تو وہ بھی یہاں آ گئے۔ ان میں سے صرف ۳۳ حضرات مدینہ منورہ آئے اور سات کو کفار مکہ نے راستہ میں روک لیا۔ باقی حضرات اپنی قوت کے زور سے مدینہ منورہ پہونچے ۷ھ میں فتح خیبر کے موقعہ پر بقیہ حضرات بھی کشتی کے ذریعہ سے مدینہ منورہ آ گئے۔

---

[1] اسماء مدینہ منورہ چونکہ کثرت اسماء کثرت شرافت پر دلالت کرتی ہے اسلئے مدینہ منورہ کے بھی اسماء بہت زیادہ ہیں علامہ ابوالمحاسن بن عبداللہ السمہودی نے اپنی کتاب وفاء الوفا میں مدینہ منورہ کے نوے سے زیادہ اسماء شمار کرائے ہیں اور ہر ایک کی وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے۔ یہاں صرف تعلیماً ایک نام کے بارے میں عرض کرنا ہے۔

عام طور سے بعض جہال مدینہ منورہ کو بعض دفعہ یثرب بھی کہدیتے ہیں۔ مدینہ منورہ کا یہ نام حضور صلعم کے مدینہ منورہ پہونچنے سے پہلے تھا، حضور صلعم نے یہ نام لینے سے منع فرمایا ہے۔ تاریخ بخاری کی حدیث شریف ہے۔

من قال یثرب مرۃ فلیقل المدینہ عشر مرات

جس نے ایک مرتبہ یثرب کہا اس کو دس مرتبہ مدینہ کہنا چاہیئے۔

امام احمد نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کے سب رجال ثقہ ہیں۔

من سمی المدینۃ یثرب فلیستغفر اللہ

جس نے مدینہ کا نام یثرب لیا اس کو استغفار کرنا چاہیئے۔

دوسری روایت میں تین مرتبہ استغفار کا حکم ہے۔ غرضکہ علماء نے اس باب میں بہت خوب کلام کیا ہے ملاحظہ ہو وفاء الوفا ص ۸ تا ۱۹ ج ۱۔

[2] چونکہ یہ جگہ دو یتیموں کی تھی۔ ان دونوں اور انکے سرپرستوں نے اسکو ہبہ بھی کرنا چاہا مگر حضور صلعم نے قبول نہ فرمایا بلکہ اس کی قیمت دس درہم طلائی ادا کی یہ قیمت حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے ادا فرمائی۔ اس جگہ کھجور کے درخت تھے جنکو کاٹ دیا گیا اور مشرکین کی قبریں تھیں جن کو اکھاڑ دیا گیا تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے۔ وفاء الوفا ص ۲۳۳ ج ۱۔

چوتھا باب

حضور صلعم کے خاندان والے

اولاد مسعود

حضور صلعم کا سب سے پہلا بچہ "القاسم" تھے حضور صلعم نے ان ہی کی وجہ سے اپنی کنیت "ابوالقاسم" رکھی تھی۔ ان کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی عمر اتنی ہوئی کہ وہ سواری کے قابل ہوگئے تھے انھوں نے سفر بھی کیا۔

ان کے بعد حضرت زینب ہوئیں اور کہا گیا ہے کہ وہ قاسم سے پہلے ہوئیں۔ ان کے بعد رقیہؓ اور ان کے بعد ام کلثوم اور ان کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن ہوئیں۔ ان کی عمروں میں کافی اختلاف موجود ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت رقیہ اپنی تینوں بہنوں سے بڑی تھیں اور حضرت ام کلثوم سب سے چھوٹی تھیں۔

ان کے بعد حضرت عبداللہ پیدا ہوئے ان کی عمر میں بھی اختلاف ہے۔ آیا یہ بعثت سے قبل پیدا ہوئے یا بعثت کے بعد۔ صحیح یہ ہے کہ وہ بعثت کے بعد پیدا ہوئے۔ یہ بھی اختلاف ہے کہ حضرت عبداللہ ہی کا نام طیب اور طاہر تھا یا یہ دونوں فرزند اور ہی تھے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں لقب حضرت عبداللہ ہی کے تھے واللہ اعلم۔

یہ تمام اولاد حضرت خدیجہ رضؓ کی بطن سے پیدا ہوئی ان کے علاوہ کسی دوسری زوجہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی البتہ مدینہ منورہ میں حضرت ماریہ کے بطن سے حضرت ابراہیم ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابورافع نے ان کے تولد کی خبر جب حضور صلعم کو دی تو یہ سنکر آپ نے انھیں ایک غلام مرحمت فرمایا۔ حضرت ابراہیم کی وفات عالم شیر خوارگی ہی میں ہوگئی تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے انکے جنازہ کی نماز پڑھائی یا نہیں۔ حضور صلعم کی تمام اولاد بجز حضرت فاطمہ کے آپ کے سامنے ہی انتقال کرگئی تھی۔ حضرت فاطمہ کا انتقال بعد میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر و استقلال پر ان کو تمام جہان کی عورتوں پر

فضیلت عطا فرمائی. حضرت فاطمہ رضؓ آپ کی تمام اولاد میں سب سے افضل ہیں بعض کا قول ہے وہ عالمین کی عورتوں میں افضل ہیں. بعض حضرت خدیجہ کو افضل کہتے ہیں. بعض حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو افضل کہتے ہیں بعض کا خیال ہے کہ اس معاملہ میں سکوت اختیار کرنا چاہیے۔[۱]

حضور صلعم کے چچا اور پھوپھیاں

حضور صلعم کے چچاؤں میں ایک تو اسد اللہ و اسد الرسول سید الشہدا حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہیں. دوسرے حضرت عباس ہیں تیسرے ابو طالب، جن کا نام عبد المناف ہے. اور چوتھے جس کی کنیت ابو لہب اور نام عبد العزیٰ ہے. زبیر، عبد الکعبہ، المقوم، ضرار، قثم، مغیرہ ان کا لقب حجل ہے، عیداق ان کا لقب مصعب ہے کہا گیا ہے کہ نوفل لقب ہے بعض نے، عوام کا بھی اضافہ کیا ہے. ان میں سے صرف دو مسلمان ہوئے یعنی حضرت حمزہ رضؓ اور حضرت عباس رضؓ

آپ کی پھوپیوں میں سے ایک حضرت صفیہ ام زبیر بن عوام ہیں. دوسری عاتکہ، تیسری برۃ، چوتھی اروی، پانچویں امیمہ اور چھٹی ام حکیم. ان میں سے حضرت صفیہ مسلمان ہوئیں. اروی اور عاتکہ کے اسلام میں اختلاف ہے بعض نے اروی کے اسلام کو صحیح مانا ہے۔

حارث سب سے بڑے اور حضرت عباس رضؓ سب سے چھوٹے چچا تھے جو حضور صلعم کے بعد تک حیات رہے. ان کی اولاد اس قدر ہوئی کہ جب مامون کے زمانہ میں ان کی مردم شماری ہوئی تو ان کی تعداد چھ لاکھ تھی. اس تعداد میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے. اسی طرح ابو طالب، حارث، ابو لہب سب کی اولاد میں اضافہ ہوا. بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حارث اور مقوم ایک ہی آدمی کے دو نام ہیں اسی طرح عیداق اور حجل ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔

ازواج مطہرات

حضور صلعم کی سب سے پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ بنت خویلد قرشیہ اسدیہ ہیں. حضور صلعم نے ان سے بعثت سے پہلے نکاح کیا تھا اس وقت انکی عمر ۴۰ سال تھی. ان کی موجودگی میں حضور صلعم نے دوسرا نکاح نہیں کیا. حضور صلعم کی تمام اولاد ان ہی کے بطن سے تھی صرف حضرت ابراہیم حضرت ماریہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

حضور صلعم کی یہی زوجہ محترمہ ہیں کہ جنھوں نے تبلیغ اسلام کے لئے حضور صلعم کے ساتھ بے حد شدائد

---

[۱] افضل النساء: بخاری و مسلم کی احادیث میں ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا عورتوں میں افضل حضرت مریم اور حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں. حضرت انس سے منقول ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی عورتوں میں افضل مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد صلعم ہیں. ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ کو عورتوں پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر. ایک حدیث میں ہے کہ جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ ہیں ۱۲ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں تفسیر مظہری صفحہ ۴۲۸ ج ۲. زرقانی شرح مواہب صفحہ ۲۰۵ ج ۳۔

برداشت کئے۔ اور اپنی جان اور مال کے ساتھ خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ان ہی کے پاس اپنا سلام بھیجا تھا۔ یہ خصوصیت صرف ان ہی کو حاصل تھی۔[ا] ہجرت سے تین سال قبل ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

۲۔ حضرت سودہ رضؓ

حضرت خدیجہ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد حضور صلعم نے ان سے نکاح کر لیا تھا یہی وہ ہیں کہ جنھوں نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو ہبہ کر دی تھی۔[۲]

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ

حضرت سودہ کے بعد حضور صلعم نے ام عبداللہ حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق سے نکاح کیا۔ یہی حضور صلعم کی محبوب ترین زوجہ محترمہ ہیں۔[۳] ان ہی کی برأت میں اللہ تعالیٰ نے عرش عظیم سے آیات برأت نازل فرمائیں۔ نکاح سے قبل حضور صلعم کی خدمت میں فرشتہ نے ریشم کے ایک ٹکڑے پر ان کی شبیہ پیش کی اور کہا کہ یہ آپ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ شوال کے مہینہ میں ان سے نکاح ہوا اس وقت ان کی عمر سات سال کی تھی۔ آپ کی ازواج مطہرات میں بجز ان کے کوئی باکرہ (یعنی غیر شادی شدہ نہیں تھیں بلکہ سب بیوہ تھیں) ان ہی کے لحاف میں

[ا] بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ایک دن حضرت خدیجہ ایک برتن میں کچھ کھانا اور سالن حضور صلعم کی خدمت میں لا رہی تھیں تو حضرت جبرئیل ؑ نے حضور صلعم سے عرض کیا آپ انکی خدمت میں میرا اور اللہ تعالیٰ کا سلام پیش کر دیجئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق صرف اتنا مقدر ہے کہ حضرت جبرئیل ؑ نے انکو اپنا سلام پیش کیا۔ مشکوٰۃ شریف باب المناقب میں ملا علی قاری نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے حضرت خدیجہ کی فضیلت ظاہر ہو رہی ہے۔ مرقاۃ ج ۵ ص ۶۱۲

[۲] حضرت سودہ رضؓ جب بوڑھی ہو گئیں تو انھوں نے حضور صلعم سے عرض کیا کہ میں اب حقوق زوجیت (مباشرت) سے قاصر ہوں اسلئے آپ مجھے طلاق تو نہ دیں میں اپنی باری حضرت عائشہ کیلئے ہبہ کرتی ہوں میں تو یہ چاہتی ہوں کہ قیامت میں آپکی ازواج کیساتھ میرا بھی حشر ہو۔ انکی وفات ۵۴ھ میں ہوئی الخ۔ زرقانی شرح مواہب ص ۲۳۹ ج ۳۔

[۳] **حضرت عائشہ کی تصویر کا واقعہ** علامہ بغوی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ تین چیزوں کی بنا پر فخر کیا کرتی تھیں ایک یہ کہ حضرت جبرئیل ؑ میری صورت ایک ریشمیں کپڑے میں لائے اور حضور سے عرض کیا کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ جبرئیل ؑ اپنی ہتھیلی میں میری صورت لائے الخ۔ اس میں اور پہلی روایت میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ریشمین کپڑا ہتھیلی ہی میں لائے ہونگے۔ اور بخاری و مسلم کی روایت یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نے مجھ سے فرمایا۔

رأیتك فی المنام ثلاث لیال یجیٔنی بك الملك فی سرقة من حریر فقال لی هذه امرأتك فكشفت عن وجهك الثوب فاذا انت هی الخ۔

میں نے تین رات تک خواب میں دیکھا کہ فرشتہ تیری صورت ایک ریشمین کپڑے میں لایا اور کہا کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں جب میں نے تیرے چہرے سے کپڑا اٹھایا تو اچانک تو ہی تھی۔

بعض روایات میں زوجتی فی الجنۃ۔ اور بعض روایات میں زوجتی فی الدنیا والآخرۃ کا لفظ ہے قاضی عیاض نے شرح مسلم میں بیان کیا ہے (جسکو علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں نقل کیا ہے) کہ اس حدیث کے تین معنی ہو سکتے ہیں کہ یہ خواب قبل بعثت دیکھا تھا۔ دوم یہ کہ اگر بعد بعثت دیکھا تو یہ مطلب ہوگا کہ حضرت عائشہ کی زوجیت دنیا اور جنت دونوں جگہ ہے یعنی وہ جس طرح دنیا میں زوجہ ہیں اسی طرح آخرت میں بھی آپ کی زوجہ ہیں۔ اسکی تشریح میں ابن حبان اور ابن عساکر نے مرض الوفات کے بیان میں (باقی اگلے صفحہ

وحی نازل ہوئی یہی حضور صلعم کی محبوب ترین زوجہ ہیں۔ ان ہی کی آسمان سے برأت نازل ہوئی۔ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے ان پر تہمت لگائی وہ کافر ہے۔[1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عالم اور فقیہ بلکہ امت کی تمام عورتوں سے زیادہ عالم ہیں۔ اکابر اصحاب نبی صلعم ان سے فتویٰ دریافت کیا کرتے تھے کہا گیا ہے کہ حضور صلعم نے تھوڑی دیر کے لئے ان سے مقاطعہ بھی کیا ہے مگر یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی۔

۴۔ حضرت حفصہ رضؓ آپ حضرت عمر کی بیٹی ہیں۔ حضور صلعم نے ان سے اپنا نکاح کیا۔ ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلعم نے ان کو طلاق دیدی تھی پھر رجوع کر لیا تھا۔[2]

۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضؓ ۔ یہ بنی ہلال بن عامر کے خاندان سے ہیں۔ یہ حضور صلعم کے نکاح میں صرف دو ماہ رہیں۔

۶۔ حضرت ام سلمہ رضؓ یہ بھی حضور صلعم کی زوجہ ہیں۔ ان کا انتقال سب سے بعد میں ہوا۔ ان کے ولی نکاح میں اختلاف ہے کہ کون ولی تھا۔ ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ ان کے ولی نکاح سلمہ بن ابی سلمۃ تھے۔ ابن سعد نے ام سلمہ رضؓ کے تذکرے میں اس کو بیان کیا ہے۔ علامہ واقدی نے بیان کیا ہے کہ حضور صلعم نے ام سلمہ رضؓ کے متعلق اپنے نکاح کا پیغام ان کے بیٹے عمر بن ابی سلمۃ کو دیا۔ تو انھوں نے اپنی ماں کا نکاح حضور صلعم سے کر دیا وہ ان دنوں کم عمر تھے۔ امام احمد نے مسند میں بسند متصل بیان کیا ہے کہ جب حضرت ام سلمہ کی عدت پوری ہو گئی تو حضور صلعم نے ان کے پاس پیغام نکاح بھیجا تو انھوں نے مرحبا کہا اور کہا کہ

انی امرأۃ غیراء[3] وانی مصیبۃ — میں ایک پریشان حال مصیبت زدہ عورت

گذشتہ سے پیوستہ متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں تیسرے یہ کہ کلام میں ایک قسم کی بلاغت ہے جسکو تجاہل عارفانہ کہا جاتا ہے اسمیں ایک قسم کی لطافت ہے بہرحال یہ واقعہ خواب کا ہے جسکو حضور صلعم نے حضرت عائشہ سے بیان کیا ہو جس سے حضرت عائشہ صدیقہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ تفسیر مظہری ص۲۸۷ ج۶، شرح مواہب ص۲۳۳ ج۳، مرقاۃ ص۶۱۴ ج۵

[1] یہ غلط ہو کہ حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والا کافر ہے کیونکہ واقعہ افک میں شاعر رسول حضرت حسان بن ثابت بھی تو تھے نعوذ باللہ انکو کوئی کافر تسلیم نہیں کرتا غالباً علامہ کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ حضرت عائشہ کے قذف کو صحیح مانتے ہیں اور جنھوں نے اپنا یہ عقیدہ بنا لیا ہے وہ کافر ہیں تو اس صورت میں علامہ کا یہ قول روافض پر صادق آئے گا۔

[2] ابن حبانؒ اور طبرانی نے بروایت صحیح نقل کیا ہے کہ حضور صلعم نے ایک مرتبہ حضرت حفصہ کو طلاق دیدی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور حضور صلعم سے عرض کیا کہ آپ ان سے رجعت کر لیجئے الخ۔ زرقانی شرح مواہب ص۲۳۶ ج ۱۔

[3] ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں انا امرأۃ شدیدۃ الغیرۃ میں بہت غیرت والی عورت ہوں۔

ولیس احد من اولیائی — ہوں میرا کوئی ولی بھی نہیں ہے۔

اسی حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی نے اپنے بیٹے سے کہا کھڑا ہو اور حضور صلعم سے میرا نکاح کردے چنانچہ اس نے حضور صلعم سے ام سلمہ کا نکاح کر دیا۔ اس حدیث میں ایک بحث ہے وہ یہ کہ یہ عمر بن ابی سلمۃ ان کی عمر اس وقت صرف تین سال تھی۔ کیونکہ جس وقت حضور صلعم کا وصال ہوا اس وقت انکی عمر ۹ سال تھی۔ ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلعم نے ۴ھ میں شوال کے مہینہ میں ام سلمہ رضی سے نکاح کیا۔ اس اعتبار سے تین سال کا لڑکا نکاح نہیں پڑھ سکتا۔ اس روایت کو ابن سعد اور دوسرے حضرات نے ذکر کیا ہے۔ اس بات کو جب امام احمد سے ذکر کیا گیا کہ آپ یہ کیا کہتے ہیں؟ تو فرمانے لگے کون کہتا ہے کہ عمر بن ابی سلمۃ اس وقت چھوٹے تھے۔

ابوالفرج ابن جوزی نے اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بات امام احمد نے بغیر اطلاع کے کہدی کیونکہ عمر بن ابی سلمۃ کی عمر کا علم نہ ہوگا۔ حالانکہ مورخین کی ایک بڑی جماعت اور ابن سعد نے انکی عمر کو بیان کیا ہے کہ تین سال کی تھی۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ کا نکاح جنھوں نے کیا وہ ان کے چچازاد بھائی عمر بن الخطاب تھے اور حدیث میں موجود ہے۔

قم یا عمر فزوج رسول اللہ صلعم — اے عمر اٹھ اور حضور صلعم کا نکاح پڑھ دے۔

اسکی وجہ ایک اشتباہ معنوی ہے وہ یہ کہ نسب عمر اور نسب ام سلمہ دونوں کے دونوں کعب میں مل جاتے ہیں کیونکہ عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن عبداللہ بن قرظ بن رواح بن عدی بن کعب ہے۔ اور دوسری طرف ام سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرۃ بن کعب ہے لہٰذا عمر بن ابی سلمۃ اور عمر بن خطاب دونوں نام ایک ہوگئے اس اشتباہ کی وجہ سے فرق کرنا مشکل ہوگیا لہٰذا حضرت ام سلمہ کا مذکورہ ارشاد سے بعض راویوں کو شک ہوا کہ یہ عمر ان کے بیٹے ہیں حالانکہ بات یوں نہیں ہے ان راویوں سے روایت حدیث بیان کرنے میں ہی ذہول ہوگیا ہے کہ عمر بن ابی سلمۃ کے صغر سن کو ملحوظ نہ رکھ سکے۔

اسی طرح بعض فقہا کو بھی اس بارے میں وہم ہوگیا ہے۔ انھوں نے اس روایت میں اتنا اضافہ اور بیان کیا ہے کہ حضور صلعم نے عمر بن ابی سلمہ سے فرمایا۔

قم یا غلام فزوج امک — اے لڑکے کھڑا ہو اور اپنی ماں کا نکاح پڑھا دے۔

ابوالفرج ابن جوزی کہتے ہیں کہ میں اس زیادتی سے واقف نہیں ہوں اور اگر یہ ثابت بھی ہوجائے

تو پھر یہ تاویل کرنی پڑے گی کہ حضور صلعم نے بطور مزاح یہ فرمایا تھا[1] کیونکہ اس وقت ان کی عمر تین سال کی تھی اور حضور صلعم کا یہ نکاح سنہ ۴ھ میں ہوا اور وفات کے وقت ان کی عمر ۹ سال کی تھی۔ پھر ابن عقیل نے امام احمد کے قول کی تاویل کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ حضور صلعم کو اپنے نکاح کے لئے کسی ولی کی ضرورت نہ تھی یہ تو حضور صلعم کے خصائص میں سے ہے[2]۔

۷۔ حضرت زینب بنت جحش

یہ بنی اسد بن خزیمہ سے ہیں اور حضور صلعم کی چچی امیمہ کی بیٹی ہیں ان ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی۔

فلما قضی زید منها وطرا	جب زید نے ان سے اپنی حاجت پوری کرلی
زوجناکها	تو ہم نے آپ سے انکا نکاح کردیا۔

اسی وجہ سے حضرت زینب ازواج مطہرات سے فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے لیکن میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر کیا ہے یہ ان ہی کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا ولی نکاح ہوا۔ ان کی وفات حضرت عمر بن خطاب کے ابتدائی دور خلافت میں ہوئی۔ پہلے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے ہوا تھا جن کو حضور صلعم نے اپنا متبنی بنالیا تھا، جب انھوں نے حضرت زینب کو طلاق دیدی تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلعم کا نکاح حضرت زینب سے کردیا تاکہ امت کو اپنے متبنی کی بیوی سے نکاح کرنے کی سہولت ہو جائے۔

۸۔ حضرت جویریہ

یہ حارث بن ضرار مصطلق کی بیٹی ہیں۔ یہ بنی مصطلق کے قیدیوں میں آئیں تھی۔ اور حضور صلعم کی خدمت میں بدل کتابت حاصل کرنیکی غرض سے حاضر ہوئیں تھی۔ آپ نے انکا بدل کتابت دیکر آزاد کردیا اور اپنی زوجیت میں داخل فرمالیا۔

۹۔ حضرت ام حبیبہ رضہ

اس کے بعد حضور صلعم نے ام حبیبہ سے نکاح کیا ان کا نام رملہ تھا یہ ابوسفیان بن صخر بن حرب القرشی الاموی کی بیٹی ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان کا نام

---

[1] لیکن اس سے بھی زیادہ بہترین تاویل یہ ہے جو علامہ زرقانی کی ہے۔ وہ یہ کہ اگر یہ الفاظ زوج امک حضرت عمر بن الخطاب ہی سے کہے ہوں تو کیا اشکال ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ رضہ نکاح کے بعد ام المومنین ہونیوالی تھیں زرقانی شرح مواہب صفحہ ۲۴۰ ج ۳۔

[2] اس بحث میں اتنا کلام اس وجہ سے کیا ہے کہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہا کا یہ مذہب ہے (اور ان میں امام احمد بھی داخل ہیں) کہ بالغہ عورت کا نکاح بلا ولی کی اجازت کے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا استدلال میں یہ واقعہ آگیا جو دیگر احادیث کے ساتھ ساتھ حنفیہ کے مسلک کے موئید ہے تو امام احمد رحمہ ...... نے یہ کہہ کر بحث نکال لی کہ یہ حضور صلعم کی خصوصیات میں سے ہے امت کے لئے یہ حکم نہیں حالانکہ یہ قول محض راہ فرار کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔

ہند تھا۔ ان کا نکاح حبشہ میں اس وقت ہوا جب یہ ہجرت کر کے وہاں گئیں تھی۔ ان کا حق مہر شاہ نجاشی نے چار سو دینار خود ادا کیا تھا۔ پھر حبشہ سے مدینہ میں آگئیں ان کی وفات امیر معاویہ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ یہی روایت مورخین اور اہل سیر کے نزدیک مشہور ہے۔

مورخین اور اہل سیر کے نزدیک ان کے نکاح کی ایسی ہی صورت ہے جیسا کہ حضرت خدیجہ کا نکاح مکہ میں ہوا اور حضرت حفصہ کا مدینہ میں حضرت صفیہ کا نکاح خیبر کے بعد ہوا اور عکرمہ کی حدیث عن ابی زمیل عن ابن عباس کے واسطے سے مروی ہے۔

ان ابا سفیان قال النبی صلعم	میں آپ سے تین چیزوں کا سوال کرتا ہوں
اسالک ثلاثا فاعطاء ایاھن	جو آپ عطا فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ
منھاعندی اجمل العرب۔ ام	میرے پاس ام حبیبہ عرب کی جمیل ترین خاتون
حبیبہ ازوجلک ایاھا	ہیں میں انکا نکاح آپ سے کر دوں۔

اس روایت کے غلط ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ ابو محمد ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ عکرمہ بن عمار نے اس میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ ابن جوزی فرماتے ہیں اس روایت میں بلاشک بعض راویوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اور عکرمہ بن عمار متہم بالکذب ہیں کیونکہ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ام حبیبہ حضرت عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں ان سے اولاد بھی ہوئی اور ان ہی کے ساتھ انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ اس کے بعد ان کا خاوند عبداللہ نصرانی ہو گیا اور یہ اپنے اسلام پر قائم رہیں۔ اس کے بعد حضور صلعم نے نجاشی کے پاس حضرت ام حبیبہ سے نکاح کرنے کیلئے پیغام بھیجا چنانچہ نجاشی نے ان کا نکاح حضور سے کر دیا اور مہر اپنے پاس سے ادا کیا اور یہ واقعہ ۶ھ کا ہے۔ رہا ابو سفیان کا مذکورہ واقعہ سو ابو سفیان ہدنہ (صلح) کے زمانہ میں آیا تھا۔ اور اپنی بیٹی کے پاس جب وہ گئے تو حضور صلعم کے بستر پر بیٹھنا چاہتے تھے تو ام المومنین حضرت ام حبیبہ نے اس بستر کو لپیٹ دیا تھا تاکہ ابو سفیان اس پر نہ بیٹھ سکے۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ابو سفیان اور حضرت امیر معاویہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ان کے اسلام کا واقعہ ۸ھ کا ہے نیز اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

انہ قال لہ تامرنی حتی اقاتل	ابو سفیان نے حضور سے عرض کیا کہ آپ مجھے
الکفار کما کنت اقاتل المسلمین	حکم دیجئے کہ میں کفار سے جنگ کروں جیسا کہ
قال نعم	میں مسلمانوں سے جنگ کرتا تھا تو حضور صلعم نے ارشاد فرمایا اچھا

یہ بات معلوم نہیں کہ حضور صلعم نے ابوسفیان کو جنگ کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ غرضکہ محدثین نے اس حدیث پر کافی کلام کیا ہے و نیز اس کے اسناد میں بھی اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضور صلعم نے ام حبیبہ سے فتح مکہ کے بعد نکاح کیا۔ لیکن مورخین کے اس قول کی بنا پر پہلی روایت کو غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ جس کو علم تاریخ اور سیرت سے تھوڑا سا بھی لگاؤ ہے وہ جانتا ہے کہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔

بعض مورخین نے کہا ہے کہ ابوسفیان نے تجدید نکاح کی پیش کش محض اپنی خوشی پورا کرنے کی وجہ سے کی تھی۔ کیونکہ حضرت ام حبیبہ کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر ہو گیا تھا۔ یہ روایت بھی غلط ہے حضور صلعم کے متعلق اس قسم کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ ابوسفیان جیسے عقلمند سے بھی اس قسم کی بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ پہلے نکاح کے نہ ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے۔

ایک جماعت نے یہ بھی کہا ہے ان میں سے بیہقی، اور منذری بھی ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ مسئلہ ابوسفیان کے مدینہ منورہ پہونچنے کے بعض دوسرے مواقع پر پیش آیا ہو اور اس نے حضور صلعم کی خدمت میں اس وقت درخواست پیش کی ہو اور معلوم ہوا ہو کہ ام حبیبہ کے شوہر کی حبشہ میں وفات ہو گئی ہے" تو جب ان محدثین کو قتل کفار اور اپنے بیٹے کے کاتب وحی بنانے کی روایت ملی تو ان کو خیال ہوا کہ شاید یہ دونوں درخواستیں فتح مکہ کے بعد پیش کی ہونگی۔ اسلئے راوی نے ان تینوں چیزوں کو ایک ہی روایت میں جمع کر دیا۔ اس تاویل میں اسقدر تکلف ہے کہ جسکے رد کرنیکی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔

محدثین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس حدیث کا ایک مطلب اور ہو سکتا ہے وہ یہ کہ ابوسفیان نے درخواست پیش کی کہ میں اگرچہ پہلے ام حبیبہ کے نکاح پر راضی نہ تھا اب راضی ہوں بلکہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ نکاح فرمالیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں کتابوں میں نہیں ملتیں اور اکابر سے مروی ہے کہ اس قسم کی باتونکو قابل اعتنا نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ سب غلط مرویات ہیں۔

محدثین کی ایک جماعت نے یہ بھی کہا ہے کہ ابوسفیان نے جب سنا کہ حضور صلعم نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی ہے اور ایلا کر لیا ہے تو مدینہ منورہ آئے اور حضور صلعم سے اس خیال سے مکرر آکر عرض کیا کہ جس طرح اور ازواج کو طلاق ہو گئی ام حبیبہ کو بھی طلاق ہو گئی آپ ان سے دوبارہ نکاح کر لیں۔ علامہ فرماتے ہیں یہ بات بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ پہلی تھی۔ محدثین نے کہا ہے یہ حدیث تو صحیح ہے لیکن روایت کے کسی راوی سے غلطی ہو گئی کہ اس نے ام حبیبہ کا نام لے دیا ورنہ ابوسفیان نے تو ام حبیبہ کی بہن رملہ سے نکاح کرنے کی درخواست حضور صلعم کی خدمت میں پیش کی تھی۔ اور یہ تو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ دو بہنوں کو ایک

ہی وقت میں زوجیت میں جمع کرنا حرام ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہ سے اوجھل رہا ہو حالانکہ وہ نہایت سمجھدار اور بہت جان کار ہیں۔ جب ام حبیبہ نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

هل لك فی اختی بنت ابی — کیا آپ میری بہن ابو سفیان کی بیٹی کو چاہتو
سفیان فقال افعل ماذا قالت — ہیں تو حضورؐ نے فرمایا تیری مراد کیا ہے تو کہا
تنکحها قال اوتحبین ذلك قالت — آپ اس سے نکاح کرلیں تو حضورؐ نے فرمایا
لست لك بمخلية واحب ان یشا — کیا تجھے یہ پسند ہے تو عرض کیا میں آپ سے علیحدہ گی
رکنی فی الخیر اختی قال فانها لا — نہیں چاہتی میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اس خیر میں
تحل لی۔ — میری بہن بھی شریک ہو جائے تو آپ نے فرمایا وہ میرے لئے حلال نہیں پر

اصل واقعہ یہ تھا۔ اور یہی ابو سفیان کی درخواست ہو سکتی تھی مگر راوی نے غلطی سے ام حبیبہ رضؓ کا نام روایت کر دیا۔

ایک روایت میں ان کی یعنی رملہ کی کنیت بھی ام حبیبہ آتی ہے اگر یہ الفاظ حدیث میں نہ ہوں تو بھی یہ جواب اچھا معلوم ہوتا ہے کہ

فاعطاه رسول الله صلعم — حضور صلعم نے ان کو وہ سب کچھ دیا جس کا
ماسأل — انھوں نے سوال کیا۔

پس اب یہ کہا جائے گا کہ یہ الفاظ راوی کا وہم ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ

انه اعطاه بعض ماسأل — آپ نے بعض ان چیزوں کو دیا جنکو مانگا۔

اسکو راوی نے غلطی سے اعطاه ماسأل روایت کر دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو مناسب سمجھا تھا دیا راوی نے مخاطب کے ذہن کی رعایت کرتے ہوئے بات بیان کر دی واللہ اعلم۔

۱۰۔ حضرت صفیہ رضؓ حضور صلعم نے حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب سے بھی نکاح کیا حی بن اخطب حضرت ہارون علیہ السلام برادر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اس طرح حضرت صفیہ نبی کی بیٹی اور نبی کی زوجہ ہیں۔

یہ دنیا کی حسین ترین عورتوں میں سے ہیں۔ یہ اسیر ہو کر حضور صلعم کے حصہ میں آئیں حضور صلعم نے ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا۔ یہ قیامت تک اس امت کے لئے سنت قرار دیدیا گیا کہ کوئی بھی آدمی اپنی باندی کو آزاد کرلے اور پھر نکاح کرلے تو یہ آزاد کرنا ہی اس کا مہر ہو سکتا ہے مثلاً یوں کہدے

کہ میں نے اپنی باندی کو آزاد کیا اور اس کا مہر اس کی آزادی کو قرار دیکر اس کو اپنے نکاح میں داخل کر لیا تو اس شخص کو تجدید نکاح اور اجازت ولی کی ضرورت نہیں ہے یہی امام احمد اور اکثر اہل حدیث کا مسلک ہے ۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ صرف حضور صلعم کی خصوصیت تھی امت کے لئے یہ حکم نہیں ہے بقیہ ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک کا یہی مسلک ہے لیکن صحیح پہلا قول ہی ہے کیونکہ اصل تو عدم خصوصیت ہے۔ ہاں جب اس پر کوئی دلیل قائم ہو جائے گی تو خصوصیت آ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضور صلعم کا نکاح موہوبہ کے ساتھ خاص کر دیا اور فرما دیا۔

خالصة لك من دون المومنين — یہ صرف آپ کیلئے خاص ہے نہ کہ مومنین کیلئے

اس طرح اللہ تعالیٰ نے معتقہ کے بارے میں نہیں فرمایا۔ اور نہ حضور صلعم ہی نے امت کی سہولت انہیں بیان فرمائی، ہاں متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کرنے میں سہولت بیان فرما دی پس معلوم ہوا کہ جب آپ نے کوئی نکاح کیا تو اس میں امت کی بھی سہولت ہوئی ہاں یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی نص سے تخصیص کر دے تو خصوصیت ہو جائے گی۔ اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کرنا اور اس کی ضرورت کو بتلانا اصول اور قیاس کے تقاضے کسی دوسری جگہ بیان ہونگے یہاں تو مختصراً تنبیہ کر دی ہے۔[1]

---

[1] **نکاح معتقہ** اس جگہ علامہ نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے عتق امۃ مہر ہو سکتا ہے اور اس میں امت کے لئے سہولت ہے۔ علامہ کے الفاظ کو اگر دوبارہ ملاحظہ فرما لیا جائے تو علامہ کی دلیل کی کمزوری اس سے ظاہر ہو جائے گی کہ اگر کوئی شخص چار عورتوں سے زیادہ نکاح کرنا چاہے تو اس کو سہولت ہیں کیونکہ نہ داخل کر لیا جائے جب کہ تیرا امت کے لئے بھی ایک سہولت حاصل ہو رہی ہے مہر کے متعلق حکم خداوندی یہ ہے۔

ان تبتغوا باموالكم — یعنی مال کے عیوض نکاح کرو۔

اسی بنا پر امام ابو حنیفہ، سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، زہری وغیرہ ائمہ امت نے نکاح کے لئے مہر لازم قرار دیا ہے اور اسی پر اجماع امت ہے لیکن مہر نکاح کیلئے شرط نہیں ہے۔ مذکورہ صورت میں اگر کوئی نکاح ہوا تو نکاح بھی صحیح اور عتق بھی صحیح اور مہر بھی لازم اگرچہ اس صورت میں مہر مثلی آئے گا۔ اس کے علاوہ حضرت صفیہ کے مہر کا معاملہ اور بلا مہر نکاح ہو جانا حضور صلعم کی تخصیص ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔

وامرأة مومنة ان وهبت نفسها — اگر کوئی مومنہ عورت اپنے آپ کو حضور صلعم کی زوجیت
للنبی ان اراد النبی ان يستنكحها خالصة — میں داخل کرنا چاہے۔ اگر حضور صلعم اس سے نکاح کرنا چاہیں
لك من دون المومنين — (تو یہ بلا مہر کے نکاح) صرف آپ کیلئے خاص ہے نہ کہ دوسرے مومنین کیلئے

اس کے علاوہ عتق کے اندر مہر بننے کی بچند وجوہ صلاحیت نہیں ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔

واتوا النساء صدقاتهن نحلة — عورتوں کو خوشی کے ساتھ ان کے مہر دے ڈالو اگر وہ
فان طبن لكم عن شئ منه فكلوه — اپنی خوشی سے اپنے مہر میں سے تمہیں کچھ چھوڑ دیں تو
هنيئا مريئا — اسکو پچتا پچتا کھاؤ۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

۱۱۔ حضرت میمونہ

اس کے بعد حضور صلعم نے حضرت میمونہ بنت حارثۃ الہلالیہ سے عقد فرمایا اور یہ حضور صلعم کی آخری زوجہ محترمہ ہیں کہ جن سے آپ نے نکاح کیا۔ ان سے مکہ میں عمرۃ القضا کے موقعہ پر عمرہ سے حلال ہونیکے بعد نکاح کیا اور یہی قول صحیح ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ عمرہ سے حلال ہونے سے پہلے نکاح کیا اور یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے۔ اگر یہ .... قول صحیح بھی ہے تو راوی کو غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ اس نکاح کے سفیر حضرت ابو رافع ہیں لہٰذا وہ اس معاملہ میں جسقدر باخبر ہو سکتے ہیں دوسرا نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے فرمایا۔

انہٗ تزوجھا حلالاً — کہ حضورؐ نے حضرت میمونہ سے نکاح احرام عمرہ سے حلال ہو کر کیا۔

فرماتے ہیں میں حضرت میمونہ اور حضور صلعم کے درمیان سفیر تھا اور حضرت ابن عباس رضؓ کی عمر اسوقت دس سال یا اس سے کچھ اوپر تھی۔ اور پھر وہ اسوقت موجود بھی نہیں تھے۔ پھر حضرت ابو رافع اسوقت بالغ تھے ان ہی کے ہاتھوں یہ کام تکمیل پذیر ہوا۔ لہٰذا بلاشبہ انکی بات کو تقدیم اور ترجیح حاصل ہوگی۔[1] کہا گیا ہے کہ حضرت

گذشتہ سے پیوستہ

(۱) اتو ہین امر ہے جو وجوب کیلئے آتا اور اعطاء عتق صحیح نہیں ہے (۲) فسخ عتق صحیح نہیں ہے چہ جائیکہ اس میں خوشی یا ناخوشی بخلاف مہر کے (۳) مہر کا کھانا جائز ہے اور عتق کا کھانا از قبیل محالات ہے۔ اب ام المومنین حضرت صفیہ کے مہر کے متعلق یہ عرض ہے کہ حدیث جعل عتقھا صداقھا یعنی حضورؐ نے بلا مہر کے نکاح کیا تھا یہ الفاظ بطور کنایہ کے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے بھوک کا توشہ بھوک اور یہ ظاہر ہے کہ بھوک میں توشہ بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ حضرت صفیہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے سردار کی بیٹی ہیں اور پیغمبر کی اولاد میں سے ہیں انکو حضرت دحیہ کلبی رضؓ کو دیدیا گیا تھا جب حضور صلعم سے عرض کیا گیا کہ یہ سیدہ ہیں تو آپ نے انکو حضرت دحیہ سے لے لیا۔ علامہ مازری شارح ابوداؤد فرماتے ہیں۔

لما فیہ من انتھاکھا مع مرتبتھا وکونھا بنت سیدھم — چونکہ وہ عالی مرتبہ رئیس یہود کی بیٹی تھیں کسی اور کے پاس رہنا ان کی بے عزتی تھی۔

اور ایک رئیس کی عزت مال کے مقابلہ میں یہی ہے کہ اسکو آزاد کر دیا جائے ورنہ اگر مہر مال کثیر بھی مقرر کر دیا جاتا تب بھی یہ اہانت ختم نہ ہوتی لہٰذا حضور صلعم نے نہایت اعزاز فرمایا جو آزاد کر دیا اور پھر نکاح کر لیا اور بلا مہر کے نکاح کرنا حضورؐ کے لئے جائز ہے کیونکہ آیت کے الفاظ عام ہیں یعنی کوئی سی بھی مومنہ عورت ہو اگر وہ اپنے کو ہبہ کرنا چاہیئے۔ ا ھ

اور اگر ان تمام چیزوں کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو حافظ ابو یعلیٰ نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے۔

انہ صلے اللہ علیہ وسلم لما تزوج صفیۃ امر بشراء خادم لھا وھی رزینۃ — حضور صلعم نے جب صفیہ سے نکاح کرنا چاہا تو انکے لئے ایک خادم خریدنے کا حکم دیا اور وہ خادمہ رزینہ ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت صفیہ کا مہر ایک خادمہ تھی واللہ اعلم۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے شرح مواہب ج ۴ ص ۲۵۶، فتح الملہم ج ۳ ص ۴۶۹، سیرت النبی ج ۱ ص ۳۶۰، تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۴۲۔

[1] **نکاح محرم**: حالت احرام میں نکاح جائز ہے یا نہیں۔ علامہ اور دوسرے فقہا کا یہ خیال ہے کہ حالت احرام میں نکاح جائز نہیں ہے بطور دلیل کے وہ حضرت میمونہ کے نکاح کا معاملہ پیش کرتے ہیں کہ انسے عمرۃ القضا کے موقعہ پر حضورؐ نے نکاح اسوقت کیا کہ جب وہ احرام باندھے ہوئے نہیں تھے۔ اس باب میں علامہ نے حضرت ابو رافع کی روایت کو (باقی اگلے صفحہ پر)

معاویہ کے دورِ حکومت میں ان کا انتقال ہوا اور مقام سرف میں مدفون ہوئیں۔

۱۲ حضرت ریحانہ

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپکی ازواج مطہرات میں سے ریحانہ بنت زید نضریہ بھی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ قریظیہ ہیں۔ اسیر ہو کر حضور صلعم کے حصہ میں آئیں تھی آپ نے ان کو آزاد کر کے نکاح کیا پھر طلاق دیدی اور پھر اس سے رجعت کر لی۔ ایک جماعت نے کہا۔ نہیں بلکہ یہ باندی ہی رہیں۔ حضور صلعم نے انکو مملوکہ باندی کی طرح اپنے پاس رکھا تھی کہ حضور صلعم کا وصال ہو گیا اسوجہ سے انکا شمار باندیوں میں ہے نہ کہ ازواج میں۔ پہلا قول علامہ واقدی کا ہے اور اسی قول کی موافقت علامہ دمیاطی نے بھی کی ہے اور کہا ہے کہ اہل علم کے نزدیک یہی قول زیادہ معتبر ہے لیکن اس قول میں کلام ہے۔ مشہور یہی ہے کہ آپ کی باندی ہیں۔ واللہ اعلم

گذشتہ سے پیوستہ

نہایت قوت کے ساتھ پیش کیا ہے اور حضرت ابن عباس کی روایت پر سخت اعتراض کیا ہے حنفیہ کا فرمانا ہے کہ نکاح چونکہ رفث میں داخل نہیں ہے بلکہ عقود میں سے ایک عقد ہے اور عقد حالت احرام میں جائز ہے۔ اب رہا حضرت میمونہ کے نکاح کا معاملہ تو حنفیہ فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اپنے والد محترم حضرت عباس رضی سے اور خود حضور صلعم سے روایت کر رہے ہیں کہ یہ نکاح حالت احرام میں ہوا۔ خود حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ میرا نکاح حضور صلعم سے مقام سرف میں ہوا الخ اور سرف داخل میقات ہے۔ علاوہ ازیں حدیث ابو رافع مرسل ہے اور... امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض محدثین نے حدیث ابو رافع پر جرح بھی کی ہے۔ علامہ کی یہ دلیل کہ حضرت ابو رافع اس نکاح میں صاحب واقعہ ہیں غلط ہے کیونکہ ان کی حیثیت محض سفیر کی ہے۔ ولی نکاح تو حضرت عباس ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نے یہ نکاح حالت احرام میں کیا الخ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے فتح الملہم صفحہ ۴۵۳ ج ۳۔

۱ے حضرت ریحانہ

حضور صلعم کی چار باندیاں تھیں۔ حضرت ماریہ قبطیہ (جن کے بطن سے حضرت ابراہیم تولد ہوئے تھے) انکو شاہ مصر مقوقس نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا دوسرے حضرت نفیسہ رضی انکو حضرت زینب بنت جحش ام المومنین نے حضور صلعم کو ہبہ کر دیا تھا تیسرے حضرت جمیلہ اور چوتھے حضرت ریحانہ (شرح مواہب صفحہ ۲۷۴ ج ۳)۔ حضرت ریحانہ کے متعلق علامہ شبلی نے تحریر فرمایا ہے۔

متعدد ارباب سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے قریظہ کے قیدیوں میں سے ایک یہودی عورت جسکا نام ریحانہ تھا.....

... انکے متعلق حکم دیا کہ الگ کر لی جائے پھر چند روز کے بعد اسکو اپنے حرم میں داخل کر لیا چنانچہ جن مورخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم لونڈیوں سے بھی متمتع ہوتے تھے انھوں نے دو مثالیں پیش کی ہیں، ایک یہی ریحانہ اور دوسری ماریہ قبطیہ کی۔ عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کو صحیح قرار دیکر نہایت ناگوار صورت میں لکھا ہے۔ ایک مورخ نہایت طعن آمیز الفاظ میں لکھتا ہے کہ بانی اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشوں کے تڑپنے کا تماشہ دیکھ چکا تو گھر پر آکر تفریح خاطر کیلئے .... لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے۔ ریحانہ کے حرم میں داخل ہونے کی جسقدر روایتیں ہیں سب واقدی یا ابن اسحٰق سے ماخوذ ہیں لیکن واقدی نے بتصریح بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان سے نکاح کیا تھا۔ ابن سعد نے واقدی کی روایت نقل کی ہے اس میں خود حضرت ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

فاعتقنی وتزوجنی — آپ نے مجھے آزاد کر دیا اور مجھ سے نکاح کر لیا۔

حافظ ابن حجر نے تحریر فرمایا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

بہرحال یہ حضور صلعم کی مدخول بہا ازواج مطہرات ہیں لیکن ان کے علاوہ وہ عورتیں جنکو پیغام تو دیا لیکن ان سے نکاح نہیں کیا وہ چار یا پانچ عورتیں ہیں بعض نے کہا ہے کہ ان کی تعداد تیس ہے لیکن اہل سیر حضرات اور جو حضور صلعم کے حالات سے واقف ہیں وہ اس روایت کی تردید کرتے ہیں۔

اہل سیر کے نزدیک مشہور ہے کہ آپ نے حضرت جوینہ کو پیغام نکاح دیا تھا۔ آپ انکے یہاں تشریف بھی لے گئے اور پیغام نکاح دیا انھوں نے معذرت چاہی حضور نے انکی معذرت کو قبول کر لیا۔ ایسے ہی حضرت کلبیہ کا واقعہ ہے۔ اور ایسے ہی اس عورت کا واقعہ ہے کہ جسکے جسم پر آپ نے سفیدی دیکھی نیز جس نے اپنے آپ کو حضور صلعم کی زوجیت میں داخل کرنا چاہا حضور نے انکا نکاح ایک صحابی کے ساتھ قرآن پاک کی چند سورتیں سکھانے کے مہر پر کر دیا۔ اصل واقعات یہ ہیں۔ واللہ اعلم

اس میں اختلاف نہیں ہے کہ جس وقت حضور صلعم کا وصال ہوا تو آپ کے نکاح میں نو ازواج مطہرات تھیں۔ جن میں سے آٹھ کی باری بھی مقرر تھی۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ، حضرت حفصہ رضؓ حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام سلمہ رضؓ، حضرت صفیہ رضؓ، حضرت ام حبیبہ رضؓ، حضرت میمونہ رضؓ حضرت سودہ رضؓ، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن۔

ازواج میں سے سب سے پہلے حضرت زینب کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی اور سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ رضؓ کی وفات ۶۲ھ میں، یزید کی خلافت کے زمانے میں ہوئی۔

حضور صلعم کی باندیاں

ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم کی چار باندیاں تھیں۔ حضرت ماریہ قبطیہ والدہ محترمہ حضرت ابراہیم بن حضور صلعم، حضرت ریحانہ، حضرت جمیلہ یہ گرفتار ہو کر حضور صلعم کے حصہ میں آئی تھیں۔ اور ایک باندی حضرت زینب بنت جحش ام المومنین نے حضور صلعم کو ہبہ کر دی تھی۔

حضور صلعم کے غلام

ان میں سے ایک حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل رضؓ حضور صلعم کے شیدائی تھے آپ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور اپنی باندی حضرت ام ایمن سے

گذشتہ سے پیوستہ

وکانت ریحانۃ القرظیۃ زوج النبی صلعم تسکنہ — اور ریحانہ قرظیہ آنحضرت صلعم کی زوجہ محترمہ اس مکان میں رہتی تھیں۔

حافظ ابن مندہ نے تحریر فرمایا ہے۔

واستری ریحانۃ من بنی قریظۃ ثم اعتقہا فلحقت باھلہا واحتجبت وھی عند اھلہا — ریحانہ کو گرفتار کیا اور پھر آزاد کر دیا تو وہ اپنے خاندان میں چلی گئیں اور وہیں پردہ نشین ہو کر رہیں۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس بڑی تحقیق سے ابن اثیر بھی غافل رہے۔ الخ۔ سیرت النبی صـ۳۲۲ ج ۱۔

ان کا نکاح کر دیا تھا جن کے بطن سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے۔

ان ہی غلاموں میں سے حضرت اسلم، حضرت ابو رافع، حضرت ثوبان، حضرت ابو کبشہ سلیم، حضرت شقران ان کا نام صالح ہے، حضرت رباح نوبی، حضرت یسار نوبی رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت نوبی کو قبیلہ عرینہ والوں نے قتل کر دیا تھا۔ مدعم اور کرکرہ نوبی یہ حضور صلعم کے رخت سفر کے محافظ تھے ان میں سے ایک حضور صلعم کی اونٹنی کی مہار غزوہ خیبر میں ہاتھ میں تھامے ہوئے تھے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ انھوں نے غزوہ خیبر کے موقعہ پر مال غنیمت میں سے چادر چرالی تھی۔ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ان پر دوزخ کی آگ بھڑک رہی ہے۔ موطا کی روایت میں ہے کہ جنھوں نے چادر چرائی تھی وہ مدعم تھے بہر حال دونوں غزوہ خیبر میں قتل ہوئے۔ واللہ اعلم۔

ان کے علاوہ حضور صلعم کے غلام الخبشہ حاوی اور حضرت سفینہ بن فروخ ہیں ان کا نام مہران ہے لیکن حضور صلعم نے ان کا نام سفینہ اس وجہ سے رکھدیا تھا کہ یہ حضرات صحابہ رضہ کا سامان لاد کر چلا کرتے تھے تب حضور صلعم نے فرمایا تھا کہ تو سفینہ ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ ان کو حضور صلعم نے آزاد کر دیا تھا بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان کو حضرت ام سلمہ رضہ نے آزاد کیا تھا۔

حضور صلعم کے غلاموں میں سے ایک انیسہ رضہ ہیں جن کی کنیت ابو مشروح ہے۔ ان کے علاوہ افلح عبیدہ طہمان بھی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کا نام کیسان ہے نیز حضور صلعم کے غلام ذکوان، مہران مروان بعض روایتوں میں طہمان کے نام میں اختلاف بھی ہے۔ ان کے علاوہ حنین، ..... فضالہ الیمنی ابو رخصی، واقد، ابو واقد، قسام، ابو عسیب، ابو موہیبہ بھی آپ کے غلام ہیں۔ باندیوں میں سلمی، ام رافع، میمونہ بنت سعد، حضیرۃ، رضوی، ریشحہ، ام ضمیر، میمونہ بنت ابو عسیب، ماریہ قبطیہ ریحانہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

حضور صلعم کے خدام

آپ کے خدام میں حضرت انس بن مالک رضہ ہیں۔ ان کے سپرد حضور صلعم کی ضروریات کی خدمت سپرد تھی۔ دوسرے خادم حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ ہیں۔ جن کے سپرد حضور صلعم کی کفش برداری اور مسواک کی خدمت تھی۔ تیسرے حضرت عقبہ بن عامر الجھنی ہیں۔ یہ سفر میں حضور صلعم کی سواری بغلہ کو ہانکا کرتے تھے۔ چوتھے اسلع بن شریک۔ ان کے سپرد بھی سواری کی خدمت تھی۔ ان کے علاوہ حضرت بلال ابن رباح موذن تھے۔ اور حضرت سعد رضہ جو حضرت ابو بکر صدیق رضہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت ابو ذر غفاری، ایمن بن عبید اور ان کی والدہ ام ایمن۔ یہ سب حضور صلعم کے خدام میں سے ہیں۔ حضرت ایمن بن عبید اور ان کی والدہ کے ذمہ حضور صلعم

کے وضو کے پانی کا انتظام ..... تھا۔

کاتبانِ وحی

وحی الٰہی کی کتابت کرنے والوں میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمر فاروق رضؓ، حضرت عثمان غنی رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت زبیر رضؓ، حضرت عامر بن فہیرہ رضؓ، حضرت عمرو بن العاص رضؓ، حضرت ابی بن کعب رضؓ، حضرت عبداللہ بن ارقم رضؓ، حضرت ثابت بن قیس رضؓ، حضرت ابن شماس رضؓ، حضرت حنظلہ بن الربیع الاسدی رضؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ، حضرت خالد بن الولید رضؓ، حضرت خالد بن سعید بن العاص رضؓ۔ کہا گیا ہے کہ یہ سب سے پہلے کاتب ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضؓ، زید بن ثابت ہیں اکثر یہی دونوں حضرات خاص طور سے اس فریضہ کو انجام دیتے تھے۔[۱]

---

[۱] جناب رسول اللہ صلعم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی آیت یا سورۃ آپ پر نازل ہوتی تو آپ کاتبین وحی کو لکھوا دیتے تھے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن پاک کی کتابت آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نہیں ہوئی۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں قرآن پاک یکجا طور پر نہیں تھا۔ یہ کام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا اور تیسری مرتبہ قرأت میں اختلاف کو دور کرنے کے لئے حضرت عثمان رضؓ نے یہ خدمت انجام دی۔ قرآن پاک کی کتابی حیثیت سے انکار نصوص قطعیہ کے انکار کے مترادف ہے قرآن پاک میں موجود ہے۔

الحمد للہ الذی انزل علٰے عبدہ الکتاب۔ — تعریف اس خدا کی جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری۔

لیکن اس زمانہ میں ایسے بھی ہیں جو ایسے قطعیات کا انکار کر دیتے ہیں۔ مسئلہ جمع و ترتیب قرآن پاک کے ذیل میں۔ راقم الحروف نے اجمل خاں صاحب کی سیرت قرآنیہ کا اچھی طرح رد کیا ہے یہ مضمون چند قسطوں میں مدینہ بجنور ۱۹۴۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔

پانچواں باب

امور انتظامیہ یعنی مکاتیب، حکام اور محافظ وغیرہ

حضور صلعم کے مکاتیب

حضور صلعم کا ایک مکتوب حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے پاس تھا جو صدقات کے متعلق تھا۔ اس کو حضرت ابوبکر صدیق رضہی نے حضرت انس بن مالک رضہ کے لئے لکھا تھا۔ جب ان کو بحرین بھیجا گیا تھا اس پر جمہور مسلمانوں کا عمل ہے۔

ایک مکتوب گرامی وہ ہے جو یمن والوں کے پاس بھیجا تھا۔ اس کو حضرت ابوبکر بن عمرو بن حزم نے اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کیا ہے۔ اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں اور امام نسائی نے بسند متصل روایت کیا ہے اور ابوداؤد وغیرہ نے مرسلاً روایت کیا ہے۔ یہ ایک عظیم مکتوب ہے جس میں زکوٰۃ، صدقات، دیات . . . ، وغیرہ کے مسائل ہیں۔ اور گناہ کبائر، طلاق، عتاق، احکام صلوٰۃ وغیرہ ایک پارچہ میں لپٹے ہوئے تھے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ اس میں شک نہیں ہے کہ حضور صلعم نے جو مکتوب تحریر فرمایا ہے اس سے فقہائے دیات کی مقدار متعین کی ہے۔

ایک مکتوب حضور صلعم نے بنی زہیر کو لکھا تھا۔ اور ایک مکتوب حضرت عمر بن الخطاب رضہ کے پاس بھی تھا۔ جس میں زکوٰۃ کے انصاب درج تھے۔

بادشاہوں کے نام مکتوب

جب حضور صلعم حدیبیہ سے واپس ہوئے تو آپ نے سلاطین جہاں کے پاس مکتوب اور قاصد بھیجے۔ ان میں سے ایک مکتوب روم کے بادشاہ کے پاس بھی بھیجا۔ تب آپ سے عرض کیا گیا کہ جب تک مکتوب پر مہر نہ ہو اس وقت تک یہ لوگ اس کو نہیں پڑھتے۔ تب آپ نے ایک مہر چاندی کی انگوٹھی کی بنوائی جس پر تین سطروں میں محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ محمد ایک سطر میں، رسول دوسری سطر میں اور

اللہ تیسری سطر میں تھا۔ اسی سے مکتوب پر جو بادشاہوں کے طرف بھیجے جاتے تھے مہر لگائی جاتی تھی۔

حضور صلعم نے محرم ۷ھ میں ایک ہی دن میں ۶ آدمیوں کے ہاتھ مکتوب ارسال فرمائے ان میں سے ایک حضرت عمرو بن امیہ الضمری ہیں ان کو نجاشی کی طرف بھیجا۔ ان کا اصلی نام اصحمہ ہے۔ اصحمہ عربی میں عطیہ کے معنی میں آتا ہے۔ اس نے حضور صلعم کے مکتوب گرامی کو بہت زیادہ قدر کی نظر سے دیکھا اور پھر مسلمان ہو گیا اور کلمہ حق کی شہادت دی۔ یہ بادشاہ انجیل کا بہت بڑا عالم تھا جس دن اس بادشاہ کا انتقال حبشہ میں ہوا تو حضور صلعم نے اس کے جنازہ کی غائبانہ نماز مدینہ منورہ میں ادا کی علما کی ایک جماعت نے جس میں علامہ واقدی بھی شامل ہیں یہی کہا ہے۔

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ جس کے جنازہ کی غائبانہ نماز حضور صلعم نے پڑھی یہ وہ نجاشی نہیں تھا کہ جس کے نام آپ نے مکتوب ارسال فرمایا تھا بلکہ یہ دوسرا شاہ نجاشی تھا اسکے اسلام کے بارے میں تحقیق نہیں ہے بخلاف پہلے نجاشی کے کہ وہ مسلمان مرا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت قتادہ کی حدیث حضرت انس کے واسطہ سے نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے قیصر اور کسریٰ اور شاہ نجاشی کے پاس خطوط بھیجے اور یہ شاہ نجاشی وہ نہ تھا کہ جس کے جنازہ کی نماز حضور صلعم نے پڑھی۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ جس نجاشی کو حضور صلعم نے مکتوب بھیجا تھا اور یہ مکتوب عمرو بن امیہ ضمری لے کر گئے تھے یہ نجاشی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ پہلا قول ابن سعد کا ہے اور دوسرا قول ابن حزم کا ہے[1]

---

[1] **شاہ نجاشی** اصحاب سیر کے نزدیک یہ مسئلہ بہت زیادہ پیچیدہ ہے کہ شاہ نجاشی جسکے پاس حضور صلعم نے مکتوب گرامی بھیجا تھا وہ اصحمہ شاہ نجاشی جو مسلمان ہوا اور اسکے جنازہ کی غائبانہ نماز آنحضرت صلعم نے پڑھی وہ اور تھا۔ مولانا عبدالرؤف صاحب داناپوری نے اصح السیر میں تو کچھ بھی ادھر توجہ نہیں فرمائی۔ حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے بلاغ المبین میں بحث کو بہت طویل کر دیا ہے لیکن فیصلہ کن بات وہ بھی نہیں کہہ سکے۔

حضور صلعم نے ۶ھ میں دو مکتوب گرامی شاہ نجاشی کے پاس بھیجے۔ پہلا مکتوب اسلام لانے کے متعلق اور دوسرا مکتوب بھی حضرت عمرو بن امیہ الضمری کی سفارت میں ۶ھ ہی میں بھیجا مگر یہ مکتوب مہاجرین حبشہ کو واپس بلانے کیلئے تھا ۸ھ یا ۹ھ میں شاہ نجاشی کی وفات ہوئی اور اسکے جنازہ کی نماز حضور صلعم نے غائبانہ ادا کی۔

جس نجاشی کے پاس حضور صلعم نے دو مکتوب بھیجے اسکا نام اصحمہ بتلایا گیا ہے چنانچہ مکتوبات کی عبارتوں اور بخاری و مسلم کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام اصحمہ تھا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ الضمری نے مکتوب پیش کرنے کے بیشتر اسلام کی دعوت پیش کی۔ اس کے بعد مکتوب پیش کیا۔ اس کے جواب میں شاہ نجاشی نے حضرت جعفر کو بلا کر ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور حضور صلعم کو عریضہ لکھا جس میں موجود تھا۔

السلام علیک یا نبی اللہ من اللہ و برکاتہ الذی لا الہ الا اللہ ھو الذی	اے نبی اللہ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت ہو وہ خدا جسکے سوا کوئی معبود نہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

قیصر روم کے نام

دوسرا مکتوب آپ نے قیصر روم کے پاس کہ جس کا نام ہرقل تھا بھیجا۔ اس سفارت پر دحیہ بن خلیفہ کلبی تشریف لے گئے تھے۔ ہرقل نے اسلام لانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا (مگر قوم کی وجہ اور اپنی بدبختی سے مسلمان نہ ہو سکا) ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر یہ روایت غیر معتبر ہے۔ ابن حبان اور ابو حاتم نے بروایت حضرت انس رضؓ نقل کیا ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔

من ینطلق بصحیفتی ھذا — جو میرا یہ مکتوب قیصر کے پاس لیکر جائے گا
الی قیصر ولہ الجنۃ — وہ جنت کا مستحق ہوگا۔

حاضرین میں سے ایک آدمی نے یہ سن کر عرض کیا۔ اگرچہ ہرقل اسلام قبول نہ کرے تب بھی یہی بشارت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا

وان لم یقبل — اگرچہ وہ اسلام نہ قبول کرے۔

چنانچہ حضرت دحیہ مکتوب گرامی لے کر گئے تو ان کی قیصر سے ملاقات اس جگہ ہوئی کہ وہ بیت المقدس جا رہا تھا اور ایک جگہ مقیم تھا۔ حضرت دحیہ نے حضور صلعم کا مکتوب گرامی ہرقل کو پیش کیا اور علیحدہ ہو گئے اور ہرقل کو خبر بھی نہ ہو سکی کہ اس مکتوب کا قاصد کون ہے۔ چنانچہ قیصر نے اعلان کیا کہ جو اس مکتوب کو لایا ہے وہ مامون ہے۔ حضرت دحیہ نے کہا کہ میں ہوں۔ ہرقل نے کہا۔ واپسی پر ملاقات کرنا چنانچہ حضرت دحیہ واپسی پر اس سے ملے۔

گذشتہ سے پیوستہ

ھدانی للاسلام — وہی ہے جس نے مجھے اسلام کیلئے ہدایت دی۔

اسکے بعد آخر میں لکھا کہ میں آپ کے ابن عم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں اگر آپ چاہیں تو میں بذات خود حاضر خدمت ہو جاؤں۔ اسکے باوجود وہ کونسا نجاشی ہو سکتا ہے کہ جو ۹ھ تک زندہ رہا اور حضورؐ نے اسکے جنازہ کی نماز بھی غائبانہ ادا کی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ حبشہ کے تخت پر دو نجاشی بادشاہ متقرر تھے۔ جن میں سے ایک تو مسلمان ہو گیا کہ جس کے جنازہ کی نماز ۹ھ میں ادا کی گئی اور ایک شاہ نجاشی مسلمان نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ صلوٰۃ غائبانہ کی ادائیگی شاہ نجاشی کے اس اعزاز کا اظہار کر رہی ہے جو حضور صلعم نے اس کے ساتھ برتا اور دراصل یہ صلہ تھا شاہ نجاشی کے ان احسانات کا جو اس نے مسلمانوں کے ساتھ کئے تھے۔ علامہ ابن حزم اور علامہ ابن قیم جیسے جبال العلم پر بعض روایات کی بنا پر یہ بات پوشیدہ رہی اور بر تضاد انھوں نے نظر انداز کر دیا کہ جو حبشہ کی سلطنت پر بیک وقت دو بادشاہوں کے تخت نشین ہونے کا پیدا ہو رہا ہے چونکہ یہ حاشیہ ہے مستقل بحث کا اس جگہ موقع نہیں ہے ہم نے متعدد کتابوں کی ورق گردانی کی بحمد اللہ ہمیں اس پر اطمینان ہے کہ شاہ نجاشی اصحمہ ہی تھا وہی مسلمان ہوا اور اسی کے جنازہ کی نماز حضور صلعم نے غائبانہ ادا کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے۔

سیرت حلبیہ صـ ۲۷ ج ۳، فتح الباری صـ ۹ ج ۸، زرقانی شرح مواہب، باغ مبین، سیرت النبی وغیرہ۔

قیصر نے اپنی قلعہ کے دروازے بند کروا کر اعلان کرا دیا کہ میں نے نصرانیت کو چھوڑ کر جناب محمد رسول اللہ صلعم کی اتباع کرلی ہے۔ یہ سنکر اس کی مسلح فوج قلعہ میں گھس آئی۔ تب قیصر نے حضور صلعم کے قاصد سے کہا دیکھ لو! مجھے اپنی حکومت کا اندیشہ ہے۔ اس کے بعد قیصر نے مکرر اعلان کرایا کہ میں تم لوگوں سے راضی ہوں۔ اسکے بعد اس نے حضور صلعم کی خدمت میں مکتوب لکھا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور بطور نذرانہ کچھ اشرفیاں بھیجیں۔ جب حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے قیصر کا جواب پڑھا تو ارشاد فرمایا۔

کذب عدو اللہ لیس بمسلم — اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے وہ بدستور

وھو علی النصرانیۃ — نصرانیت پر قائم ہے۔

کسریٰ کے نام

حضور صلعم نے شاہ ایران کسریٰ کے پاس بھی مکتوب بھیجا اس سفارت پر حضرت عبد اللہ بن حذافہ السہمی تشریف لے گئے تھے۔ اس بادشاہ کا نام ابرویز بن ہرمز بن انوشیرواں تھا۔ اس نے حضور صلعم کے مکتوب گرامی کے ٹکڑے کر دیئے تھے تب حضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔

اللھم مزق ملکہٗ — اے اللہ اسکے ملک کے ٹکڑے کر دے۔

چنانچہ اس کی مملکت منتشر ہوگئی۔

مقوقس کے نام

حضور صلعم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کے پاس بھیجا اس کا نام جریج بن مکینا تھا یہ اسکندریہ کا بادشاہ اور قبطیوں کا سردار تھا۔ اس نے کہا "بہتر" اور اب معاملہ قریب آگیا ہے۔ لیکن یہ مسلمان نہیں ہوسکا۔ حضور صلعم کو بطور ہدیہ حضرت ماریہ رضؓ اور ان کی دو بہنوں کو جن کے نام سیرین اور قیسرین تھے بھیجا۔ حضرت ماریہ رضؓ کو آپ نے ہی رکھا اور سیرین کو حضرت حسان بن ثابت کو ہبہ کر دیا۔

مقوقس نے ایک دوسری باندی اور ایک ہزار مثقال سونا، قباطی کے بیس تھان اور ایک بغلہ جس کا نام دلدل تھا اور ایک گدھا جس کا نام عفیر تھا اور ایک غلام خواجہ سرا جس کا نام بابور تھا کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ماریہ کا چچازاد بھائی تھا۔ اور ایک گھوڑا جس کا نام لزاز تھا اور ایک شیشے کا پیالہ اور شہد حضور صلعم کی خدمت میں تحفے کے طور پر بھیجے حضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔

ضن الخبیث بملکہ ولا بقا ملکہ — خبیث نے اپنے ملک کے لئے بخل کیا حالانکہ اسکے ملک کی بقا نہیں ہے۔

اس کے علاوہ حضور صلعم نے حضرت شجاع بن وہب اسدی کو غسان کے حاکم حارث بن ابی شمر

کے پاس بھیجا اس کے قائل ابن اسحاق اور علامہ واقدی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ جبلہ بن ایہم کے پاس بھیجا۔ ایک روایت یہ ہے کہ دونوں کے پاس ایک ساتھ بھیجا۔ اور ایک روایت کے مطابق ان کو حضرت دحیہ رضؓ کے ساتھ ہرقل کے پاس بھیجا تھا۔ واللہ اعلم

حضرت سلیط بن عمرو کو یمامہ کے حاکم ہوذہ بن علی الحنفی کے پاس بھیجا اور ایک روایت یہ ہے کہ ہوذہ بن علی اور ثمامہ بن اثال کے پاس بھیجا۔ ہوذہ مسلمان نہیں ہوا اور ثمامہ بن اثال مسلمان ہو گیا تھا۔

بس یہ چھ مکتوب گرامی ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ چھ مکتوب وہ ہیں جن کو ایک ہی دن میں ارسال فرمایا تھا اور حضرت عمرو بن العاص کو ذی قعدہ کے مہینہ ۸ھ میں شاہ عمان کے دونوں لڑکوں جیفر اور عبداللہ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے اور دونوں نے حضور صلعم کی تصدیق کی۔ حضرت عمرو بن العاص کو تحصیل صدقہ کے لئے یہاں کا عامل مقرر کر دیا گیا تھا یہ حضور صلعم کی وفات تک یہیں رہے۔

دوسری سفارتیں

حضور صلعم نے جعرانہ سے واپسی کے وقت حضرت علا بن حضرمی کو بحرین کے حاکم کے پاس بھیجا اور ایک روایت یہ ہے کہ فتح مکہ سے قبل بھیجا تھا۔ بہر حال یہ مسلمان ہو گیا اور اس نے تصدیق کی۔

مہاجر بن ابی امیہ رضؓ کو عبد کلال حمیری کے پاس بھیجا گیا اس نے جواب میں کہا کہ مجھے غور و فکر کے لئے مہلت دیجئے۔

تبوک سے واپسی پر حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا گیا ایک روایت یہ ہے کہ ان کو ربیع الاول ۱۰ھ میں دعوت اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تھا۔ چنانچہ یہاں کے تمام باشندے برضا و رغبت مسلمان ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت علی رضؓ کو بھی ان ہی کے پاس یمن بھیجا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت علی رضؓ کی حضور صلعم سے ملاقات ہوئی۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کو ذی الکلاع حمیری اور ذی عمرو کے پاس بھیجا۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت جریر یہیں مقیم تھے کہ حضور صلعم کا وصال ہو گیا۔

انکے علاوہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو خط دیکر مسیلمہ کذاب کے پاس بھیجا اور اسی کے پاس دوسرا مکتوب حضرت سائب بن عوام زبیر کے بھائی کے ہاتھ بھیجا۔

آپ نے فروہ بن عمرو جذامی کے پاس بھی مکتوب بھیجا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ نہیں بھیجا۔ فروہ قیصر کا عامل تھا یہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے حضور صلعم کو مکتوب لکھا اور آپ کو اپنے اسلام کی

اطلاع دی۔ آپ کے پاس ہدایا بھی بھیجے۔ ہدیہ میں ایک خچر بھیجا تھا جس کا نام فضہ تھا۔ اور ایک گھوڑا تھا جس کا نام ضرب تھا اور ایک گدھا تھا جس کا نام یعفور تھا۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ علما کی ایک جماعت کا یہی کہنا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ عفیر اور یعفور ایک ہی کا نام ہے عفیر یعفور کی تصغیر ہے۔

اس کے علاوہ کچھ کپڑے بھی بھیجے آپ نے ان ہدایا کو قبول فرمالیا تھا اور ان ہدایا کے لانیوالے مسعود بن سعد کو بارہ اوقیہ مرحمت فرمائے تھے۔

ان کے علاوہ عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی کو خط دیکر حارث، مسروح، نعیم بن عبداللہ کلال حمیری کے پاس بھی بھیجا۔

حضور صلعم کے مؤذن

حضور صلعم کے چار موذن تھے۔ دو مدینہ منورہ میں اول حضرت بلال بن رباح اور دوسرے حضرت عمرو بن ام مکتوم القرشی، العامری یہ نابینا تھے اور قبا میں حضرت سعد القرظ جو حضرت عمار بن یاسر کے غلام تھے۔

اور مکہ معظمہ میں حضرت ابو محذورہ کہ جن کا نام اوس بن مغیرہ جہمی تھا۔ اور حضرت ابو محذورہ اذان میں ترجیع[۱] کرتے تھے اور اقامت کو دو دوبارہ کہا کرتے تھے اور حضرت بلال ترجیع نہیں کرتے تھے اقامت کو ایک مرتبہ کہتے تھے۔ حضرت امام شافعی صاحب اور اہل مکہ نے اذان میں حضرت ابو محذورہ اور اقامت میں حضرت بلال کے عمل کو اختیار کیا اور حضرت امام ابو حنیفہ نے اقامت میں ابو محذورہ اور اذان میں حضرت بلال کے عمل کو اختیار کیا۔ اور امام احمد نے اذان اور اقامت دونوں میں حضرت بلال کا عمل اپنایا۔ اور امام مالک نے دونوں صورتوں میں اختلاف کیا ہے وہ نہ تو تکبیر کو مکرر کرتے ہیں اور نہ اقامت کو۔

حضور صلعم کے مقرر کردہ حکام

حضور صلعم نے جن کو حاکم مقرر فرمایا ان میں سے ایک باذان بن ساسان ہیں یہ بہرام جور کی اولاد میں سے ہیں ان کو حضور صلعم نے کسریٰ کے مرنے کے بعد تمام اہل یمن پر حاکم مقرر فرمایا چنانچہ یہ اسلام میں سب سے پہلے حاکم ہیں جو مقرر ہوئے اور یہ ملوک عجم میں سب سے اول اسلام قبول کرنے والوں میں ہیں، باذان کے

---

[۱] ترجیع اذان میں یہ ہے کہ شہادتین کے بعد پھر شہادتین کو کہا جائے۔ حضرت ابو محذورہ کو جب اذان سکھائی گئی تھی تو انھوں نے شہادتین کو آہستہ آہستہ کہا۔ حضور نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا زور سے کہو تب انھوں نے شہادتین کو زور زور سے کہا اور یادگار کے طور پر تمام عمر اسی طریقہ پر قائم رہے اور تمام عمر سر کے بال بھی نہیں منڈوائے تو یہ ان کی تخصیص تھی۔ اصل اذان وہ تھی جو حضرت بلال تمام عمر حضور صلعم کی موجودگی میں مسجد نبوی میں دیتے رہے اسی کو امام ابو حنیفہ نے اختیار کیا ہے۔

انتقال کے بعد حضور صلعم نے اس کے بیٹے شہر بن باذان کو صنعا کا حاکم مقرر کیا۔ جب شہر بن باذان قتل کر دیئے گئے تو آپ نے صنعا پر خالد بن سعید بن العاص کو حاکم مقرر کیا اور حضرت مہاجر بن امیہ مخزومی کو کندہ اور صدف کا حاکم مقرر فرمایا۔ اس کے بعد حضور صلعم کا وصال ہو گیا اور کوئی نئی فوج ادھر نہیں بھیجی گئی۔ البتہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے ایک فوج مرتدین یمن کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے روانہ فرمائی تھی۔

آپ نے زیاد بن امیہ کو حضرموت کا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کو زبید، یمن، زمع اور ساحل کا حاکم مقرر فرمایا اور حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو جند کا اور ابو سفیان کو نجران کا اور انکے بیٹے یزید کو تیما کا حاکم مقرر فرمایا۔

عتاب بن اسید کو مکہ کا اور حج کے زمانہ میں حجاج کا ۸ھ میں منتظم مقرر فرمایا۔ ان کی عمر اسوقت بیس سال سے کچھ کم تھی۔ حضرت علی رضؓ کو یمن کا خمس وصول کرنے کے لئے اور وہاں کے مقدمات فیصل کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ اور حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو عمان اور اس کے اطراف کا حاکم مقرر فرمایا۔ اور حضرات صحابہ رضؓ کی ایک کثیر جماعت کو صدقات وصول کرنے پر مامور فرمایا۔ کیونکہ ہر قبیلہ اور ہر خاندان سے صدقات وصول ہوتے تھے اس لئے ان ہی میں کا ایک آدمی مقرر کر دیا جاتا تھا اسی وجہ سے ان کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کو ۹ھ میں امیر الحج مقرر فرمایا اور ان کے پیچھے حضرت علی رضؓ کو بھیجا کہ وہ سورۂ برأت جاکر لوگوں کو سنا دیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ سورۃ حضرت ابو بکر رضؓ کے تشریف لے جانے کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ عرب کی عادت تھی کہ وہ اپنے گھر کے آدمی کی بات تو مانتے تھے دوسرے کی نہیں۔ اس لئے حضرت علی رضؓ کو بھیجا گیا کیونکہ قریش کے نزدیک یہ اپنے ہی آدمی تھے اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت علی رضؓ کو حضرت ابو بکر رضؓ کی اعانت کے لئے ساتھ ہی بھیجا گیا تھا۔ جب حضور صلعم سے عرض کیا گیا کہ

الصدیق امیرا وماموز — صدیق امیر ہیں یا مامور ہیں۔

تب آپ نے فرمایا مامور ہیں۔ اللہ کے دشمن رافضیوں نے اس سے یہ بات نکال لی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کو معزول کر کے حضرت علی رضؓ کو امیر مقرر فرمایا تھا۔ یہ اس فرقہ کا بہتان ہے اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حج ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا یا ذیقعدہ کے مہینہ میں ہوا[1]۔

---

[1] یہ اختلاف اسوجہ سے پیدا ہوا کہ عرب کی عادت تھی کہ وہ لوند کے حساب سے دن گھٹا بڑھا دیتے تھے جس سال حضور صلعم نے حج فرمایا تو حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا "آج زمانہ اپنی اصل ہیئت پر آ گیا ہے" اس بنا پر محدثین اور اہل سیر نے یہ بات پیدا کی ہے واللہ اعلم۔

حضور صلعم کے پہریدار

ان میں سے حضرت سعد بن معاذ رضؓ ہیں جنھوں نے جنگ بدر میں اس وقت چوکیداری کے فرائض انجام دیئے تھے جس وقت حضور صلعم کو عریش (جھونپڑی) میں دعا مانگتے ہوئے اونگھ آگئی تھی۔ غزوہ احد میں محمد بن مسلمہ رضؓ اور حضرت زبیر بن عوام رضؓ نے غزوہ خندق میں نگرانی کے فرائض انجام دیئے ان کے ساتھ حضرت عباد بن بشر رضؓ بھی تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ رضؓ نے بھی وقتاً فوقتاً نگرانی کے فرائض انجام دیئے جس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

واللہ یعصمک من الناس — اللہ تعالیٰ آپکی لوگوں سے حفاظت فرمائیگا

تو آپ نے لوگوں کو اس کی اطلاع دی اور محافظت کا کام بند کرا دیا۔

دوسرے عہدیدار

ان کے علاوہ وہ حضرات جن کے سپرد سزائے قصاص دینے کی خدمت تھی ان میں حضرت علی رضؓ، حضرت زبیر بن عوام رضؓ، حضرت مقداد بن عمرو رضؓ حضرت محمد بن مسلمہ رضؓ حضرت عاصم بن ثابت رضؓ حضرت ضحاک بن سفیان رضؓ تھے اور حضرت سعد بن عبادہ انصاری کے سپرد کوڑے لگانے کی خدمت تھے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ جنگ حدیبیہ میں آپ کی پس پشت کھڑے ہو کر ننگی تلوار لیکر پہرہ دے رہے تھے۔

امور خانہ داری کے منتظم

حضرت بلال رضؓ کے ذمہ گھر والوں کے خورد نوش کا انتظام تھا، حضرت معیقیب بن فاطمہ مہر کے نگراں اور منتظم تھے۔ یعنی مہر والی انگوٹھی ان کے پاس رہتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے ذمہ مسواک، جوتے وغیرہ کی خدمات تھیں۔ ان کے علاوہ حضرت رباح الاسود اور حضرت انیسہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو موسیٰ اشعری کے ذمہ بھی کچھ خدمات تھیں۔

حضور صلعم کے شعراء اور خطباء

حضور صلعم کے وہ شعراء جو اسلام کا دفاع کرتے اور دشمنان اسلام کو دندان شکن جواب دیا کرتے۔ حضرت کعب بن مالک رضؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ، حضرت حسان بن ثابت رضؓ ہیں اور حضرت حسان بن ثابت اور حضرت کعب بن مالک تو اس معاملہ میں بہت سخت تھے۔ کافروں کو کفر اور شرک پر عار دلایا کرتے تھے۔ اور حضور صلعم کے خطیب حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضؓ تھے۔

حضور صلعم کے حدی خواں

ان حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ حضرت انجشہ رضؓ حضرت عامر بن الاکوع رضؓ

حضرت مسلمہ بن الاکوع، صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلعم کے حدی خواں نہایت خوش الحان تھے ایک سفر میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

رویدک یا انجشة	انجشہ ذرا ٹھہر کر کہیں
لا تکسر القواریر	آبگینے نہ ٹوٹ جائیں

اس سے مراد عورتیں تھیں کیونکہ وہ زیادہ ضعیف القلب ہوتی ہیں اور جلدی سے متاثر ہو جاتی ہیں۔

غزوات، سرایا

آپ کے غزوات یعنی فوجی سرگرمیوں کی ابتدا مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد ہوئی، چنانچہ دس سال کی مدت میں آپ کے غزوات کی تعداد ستائیس ہے اور پچیس اور انتیس کی روایات بھی موجود ہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی روایات ہیں۔ مگر جنگ کی نوبت ساتھ غزوات میں آئی۔ یعنی بدر، احد، خندق، بنی قریظہ، بنی المصطلق، خیبر، فتح، حنین، طائف، کہا گیا ہے کہ بنی نضیر، الغابہ اور وادی القریٰ میں بھی جنگ کی نوبت آئی۔

ان کے علاوہ سرایا اور چھوٹے چھوٹے حملے تو ان کی تعداد ساٹھ بتلائی جاتی ہے اور بڑی جنگیں صرف سات ہوئیں یعنی بدر، احد، خندق، خیبر، فتح، حنین، تبوک، ان غزوات کے متعلق قرآن پاک بھی نازل ہوا یعنی اس میں بھی ان کا تذکرہ ہے۔

سورۂ انفال کی آیات غزوہ بدر، اور سورہ آل عمران کی آخری آیتیں غزوہ احد کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہ آیتیں

واذ غدوت من اهلك	جب آپ سویرے مدینہ منورہ سے باہر آئے
تبوی المومنین مقاعد للقتال	اور آپ نے مومنین کو مورچوں پر مقرر کیا

سے لیکر ختم سورۃ کے کچھ پہلے تک ہیں۔ اور غزوہ خندق، اور بنی قریظہ، خیبر کے متعلق سورہ احزاب کی شروع کی آیتیں ہیں۔ اور سورہ حشر میں بنی نضیر کا تذکرہ ہے اور سورۂ فتح میں خیبر اور حدیبیہ کا ذکر ہے۔ اس سورت میں صرف فتح کی طرف اشارہ ہی کیا ہے لیکن اسکی صراحت سورۂ نصر میں ہے۔

حضور صلعم صرف ایک غزوہ احد میں زخمی ہوئے اور آپ کے ساتھ فرشتوں نے غزوہ بدر اور حنین میں جنگ کی۔ غزوہ خندق میں فرشتے نازل ہوئے لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ فرشتوں کو دیکھ کر کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ اور اس غزوہ میں فرشتوں نے کافروں کے منہ پر پتھر مارے تھے۔

غزوہ بدر و حنین میں حضور صلعم کو نہایت شاندار فتح حاصل ہوئی تھی۔ غزوہ طائف میں آپنے منجنیق بھی استعمال کی۔ اور غزوہ احزاب میں حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے خندق کھود کر دفاع کیا گیا تھا۔

چھٹا باب

جنگی سامان اور املاک رسول صلعم

حضور صلعم کے ہتھیار

حضور صلعم کے پاس نو تلواریں تھیں۔ ماثور۔ یہ سب سے پہلی تلوار ہے جو آپ کو ترکہ پدری میں ملی تھی۔ عضب۔ ذوالفقار (ف کا کسرہ ق کا فتح) اس کو آپ اپنے پاس سے جدا نہیں کرتے تھے۔ اس تلوار کا دستہ اور دوسری چیزیں (نیام) چاندی کے تھے۔ یہ تلوار آپ کو غزوہ بدر میں ملی تھی۔ اسی تلوار کو آپ نے خواب میں دیکھا تھا۔ جب آپ فتح مکہ کے دن مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپ کی تلوار پر چاندی سونے کا کام تھا۔

آپ کی ذرہ کی تعداد سات ہے جن کے نام یہ ہیں ذات الفضول۔ یہ وہی ذرہ ہے جو آپ نے ابی شحم یہودی کے یہاں تین صاع جو کے عیوض رہن رکھی تھی۔ یہ قرض آپ نے ایک سال کی مدت کیلئے لیا تھا۔ اس کے علاوہ دوسری ذرہوں کے نام یہ ہیں۔ ذات الوشاح، ذات الحواشی، السعدیہ فضہ، البتر، الخرنق۔

آپ کے پاس چھ کمانیں تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ الزورار، الروحا، الصغرا، البیضا، الکتوم، موخرالذکر کمان غزوہ احد میں ٹوٹ گئی تھی۔ اس کو حضرت قتادہ بن نعمان رضو اور حضرت شداد رضو نے لے لیا تھا (غالباً مرمت کے لئے لیا تھا)

حضور صلعم کے پاس تیر رکھنے کیلئے ایک تھیلی (ترکش) تھی جسکا نام کافور تھا۔ آپکے پاس ایک جنگی پٹکا تھا جسمیں تین کڑے چاندی کے لٹکے ہوئے تھے۔ یہی بعض حضرات کی تحقیق ہے لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے کہ لم یبلغنا ان النبی صلعم شد علی وسطہ منطقۃ ہمیں یہ روایت نہیں ملی کہ حضور صلعم نے کبھی اپنی کمر میں پٹکا باندھا ہے۔

آپ کے پاس زلوق اور فتق نام کی ڈھال بھی تھی کہا گیا ہے کہ ایک ڈھال پر ایک تصویر بنی ہوئی تھی آپ نے اس پر ہاتھ رکھدیا تو وہ ختم ہوگئی تھی۔

آپ کے پاس پانچ نیزے تھے، جن میں سے ایک کا نام المثوی اور دوسرے کا المثنی تھا۔ آپ کے پاس ایک چھوٹا خنجر تھا جس کا نام النبعہ تھا اور دوسرا اس سے بڑا تھا اس کا نام البیضا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور خنجر تھا جو بہت چھوٹا اور عکاز[1] کی شکل کا تھا جس کو غمرہ کہا جاتا تھا۔ عید کے موقعوں پر حضور صلعم کے آگے آگے لیکر اسے چلا کرتے تھے۔ جس کو سترہ کی جگہ آگے گاڑ دیا جاتا تھا۔ اور کبھی کبھی آپ اسے خود بھی ساتھ لیکر باہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

آپ کے پاس لوہے کی دو جنگی ٹوپیاں (خود) تھیں ان میں سے ایک کا نام الموشح تھا اور دوسری کا نام المسبوغ یا ذو المسبوغ تھا۔

اور آپ کے پاس تین جُبے تھے جنھیں آپ جہاد کے موقعوں پر پہنا کرتے تھے اور یہ بھی روایت ہے کہ ان میں ایک جبہ تھا جس میں سبز ریشم کے تار تھے۔ اور مشہور یہ ہے کہ حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ نے اسکو تیار کیا تھا۔ اس کا تانا دیباج کا تھا اور بانا سبز ریشم کا تھا۔ اس کو آپ جنگی موقعوں پر پہنا کرتے تھے۔

امام احمد کی ایک روایت کی بنا پر

یجوز لبس الحریر فی الحرب — جنگ میں ریشم پہننا جائز ہے[2]

آپ کے پاس ایک سیاہ رنگ کا جھنڈا تھا جس کو عقاب کہا جاتا تھا۔ لیکن سنن ابی داؤد میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے یہ روایت منقول ہے کہ

رایت رایتہ رسول اللہ صلعم صفراء — میں نے حضور صلعم کا جھنڈا دیکھا ہے وہ زرد تھا۔[3]

لیکن آپ بسا اوقات سیاہ جھنڈا استعمال فرمایا کرتے تھے۔

آپ کے پاس ایک خیمہ بھی تھا جس کا نام الکن تھا۔ آپ کے پاس قدرے ایک گز لانبی چھڑی بھی تھی جس کو لیکر آپ چلا کرتے تھے اور اس کے سہارے اونٹ پر سوار بھی ہوا کرتے تھے۔ اور اس کو اونٹ پر لٹکا لیتے تھے۔ اور آپ کے پاس عرجون نام کا ایک مخصرۃ (تکیہ لگانے کے لئے ڈنڈے کی طرح بھی تھا۔ اور ممشوق نام کی ایک لاٹھی بھی تھی۔ یہ لاٹھی خلفاء عباسیہ تک منتقل ہوتی رہی۔ آپ کے پاس چار پیالے تھے ایک کا نام ریان اور مغنی تھا۔ ایک کا نام مضبب تھا اس میں چاندی کی زنجیر لٹکی رہتی تھی۔ ایک پیالہ

---

[1] وہ ڈنڈا جسکے نیچے پھل لگا ہو۔ مصباح اللغات صفحہ ۵۳۶۔ [2] علامہ شامی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے ردالمحتار صفحہ ۲۴۲ ج ۵
[3] غالباً جمعیۃ العلماء ہند نے اپنا جھنڈا اسی حدیث کے ماتحت مقرر کیا ہے۔

شیشے کا تھا اور ایک پیالہ لکڑی کا تھا۔ یہ پیالہ رات کو آپ کی آرام گاہ میں آپ کے تخت کے قریب رکھدیا جاتا تھا اس میں آپ پیشاب فرمایا کرتے تھے۔

آپ کے پاس صادر نام کا ایک مشکیزہ بھی تھا اور پتھر کا ایک بڑا برتن تھا جس سے آپ وضو فرمایا کرتے تھے۔ اور کپڑے دھونے کا ایک بڑا برتن بھی تھا۔ اور ایک برتن ہاتھ دھونے کا تھا۔ اور ایک تیل کی شیشی اور اور ایک تھیلی کہ جس میں آپ آئینہ اور کنگھی رکھتے تھے۔ آپ کی کنگھی ساگون کی لکڑی کی تھی۔ ایک سرمہ دانی تھی آپ روزانہ سوتے وقت ہر ایک آنکھ میں تین سلائی سرمہ لگایا کرتے تھے۔ یہ سرمہ اثمد ہوتا تھا۔ آپ کی تھیلی میں دو قینچیاں اور ایک مسواک بھی ہوتی تھی۔

آپ کے پاس ایک بڑا لگن بھی تھا۔ اس کو چار آدمی پکڑ کر اٹھاتے تھے۔ اس میں چار کڑے لگے ہوئے تھے۔ آپ کے پاس ایک صاع اور ایک مُد بھی تھا۔ آپ کے پاس ایک چادر اور ایک تخت تھا۔ اس کے پائے ساگون کی لکڑی کے تھے۔ جن کو حضرت اسعد بن زرارہ رضؓ نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آپ کے پاس چمڑے کا ایک بچھونا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری رہتی تھی۔

اس تمام سامان کو میں نے متفرق احادیث سے اخذ کیا ہے۔ علامہ طبرانی نے اپنی معجم میں ایک جامع حدیث آپ کے برتنوں کے متعلق نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم کے پاس ایک تلوار (جس کا دستہ چاندی کا تھا اور اس کے ارد گرد بھی چاندی کا کام ہو رہا تھا) تھی اسکا نام ذوالفقار تھا۔ آپ کے پاس ایک کمان تھی جس کا نام داد تھا۔ ایک ترکش تھا۔ ایک ذرہ تھی جس پر تانبے کا کام ہو رہا تھا اس کا نام ذات الفضول تھا۔ ایک نیزہ تھا جس کا نام بعا تھا۔ ایک چھڑی تھی جس کا نام ذقن تھا۔ ایک ڈھال تھی جس کا نام موجز تھا۔ ایک مٹیالہ رنگ کا گھوڑا تھا جس کا نام کسب تھا۔ ایک زین تھی جس کا نام داج تھا۔ ایک خچر تھا جس کا نام دلدل تھا۔ ایک اونٹنی تھی جس کا نام قصوا تھا۔ اور ایک گدھا تھا۔ جس کا نام یعفور تھا۔ ایک بچھونا تھا جس کا نام کرد تھا۔ ایک بکری تھی جس کا نام قمر تھا۔ ایک پیالہ تھا جس کا نام صادر تھا۔ ایک قینچی تھی جس کا نام جامع تھا۔ ایک آئینہ تھا۔ ایک لاٹھی جس کا نام موت تھا۔ یہ آپ کا سامان تھا۔[1]

حضور صلعم کے جانور

حضور صلعم کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام الکسب تھا۔ یہ سب سے پہلا گھوڑا ہے کہ جس کے آپ مالک ہوئے۔ آپ نے جس اعرابی سے اس کو دس اوقیہ میں خریدا تھا اس کے یہاں اس گھوڑے کا نام الضرس تھا۔ اس گھوڑے کی سفید پیشانی

---

[1] یہاں تک معجم طبرانی کی روایت ہے۔

چھریرہ جسم اور رنگ سیاہی مائل تھا یہ بھی روایت ہے کہ اس کا رنگ مٹیالہ تھا مگر اس میں زیادہ فرق نہیں ہر راوی کو جیسا ..... محسوس ہوا ویسا ہی رنگ اس نے بیان کردیا)

آپ کے پاس ایک گھوڑا اور تھا جس کا نام مرتجز تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا اس کی گواہی حضرت خزیمہ بن ثابت رضؓ نے دی ہے[له]

ان کے علاوہ آپ کے یہ گھوڑے اور تھے لزاز، لحیف، الضرب، سبحۃ، الورد، ان سات گھوڑوں پر سب کا اتفاق ہے۔ ان ساتوں کے اسماء عبداللہ بن اسحاق ابن جماعۃ الشافعی نے ایک بیت میں اس طرح ذکر فرمائے ہیں۔

والخیل سکب لحیف سبحۃ ظرب لزاز مرتجز وردلھا اسرار[له]

علامہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن اسحٰق کے اس شعر کو مجھے ان کے بیٹے امام عزالدین (اللہ تعالیٰ انکی طاعت کو عزت بخشے) نے سنایا۔

یہ بھی روایت ہے کہ آپ کے پاس پندرہ گھوڑے اور بھی تھے لیکن اس روایت میں کافی اختلاف ہے۔ حضور صلعم کے پاس جو زین تھی اس میں بھی کھجور کی چھال بھری رہتی تھی۔

آپ کے پاس ایک خچر تھا جس کا نام دلدل تھا اس کو شاہ مقوقس نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا۔ ایک اور خچر تھا جس کا نام فضہ تھا۔ اس کو فروہ جذامی نے ہدیہ میں پیش کیا تھا۔ ایک خچر آپ کو ایلہ کے حاکم اور ایک خچر دومۃ الجندل کے حاکم نے پیش کیا تھا یہ بھی روایت ہے کہ حبشہ کے

شہادت حضرت خزیمہ له | واقعہ یہ ہے کہ حضور صلعم نے یہ گھوڑا ایک اعرابی سے خریدا تھا جب حضور صلعم نے اس گھوڑے کو قبضہ میں لینا چاہا تو وہ اعرابی منکر ہوگیا۔ تب حضور صلعم نے فرمایا کہ کون گواہی دیگا تو حضرت خزیمہ بن ثابت نے گواہی دی کہ یہ گھوڑا آپ نے خریدا ہے اس پر حضور صلعم نے حضرت خزیمہ بن ثابت سے فرمایا

ماحملك على الشهادة ولم يكن حاضرًا — جب تم اس وقت موجود نہیں تھے تو گواہی کیسے دی

فقال صدقتك بما جئت به — عرض کیا چونکہ آپ جو کچھ لائے ہیں میں اسکی تصدیق کرچکا ہوں یعنی آپ پر ایمان لاچکا ہوں۔

رواہ بخاری

یہ سنکر حضور صلعم نے حضرت خزیمہ بن ثابت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ ان کی گواہی دو گواہوں کے برابر شمار کیجاتی تھی۔ حضور صلعم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

من شهد له خزيمة اوشهد عليه فحسبه (ن ئ) — جس کی خزیمہ گواہی دے یا جو خزیمہ کی گواہی دے بس وہی کافی ہے۔

اسی واقعہ کے شان نزول میں یہ آیت نازل ہوئی۔

رجال صدقوا ما عاهدوا الله — کچھ آدمی ایسے ہیں جوانہوں نے اللہ سے عہد باندھا ہے اس کو سچ کر دکھاتے ہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیے شرح مواہب ص۳۸۵ ج۳

له غالباً مذکورہ واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شاہ نجاشی نے بھی آپ کو ایک خچر ہدیہ میں دیا تھا۔

آپ کے پاس ایک سفید گدھا تھا اس کا نام یعفور تھا اس کو شاہ مقوقس نے ہدیہ میں دیا تھا ایک گدھا فروہ جذامی نے پیش کیا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو ایک گدھا نذر کیا تھا۔

آپ کے پاس ایک اونٹنی بھی تھی جس کا نام قصوا تھا اسی پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی تھی۔ ایک اونٹنی عضبا اور ایک جدعا نامی بھی تھی۔ حالانکہ ان کے ناک کان نہ کٹے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود یہ اسی نام سے مشہور ہو گئیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ ایک کا کان کٹا ہوا تھا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی اونٹنی کے ہیں بہر حال اس میں اختلاف ہے۔

عضبا کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ اس سے کبھی کوئی آگے نہ نکل سکا۔ اتفاق سے ایک اعرابی کی اونٹنی دوڑ میں اس سے آگے نکل گئی تو مسلمانوں کو اس سے بہت دکھ ہوا۔ تب حضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔

ان حقا علی اللہ ان لا یرفع من الدنیا شیاء الا وضعہ — اللہ کا یہ قانون ہے کہ دنیا کی جو چیز سربلندی اختیار کرتی ہے اللہ تعالیٰ اسکو پستی دکھاتا ہے۔

حضور صلعم کو غزوہ بدر کے مال غنیمت میں ایک اونٹ جس کا نام مہرب تھا۔ ملا یہ ابو جہل کا اونٹ تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کی ایک نتھ پڑی ہوئی تھی۔ حدیبیہ کی صلح کے موقع پر مشرکین کو غصہ دلانے کے لئے اس کو آپ نے ہدیہ کر دیا تھا۔

آپ کے پاس پینتالیس جوان اونٹنیاں اور بھی تھیں۔ ایک اونٹنی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی بطور ہدیہ پیش کی تھی۔ آپ کے پاس سو بکریاں تھیں۔ آپ ان میں اضافہ کو پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ جب کوئی بچہ ان بکریوں کے پیدا ہوتا تو آپ ان بکریوں میں سے اس کے بدلہ ذبح کر دیتے تھے آپ کے پاس سات بکریاں پہاڑی نسل کی تھیں جن کو حضرت ام ایمن چرایا کرتی تھیں۔

حضور صلعم کا لباس

آپ کے پاس ایک عمامہ تھا جس کا نام سحاب تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسے باندھا ہے۔ حضور صلعم عمامہ کے نیچے ٹوپی بھی اوڑھتے تھے اور ٹوپی بغیر عمامہ کے بھی اوڑھتے تھے اور عمامہ بغیر ٹوپی کے بھی باندھتے تھے[1]۔ جب آپ عمامہ باندھتے تو اسکے

---

[1] عمامہ کا بیان

اس جگہ علامہ نے عمامہ کے متعلق حضور صلعم کے تین عمل نقل کئے۔ ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھا یہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے اسکے علاوہ دو روائتیں بلا ٹوپی کے عمامہ باندھنا اور ٹوپی بلا عمامے کے اوڑھنا اس کے متعلق ذرا تفصیل ہے۔ ابو داؤد کی روایت ہے۔

قال رکانۃ سمعت النبی صلعم — رکانہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلعم سے سنا ہے کہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

دونوں سرے دونوں کاندھوں کی طرف لٹکا لیتے تھے۔ جیسا کہ امام مسلم نے عمرو بن حریث کی روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

رایت رسول اللہ صلعم علی المنبر وعلیہ عمامۃ سوداء قد ارخی طرفیھا بین کتفیھا	میں نے رسول اللہ صلعم کو منبر پر دیکھا ہے آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے اس کی دونوں جانب دونوں کاندھوں پر لٹکی تھیں

مسلم شریف میں ایک دوسری روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ کی ہے۔

ان رسول اللہ صلعم دخل مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء	آپ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔

اس حدیث میں پلو لٹکانے کا ذکر نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پلو لٹکانا آپ کی ہمیشہ کی عادت نہیں تھی، یہ بھی روایت ہے کہ آپ مکہ معظمہ میں فتح مکہ کے دن جنگی ہیئت میں جنگی ٹوپی اوڑھے ہوئے

گذشتہ سے پیوستہ

یقول فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس	ہمارے اور مشرکین کے عماموں کے درمیان فرق عمامے ٹوپیوں پر باندھنا ہے یعنی ہم ٹوپیوں پر عمامے باندھتے ہیں اور وہ ایسا نہیں کرتے۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امام موصوف کے نزدیک اس حدیث کی سند میں کلام نہیں ہے۔ اگرچہ امام ترمذی اس حدیث کو فرماتے ہیں۔ ھذا حدیث حسن غریب اسنادہ لیس بقائم۔ غالباً اسی روایت کو علامہ ابن قیم نے اختیار کیا ہے لیکن عالم اسلام کے علما اور صلحا کا عمل ابی داؤد کی حدیث کے مطابق رہا ہے اور ہے۔ صاحب بذل المجہود نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم کے پاس تین ٹوپیاں تھیں جس سے اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ ایک ٹوپی آپ رات کو استعمال کرتے تھے۔ اس کے متعلق شمائل ترمذی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹوپی تیل کے استعمال کی وجہ سے ایسی معلوم ہوتی تھی جیسی چمڑے کی۔

علامہ نے پہلے دو قول جو نقل کئے ہیں وہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ کی حدیث کے مطابق ہیں لیکن تیسرے قول کے بارے میں ملا علی قاری نے بیان فرمایا ہے۔

لبس القلنسوۃ بغیر العمامۃ زی المشرکین	ٹوپی بغیر عمامے کے اوڑھنا مشرکین کی ہیئت ہے۔

ملا علی قاری نے مذکورہ دونوں حدیثوں کو ملا کر ایک نتیجہ نکالا ہے جو صرف قیاس کے درجہ میں ہو سکتا ہے جس کے پیچھے کوئی نص نہیں ہے یا ملا علی قاری صاحب نے اس وقت کی معاشرت کو ذکر کیا ہو لیکن ہندوستانی علما اور صلحا نے تو کبھی بھی اسکو ایسا نہیں سمجھا ہے چنانچہ گرمیوں کے دنوں میں علما اور صلحا کا یہی عمل ہے کہ وہ صرف ٹوپی اوڑھتے ہیں اسمیں شک نہیں کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ فضیلت منقول ہے حضور صلعم کے عمامہ کی مقدار کے متعلق کوئی فیصلہ کن بات منقول نہیں ہے علامہ جزری نے تو تصحیح مصابیح میں یہانتک کہدیا کہ میں نے سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں بہت تلاش کیا لیکن مجھے اسکی صحیح مقدار نہ معلوم ہو سکی۔ ملاحظہ فرمائیے (بذل المجہود صـ۹۲ ج۵، مرقات جـ۴ صـ۲۱۴، زرقانی شرح مواہب صـ۲ ج ۵۔

داخل ہوئے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ نے پلو لٹکانے کے متعلق ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضور صلعم نے مدینہ منورہ میں ایک خواب میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کی زیارت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے دریافت فرمایا

یا محمد فیما یختصم الملاء الاعلیٰ قلت لا ادری فوضع یدہٗ بین کتفی فعلمت ما بین السماء والارض۔	اے محمد (صلعم) فرشتے کس بارے میں جھگڑ رہے ہیں عرض کیا مجھے معلوم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھدیا جس کی وجہ سے آسمان اور زمین کے تمام حالات مجھے معلوم ہوگئے۔

یہ حدیث ترمذی میں ہے۔ جب امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق معلوم کیا گیا تو فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ اس وجہ سے پلو لٹکائے رہتے تھے۔ یہ وہ بات ہے کہ جسکا انکار جہال ہی کی زبانیں اور قلوب کر سکتے ہیں لیکن حضور صلعم کے عمامہ کی طرح دوسروں کیلئے پلو لٹکانے میں فائدہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔

حضور صلعم نے قمیص بھی پہنا۔ یہ آپ کو بہت پسند تھا اس کی آستین پہونچوں تک تھیں۔ آپ نے جبہ اور فروج بھی پہنا یہ قبا کے زیادہ مشابہ تھا۔ آپ سفر میں تنگ آستین کا جبہ پہنتے تھے۔ آپ تہبند اور چادر بھی استعمال فرماتے تھے۔ علامہ واقدی فرماتے ہیں آپ کی چادر کا طول چھ ذراع اور چوڑائی تین ذراع اور ایک بالشت تھی۔ آپ کا تہبند عمانی سوت کا بنا ہوا تھا جس کا طول چار ذراع اور ایک بالشت تھا۔ اور چوڑائی دو ذراع ایک بالشت تھی۔

آپ نے سرخ لباس بھی پہنا ہے۔ اس میں ایک چادر اور ایک تہبند داخل ہے اسی کو حلّہ کہا جاتا ہے۔ انھوں نے غلط سمجھا ہے جنھوں نے سرخ حلّہ سے گہرا سرخ رنگ مراد لیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ یہ حلہ یمن کا بنا ہوا تھا اس میں سرخ اور سیاہ خطوط تھے جس کی وجہ سے دیکھنے والا سرخ سمجھتا تھا حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ بہرحال ان سرخ دھاریوں کی وجہ سے اس کو سرخ حلہ بولا جاتا تھا جہاں تک گہرے سرخ رنگ کا تعلق ہے تو یہ اسلام میں شدت کے ساتھ ممنوع ہے چنانچہ بخاری شریف میں حدیث موجود ہے۔

ان النبی صلعم نھی عن المیاثر الحمر	آپ نے سرخ کپڑا پہننے سے منع فرمایا ہے۔

سنن ابی داؤد میں حدیث شریف ہے جس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضہ نے روایت کیا ہے۔

ان النبی صلعم رای علیہ ریطہ مضربتہ بالعصفر فقال ماھذہ الریطۃ التی علیک فعرفت ماکرہ فاتیت اھلی وھم یسجرون تنوراً فقذفتھا فیھا ثم اتتیہ من الغد فقال یا عبداللہ ما فعلت الریطۃ فاخبرتہ فقال ھلا کسوتھا بعض اھلک فانہ لا باس بھا للنساء

آپ نے مجھے زعفرانی رنگ سے رنگی ہوئی چادر اوڑھے دیکھ کر فرمایا یہ کیسی چادر اوڑھی ہے، میں نے اس بات سے آپ کی ناپسندیدگی کو محسوس کر لیا۔ چنانچہ میں گھر میں آیا تو اسوقت ہمارے یہاں چولہا جل رہا تھا میں نے وہ چادر چولہے میں جلادی۔ جب اگلے دن... حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے دریافت کیا وہ چادر کیا کی۔ میں نے سب واقعہ آپ کو بتلا دیا، تب آپ نے فرمایا اپنی کسی گھر والے کو دیدیا ہوتا اسلئے کہ عورتوں کیلئے اس رنگ کو استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

ان ہی کی مسلم شریف میں ایک روایت اور ہے

رای النبی صلعم علی ثوبین معصفرین فقال ان ھذا من لباس الکفار لا تلبسھا

آپ نے مجھے دو زعفرانی کپڑے پہنے دیکھ کر فرمایا یہ کافروں کا لباس ہے ان کو مت پہنو۔

مسلم شریف میں ایک روایت حضرت علی رضہ سے منقول ہے۔

نھی النبی صلعم عن اللباس المعصفر

آپ نے زعفرانی رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ سرخ رنگ سے ہی رنگے جاتے ہیں۔ حدیث کی بعض کتابوں میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ حضرات صحابہ رضہ کسی سفر میں حضور صلعم کے ساتھ تھے۔ آپ نے سواریوں کے اوپر سرخ رنگ کی چادریں پڑی دیکھ کر فرمایا میں تمہاری سواریوں پر اب سے یہ سرخی نہ دیکھوں چنانچہ ہم اتنی جلدی سے اٹھے کہ ہماری بعض سواریاں بھی بدک گئیں۔ بہرحال ہم نے ان چادروں کو اتار دیا۔ اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ بہرحال سرخ رنگ کے کپڑے کے جواز میں کلام ہے۔ لہٰذا جب سرخ رنگ میں اتنی بڑی کراہت ہے تو آپ نے اس کو استعمال نہیں کیا، رہا سرخ حلہ کا معاملہ سو یہ صرف لفظی فرق ہے۔ (ورنہ وہ تو دھاری دار کپڑا تھا)

آپ نے نشان والا کپڑا بھی پہنا ہے اور بالکل سادہ بھی۔ اور آپ نے کالا کپڑا بھی پہنا ہے

امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ دونوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ

ان ملک الروم اهدیٰ الی النبی صلعم مستقة من سندس فلبسها فکانی انظر الی یدیه یذبذبان

حضور صلعم کی خدمت میں روم کے بادشاہ نے سندس کا ایک قیمتی جبہ ہدیہ بھیجا آپ نے اسکو پہنا گویا اب بھی مجھے آپ کے ہاتھ اس سے باہر نکلے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔

اصمعی فرماتے ہیں وہ جبہ لبادہ کی طرح تھا جسکی آستین بہت لمبی ہوتی ہیں[1]۔ خطابی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس جبہ پر ریشم کا کام ہو ورنہ عام طور سے لبادہ ریشم کا نہیں ہوتا۔

حضور صلعم نے پائجامہ خریدا

ظاہر یہ ہے کہ آپ نے پائجامہ پہننے ہی کی غرض سے خریدا ہوگا۔ ایک روایت میں تو یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے پائجامہ پہنا اور حضرات صحابہ رضؓ تو آپ کی اجازت سے پائجامہ پہنا ہی کرتے تھے۔

آپ نے خفین بھی پہنے۔ آپ جوتا بھی پہنتے تھے۔ آپ کے جوتے کا نام تاسومہ تھا۔ آپ نے انگوٹھی بھی پہنی لیکن اس میں اختلاف ہے کہ داہنے ہاتھ میں پہنی یا بائیں ہاتھ میں۔ ہاں احادیث اپنی جگہ سب کی سب صحیح اسناد کی ہیں۔ آپ نے جنگی ٹوپی بھی اوڑھی جس کا نام خود تھا۔ اور آپ نے ذرہ بھی زیب تن فرمایا۔ آپ کی ذرہ کا نام زادیہ تھا۔ آپ احد کے دن دو ذرہ زیب تن کئے ہوئے تھے۔

صحیح مسلم میں روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضؓ فرماتی ہیں یہ حضور صلعم کا جبہ ہے اور حضرت اسماءؓ نے ایک جبہ نکال کر دکھایا جو ریشم کی طرح نرم تھا اور اس میں ریشم کا کام بھی ہو رہا تھا۔ فرماتی ہیں کہ یہ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس تھا۔ ان کے انتقال کے بعد اس کو میں نے لے لیا حضور صلعم اسکو پہنا کرتے تھے۔ اور اب میں اسکو دھوکر مریضوں کو پلاتی ہوں اور انکو صحت ہو جاتی ہے۔

آپ کے پاس دو چادریں تھیں۔ ان کا رنگ سبز تھا۔ اور آپ کے پاس ایک سیاہ کمبل اور ایک سرخ کمبل تھا۔ اور آپ سوت کی قمیص پہنا کرتے تھے۔ اس کی لمبائی بھی کم تھی اور آستینیں بھی کم لمبی تھیں لیکن یہ لمبی لمبی آستینیں نہ آپ نے پہنیں اور نہ حضرات صحابہ رضؓ نے بلکہ یہ تو سنت کے مخالف ہے اور اس کے جواز میں بھی کلام ہے کیونکہ اس میں ایک قسم کا تکبر ہے۔

آپ کو لباس میں قمیص بہت زیادہ پسند تھی اور چادر بھی بہت محبوب تھی انہیں خفیف سی سرخی ہوتی تھی۔ اور آپ کو سفید رنگ بہت پسند تھا۔ آپ نے فرمایا

---

[1] اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ لمبی آستین ہونے کے باوجود آپ اپنے دست مبارک کو آستین سے باہر نکالے رکھتے تھے۔

هي من خير ثيابكم فالبسوها و — سفید کپڑا تمہارا بہترین لباس ہے اسکو پہنو

اکفنوا فيها موتاكم — اور اپنے مردوں کو بھی سفید کفن دو۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے ایک کمبل اور ایک موٹی چادر نکال کر دکھائی اور فرمایا حضور صلعم کا ان دو کپڑوں میں وصال ہوا ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ سونے کی انگوٹھی بھی پہنی پھر اس کو پھینک دیا اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع بھی فرمایا۔ پھر آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی۔ اور اس کے پہننے سے منع نہیں فرمایا لیکن ابوداؤد کی روایت

ان النبي صلعم نهى عن — حضور صلعم نے چند چیزوں کے متعلق منع فرمایا ہے

اشياء وذكر منها نهى عن لبوس — ان میں سے انگوٹھی پہننے کو بھی منع فرمایا۔ ہاں

الخاتم الالذى سلطان. — حاکم کو اسکی اجازت دی ہے۔

لیکن مجھے اس حدیث کا حال معلوم نہیں ہے۔ آپ اپنی انگوٹھی کا نگینہ اندر کی طرف یعنی ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے۔ ترمذی نے روایت نقل کی ہے کہ جب آپ بیت الخلا میں داخل ہوتے تو انگوٹھی کو اتار دیتے تھے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن ابوداؤد نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔[۲]

جہاں تک طیلسان کا معاملہ ہے (یہ سبز رنگ کی بڑی چادر ہوتی تھی جس کو عجمی پہنا کرتے تھے) آپ سے منقول نہیں کہ آپ نے اس کو پہنا ہے اور نہ آپ کے صحابہ نے اس کو پہنا بلکہ صحیح مسلم میں تو حدیث نواس بن سمعان ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ نے ایک دن دجال کا ذکر کیا اور فرمایا۔

يخرج معه سبعون الفا من يهود — کہ اس کے ساتھ ستر ہزار اصبہان کے یہود

اصبهان عليهم الطيالسة — ہونگے اور وہ سبز چادریں اوڑھے ہونگے

حضرت انس رضؓ نے ایک جماعت دیکھی جو سبز چادریں اوڑھے تھی فرمایا یہ کس قدر ..... یہودیوں سے مشابہ ہیں اسی وجہ سے سلف اور خلف نے سبز چادروں کا اوڑھنا مکروہ سمجھا ہے۔ اور چونکہ ابوداؤد اور مستدرک میں حضرت ابن عمر رضؓ کی حدیث ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا

من تشبه بقوم فهو منهم — جس نے کسی دوسری قوم کا چلن اختیار کیا وہ انہیں سے ہے

امام ترمذی نے بھی ایک روایت نقل کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کسی دوسری قوم کا

---

[۱] علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ ابن شہاب کا وہم ہے۔ بذل ص۸۲ ج ۵۔ مرقات ص۲۴۲ ج ۱ علامہ شامی نے رد المحتار ص۲۵۲ میں طویل بحث کرنے کے بعد اسی کو ترجیح دی ہے اگرچہ ترک اولی ہے مگر جائز ہے [۲] لیکن فقہا اور علماء نے ترمذی ہی کی حدیث پر عمل کیا ہے اسکو مکروہ قرار دیا ہے کہ ایسی انگوٹھی یا بٹن پہنکر بیت الخلاء جائیں کہ ان پر اللہ یا اسکے رسول کا نام کندہ ہو [۳] غالباً اسوجہ سے کہ یہ رنگ عورتوں کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

چلن اختیار کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے لیکن ہجرت والی حدیث میں آیا ہے کہ

جاء الی ابی بکر متقنعا بالھاجرۃ حضور صلعم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں سر اور منہ ڈھانپ کر آئے۔

تو حضور صلعم نے یہ فعل اس وجہ سے کیا تاکہ کافروں سے پوشیدہ رہیں اور اس میں ضرورت بھی تھی، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ اکثر سر اور منہ چھپائے رکھتے تھے مگر ایسا دھوپ اور گرمی کی وجہ سے کرتے ہوں گے پھر تقنع طیلسان کی طرح نہیں ہے۔ جس سے مشابہت لازم آئے۔

حضور صلعم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا لباس

حضور صلعم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اکثر سوتی لباس زیب تن فرماتے تھے بعض دفعہ اون اور کتان کا لباس بھی پہنتے تھے۔ شیخ ابو اسحاق اصبہانی نے صحیح سند کے ساتھ جابر بن ایوب سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ صلت بن راشد محمد بن سیرین کے پاس اونی جبہ اور اونی تہبند اور اونی عمامہ پہنے ہوئے آئے تو ان کو اس سے سخت کوفت ہوئی۔ فرمایا لوگ اونی لباس اس خیال سے پہنتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لباس بھی اونی تھا۔ لیکن مجھ سے اس شخص نے بیان کیا ہے جو جھوٹ کے ساتھ متہم نہیں ہے کہ حضور صلعم نے اونی، سوتی، کتانی لباس پہنا ہے اور آپ کی سنت ہی اتباع کی زیادہ مستحق ہے۔

ابن سیرین کی اس سے غرض اس نظریہ کی تردید تھی جو لوگوں نے قائم کر لیا تھا کہ اونی لباس پہننا ہی سب سے زیادہ افضل ہے لہذا وہ قصداً اس کو پہنتے اور دوسرے لباس سے اجتناب کرتے تھے۔ ایسے ہی بعض لوگ ایک خاص لباس اور خاص رسومات اور خاص ہئیت بنانے کو ضروری سمجھے ہوئے تھے اور اس کے خلاف کو گناہ سمجھتے تھے (جیسا کہ ہندوستان میں اہل بدعت اور جاہل پیروں نے پیری کا مخصوص لباس وضع کر لیا ہے) حالانکہ یہ خود برا ہے کیونکہ غیر مقید کو مقید کرنا ہی خرابی اور برائی کی جڑ ہے۔

بہرحال سب سے اعلیٰ اور بہترین طریقہ وہ ہے جو حضور صلعم نے اختیار کیا اور اس کے لئے حکم بھی دیا اور اس کی مداومت بھی فرمائی لباس میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جو میسر آیا پہن لیا۔ آپ نے یمنی چادریں، سبز چادریں، جبہ، قبا، قمیص، پائجامہ، تہبند، موزے، جوتے سب کچھ پہنا ہے۔ عمامہ کا

لے ان احادیث سے رد استدلال غالباً یہی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے بیان فرمایا ہے کہ اس سے استدلال اس وقت درست ہے کہ جب کسی قوم کا شعار ہو لیکن جب یہ شعار نہ ہو تو عموم اباحت کا حکم ہے اھ شرح مواہب ص۲۹ ج ۵، میرے نزدیک ہندوستان میں زنار اور مخصوص طرز کی دھوتی (لانگدار دھوتی) شعار مشرکین میں داخل ہے اس سے اجتناب ضروری ہے میرے نزدیک مسلمان کے واسطے گاندھی کیپ کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔

پلو کبھی آپ پیچھے کی طرف لٹکاتے تھے اور کبھی نہیں۔ کبھی عمامہ کے بچے ہوئے حصے کو گلے میں بھی لپیٹ لیتے تھے۔ جب آپ جدید کپڑا پہنتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللھم انت کسوتنی ھذا	اے اللہ آپ ہی نے مجھے یہ قمیص یا چادر
القمیص او الرداء او العمامۃ	یا عمامہ پہنایا ہے اسکی بھلائی اور جسکے لئے یہ بنی
اسئلک خیرہ و خیر ماصنع لہ و	ہے اسکی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اسکی برائی
اعوذبک شرہ و شر ماصنع لہ	اور جس برائی کیلئے یہ ہو اسکی پناہ چاہتا ہوں۔

آپ قمیص پہننے کی ابتدا داہنی طرف سے کرتے تھے۔ آپ نے سیاہ بالوں کا کمبل بھی پہنا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں۔

خرج رسول اللہ صلعم و	آپ سیاہ بالوں کا کمبل اوڑھ کر باہر تشریف
علیہ مرط مرجل من شعر اسود	لے گئے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت قتادہ رضہ کی روایت ہے انھوں نے حضرت انس رضہ سے پوچھا حضور صلعم کو کونسا لباس پسند تھا تو جواب دیا "الحبرۃ" یعنی یمنی چادریں، اس لئے کہ اہل عرب کا اکثر لباس یمن ہی میں تیار ہوتا تھا۔ بعض دفعہ شام اور مصر کے تیار شدہ کپڑے بھی پہنتے تھے۔ جیسے قباطی جس کو قبطی لوگ، کتان (کپاس) سے تیار کرتے تھے۔ سنن نسائی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی حدیث ہے فرماتی ہیں

جعلت للنبی صلعم بردا من	میں نے آپ کیلئے بالوں کی ایک چادر تیار کی
صوف فلبسھا فلما عرق فوجد	آپ نے اسکو پہنا لیکن جب پسینہ آیا اور آپ نے
ریح الصوف فطرحھا وکان یحب	بدبو محسوس کی تو اسکو اتار دیا اور آپ کو خوشبو
الریح الطیب	بہت پسند تھی۔

ابوداؤد کی روایت ہے حضرت ابن عباس رضہ فرماتے ہیں، میں نے آپ کو بہترین حلے میں بھی دیکھا ہے۔ سنن نسائی میں ابی رمثہ رضہ کی روایت ہے کہ میں نے آپ کو دو سبز چادروں میں خطبہ ارشاد فرماتے دیکھا۔ سبز چادر سے خطوط والی دھاری دار مراد ہے جیساکہ سرخ حلہ سے دھاری دار مراد ہے اگرچہ بعض نے سرخ حلہ سے گہرا سرخ سمجھا ہے اسی طرح بعض نے گہرا سبز سمجھا حالانکہ ایسا کسی نے مراد نہیں لیا۔

حضور صلعم کا تکیہ چمڑے کا تھا اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ مباحات

(کھانا، لباس، نکاح وغیرہ) کو زہد اور تقوے کے باعث ترک کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہمیشہ اعلیٰ لباس، اعلیٰ طعام کے علاوہ نہ پہنتے ہیں اور نہ کھاتے ہیں وہ تکبر کی وجہ سے موٹا لباس نہیں پہنتے ان دونوں فریق کی یہ عادت حضور صلعم کی سنت شریفہ کے خلاف ہے۔ اسی وجہ سے بعض اکابر سے منقول ہے کہ وہ شہرت سے بچتے تھے خواہ یہ شہرت عمدہ اور اعلیٰ کپڑے کی وجہ سے ہو یا لباس غلیظ کی وجہ سے۔ سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔

من لبس ثوب شهرة البسه	جس نے شہرت کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ
الله يوم القيامة ثوب مذلة	اس کو قیامت میں ذلت کا لباس پہنائیگا
ثم يلتهب فيه في النار	پھر وہ اسی لباس میں دوزخ میں جلے گا۔

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اس نے غرور اور تکبر کو اختیار کیا تھا۔ لہٰذا اس کے خلاف اسکو عذاب دیا جائے گا اور اسکو ذلت اٹھانی پڑے گی جیسا کہ اس آدمی کو دوزخ میں دھنسایا جائیگا کہ وہ اپنا لباس لٹکا کر چلتا تھا۔ بخاری و مسلم میں ابن عمرؓ کی روایت ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔

من جر ثوبه خيلاء لم ينظر	جو اپنا کپڑا تکبر سے لٹکا کر چلا اللہ تعالیٰ
الله اليه يوم القيامة	قیامت کے دن اسکی طرف نظر نہیں کریگا۔

نیز اس کے علاوہ سنن کی یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "اسبال (تکبر سے لباس لٹکا لینا) پائجامے، قمیص، عمامہ کو لٹکانے میں ہے جس نے بھی ان میں سے کسی چیز کو غرور کے باعث لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کو اس کی طرف نظر نہیں کرے گا۔

بہرحال متکبرانہ کپڑا پہننا بعض موقعہ پر پسندیدہ اور بعض میں مذموم ہے۔ مذموم تو تکبر کے وقت ہے اور تواضع کے لئے محمود اور پسندیدہ ہے۔ ایسے ہی عمدہ کپڑے کا معاملہ ہے وہ تکبر کیلئے تو ممنوع اور مذموم ہے اور اظہار نعمت اور سلیقہ مندی کے لئے محمود اور پسندیدہ ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے۔ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔

لا يدخل الجنة من كان في	جس کے قلب میں رائی کی برابر کبر ہوگا جنت
قلبه مثقال خردل من كبر ولا	میں نہ داخل ہوگا اور جس کے دل میں رائی
يدخل النار من كان في قلبه	کی برابر ایمان ہوگا وہ دوزخ میں نہ داخل
حبة خردل من ايمان فقال	ہوگا۔ ایک شخص نے کہا حضورؐ! میں اچھا
رجل يا رسول الله اني احب ان	کپڑا اور اچھا جوتا پہننا پسند کرتا ہوں

یکون ثوبی حسنا ونعلی حسنۃ افمن الکبر ذالک فقال لا ان اللّٰہ جمیل یحب الجمال الکبر بطر الحق وغمط الناس۔

فرمایا یہ کبر نہیں ہے (بلکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے کبر تو حق سے بغاوت اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے میں ہے۔

حضور صلعم کی خوراک

یہی حال حضور صلعم کا کھانے کے بارے میں تھا موجود چیز کو رد نہ کرتے اور جو موجود نہ ہوتی اس کے لئے تکلف نہ کرتے بلکہ جو چیز آپ کے سامنے حلال اور طیب آتی اس کو نوش فرمالیتے تھے الا یہ کہ وہ شے آپ کو پسند نہ ہو تو آپ اس کو نہ کھاتے۔ آپ نے کھانے میں کبھی نکتہ چینیاں نہیں فرمائیں خواہش ہوئی تو کھالیا ورنہ چھوڑ دیا جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ نے گوہ نہیں کھائی لیکن اس کو امت پر حرام بھی نہیں کیا۔ آپ کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی اور آپ دیکھتے رہے۔[۱]

حضور صلعم نے حلوا اور شہد بھی تناول فرمایا۔ اور آپ ان دونوں چیزوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے اونٹ، بھیڑ، مرغی، سرخاب، جنگلی گدھے (جس کو غالباً نیل گائے کہا جاتا ہے) خرگوش کا گوشت بھی کھایا۔ مچھلیاں اور بھنا ہوا گوشت بھی تناول فرمایا۔ آپ نے تر اور خشک کھجور بھی تناول فرمائیں۔ آپ نے خالص دودھ بھی نوش فرمایا اور پانی ملا کر بھی۔

---

[۱] مسئلہ اکل الضب ضب (گوہ) کے کھانے کے متعلق علامہ نے یہ حدیث سنن ابی داؤد سے نقل فرمائی ہے اس کے علاوہ سنن ابی داؤد میں ایک حدیث اور ہے جس میں مذکور ہے کہ حضور صلعم کی خدمت میں بھنی ہوئی گوہ پیش کی گئی تو آپ نے اس کو نہیں کھایا آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ حرام ہے؟ تو فرمایا نہیں۔ ان ہی احادیث کی وجہ سے علامہ اور دیگر ائمہ حدیث نے اکل ضب کو حلال قرار دیا ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور آپکے اصحاب نے حرام فرمایا ہے ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

نھی عن اکل الضب   آپ نے گوہ کے کھانے سے منع فرمایا۔

یہ حدیث بھی ابوداؤد کی ہے جو عبدالرحمٰن بن شبل سے مروی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو حسن اور قوی السند قرار دیا ہے۔ ابن حبان اور طحاوی نے اس کو شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا خود امام بخاری کے نزدیک بھی یہ صحیح ہے۔ اس کے علاوہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب حرمت اور اباحت دونوں جمع ہو جائیں تو اس صورت میں اس شے میں حرمت کو تسلیم کرتے ہوئے ترک کر دیتے ہیں۔ اور حضرات حنفیہ نے اباحت والی احادیث کا جواب دیا ہے ...... کہ ابتدا میں اکل ضب مباح تھا لیکن بعد کو حرام قرار دیا گیا۔ اور چونکہ خود آپ کو طبعاً یہ پسند نہیں تھی اس لئے آپ نے اس کا گوشت نہیں کھایا۔ اور پھر بعد میں امت کے لئے بھی اس کو حرام قرار دیا۔ گویا کہ ضب کی حرمت کا حکم بھی تدریجاً ہوا ہے۔ ... بذل المجہود صفحہ ۳۵۱ ج ۴۔

ستو اور شہد کو پانی میں ملا کر بھی نوش فرمایا۔ آپ نے کھجور کا میٹھا شربت (پانی) بھی نوش فرمایا۔ آپ نے خزیرہ بھی تناول فرمایا۔ یہ کھانا آٹے میں دودھ ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے ککڑی کے ساتھ تر کھجور بھی کھائی۔ پنیر بھی استعمال کیا۔ روٹی کے ساتھ خشک کھجور بھی تناول فرمائی سرکہ سے بھی روٹی کھائی۔ ثرید بھی تناول فرمایا۔ یہ کھانا گوشت میں روٹی بھگو کر تیار کیا جاتا ہے۔ آپ نے چربی سے بھی روٹی کھائی۔ آپ نے بھنی ہوئی کلیجی بھی کھائی گوشت کے ٹکڑے بھی کھائے۔ بچی ہوئی لوکی تو آپ کو بہت زیادہ پسند تھی۔ آپ نے ثرید میں گھی ملا کر بھی تناول فرمایا۔ آپ نے کھجور خربوزے کے ساتھ اور مکھن کے ساتھ بھی تناول فرمائی۔ یہ بھی آپ کو بہت پسند تھی۔

آپ نے خوشبو کا ہدیہ کبھی رد نہیں فرمایا۔ بہر حال آپ نے کھانے پینے کے معاملہ میں تکلف نہیں کیا جو میسر آ گیا کھا لیا۔ اگر نہ ملتا تو صبر فرماتے یہاں تک کہ بھوک کی شدت میں آپ نے شکم مبارک پر پتھر بھی باندھے ہیں[۱] تین تین مہینہ تک آپ کے گھر میں چولہا روشن نہیں ہوا۔ حالت سفر میں آپ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے یہی آپ کا دستر خوان تھا۔

آپ ہمیشہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے۔ جب فارغ ہوتے تو انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے۔ کھانے کا بہترین طریقہ یہی ہے کیونکہ متکبر آدمی صرف ایک انگلی سے کھاتا ہے[۲] اور حریص قسم کے لوگ پانچوں انگلیوں سے کھاتے ہیں اور ہتھیلی سے منہ میں لقمہ دھکیلتے ہیں۔

آپ تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ تکیہ لگانا بھی تین طرح پر ہوتا ہے۔ کبھی ایک طرف کو ٹیک لگا لینا، اور کبھی پلوتھی مار کر بیٹھنا اور کبھی ایک ہاتھ سے سہارا لینا اور ایک سے کھانا[۳] غرضکہ یہ تینوں مذموم ہیں۔

جب کھانا شروع فرماتے تو اول بسم اللہ پڑھتے اور آخر میں خدا کی حمد فرماتے۔ آپ سے یہ دعا منقول ہے الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا۔ اس کے علاوہ یہ دعا بھی منقول ہے۔

الحمد للہ الذی یطعم ولا یطعم من فھدانا واطعمنا واسقانا وکل بلاء حسن ابلانا الحمد للہ الذی اطعم من الطعام وسقی من الشراب وکسی من العری وھدی من الضلالۃ وبصر من العمی وفضل علی

---

[۱] جیسا کہ غزوہ خندق کے وقت ہوا۔ [۲] آج کل چھری سے کھانا اس کی مثل ہے۔ [۳] بلکہ آپ کے کھانے کی تین نشست منقول ہیں ۱۔ اکڑوں بیٹھنا ۲۔ تشہد کی طرح بیٹھنا ۳۔ ایک پیر بچھا لینا اور ایک کھڑا کر لینا اور بچھے ہوئے پیر پر بیٹھنا (احیاء العلوم)

کثیر ممن خلق تفضیلا الحمد للہ رب العالمین

اور کبھی کبھی یہ بھی پڑھ لیتے تھے۔

الحمد للہ الذی اطعم وسقی وسوغہ۔

جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو انگلیاں چاٹ لیتے۔ ان کے پاس ہاتھ صاف کرنے کے لئے رومال نہیں تھے۔ حضرات صحابہ رضی کی عادت نہیں تھی کہ جب کھائیں ہاتھ بھی دھوئیں بلکہ انگلیوں کو چاٹ لینا ہی کافی تھا۔[1] اکثر بیٹھ کر ہی پانی پیتے بلکہ کھڑے ہو کر پینے پر تنبیہ فرماتے البتہ آپ نے صرف ایک دفعہ کھڑے ہو کر پانی پیا ہے۔ اس کے متعلق علماء نے فرمایا ہے۔ آپ کا یہ فعل آپ کے ارشاد سے منسوخ ہے بعض نے کہا ہے کہ آپ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا۔ بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ آپ نے عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیا۔ کیونکہ ایک مرتبہ آپ چاہ زمزم پر تشریف لائے لوگ پانی پی رہے تھے آپ نے بھی ان سے ڈول لیا اور کھڑے ہو کر پیا۔

بہرحال اس مسئلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ کھڑا ہو کر پینا منع ہے ہاں عذر کی وجہ سے پینا جائز ہے اس تاویل کے تحت تمام احادیث میں مطابقت قائم ہو جاتی ہے۔ جب آپ کچھ پلاتے تو اپنے داہنی طرف والے کو دیتے خواہ بائیں طرف کوئی بڑا آدمی ہی کیوں نہ ہو۔

---

[1] حضرات صحابہ رضی کا معمول یہ تھا کہ انگلیاں چاٹ کر ہاتھ تلووں سے مل دیتے تھے۔ غالباً وجہ اس کی یہ ہو گی کہ اس طرح ہاتھ بھی صاف ہو جاتے ہیں و نیز پیر کے تلووں کا تعلق آنکھ کی بینائی سے بھی زیادہ ہے اس طرح دماغ کو تقویت بھی حاصل ہوتی ہے علامہ انور شاہ کشمیری رح کے بارے میں بھی یہی منقول ہے (ملفوظ علامہ کشمیری بروایت الاستاذ حکیم محفوظ علی صاحب دیوبندی برادر نسبتی علامہ کشمیری)

ساتواں باب

امور خانہ داری اور ازدواجی تعلقات وغیرہ

ازواج مطہرات سے تعلق

حضرت انس رضؓ سے بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

حبب الیّ من طیب دنیاکم النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ	تمہاری دنیا کی خوشبوئیں سے مجھے عورت اور خوشبو محبوب ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں لیکن جن راویوں نے حبب (پسند، محبوب) کے ساتھ تین چیزیں ذکر کی ہیں ان کو وہم ہو گیا ہے کیونکہ صلوٰۃ تو آخرت کی چیز ہے (اسلئے کہ الصلوٰۃ کا لفظ جعلت کے ساتھ ہے۔ اس کی نسبت حبب کی طرف نہیں ہے) حقیقت یہ ہے کہ حضور صلعم کو خوشبو اور عورتوں سے محبت تھی ہے

لہ شہوت پرستی کیلئے نہیں بلکہ عورت اس وقت معاشرے کا مظلوم ترین عنصر تھی حد یہ ہے کہ عورتونکو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا عورت کی یہ مظلومانہ حیثیت دیکھکر آپکو جنس عورت سے ہی ہمدردی پیدا ہو گئی چنانچہ آپ نے انکو بہت زیادہ حقوق مرحمت فرمائے شریعت اسلامیہ میں عورت کا جو مقام ہے وہ اس سے پہلے نہ تھا اور نہ دوسرے مذاہب اور معاشرے نے ہی وہ مقام اسکو دیا۔ آجکل جو عورتونکو آزادی حاصل ہے اسکا نام مساوات نہیں ہے یہ تو مردوں نے اپنی شہوت رانی کیلئے عورتونکو بیوقوف بنایا ہے۔

تیس مردونکی قوت اسجگہ رئیس احمد جعفری نے علامہ پر اعتراض کیا ہے کہ یہ انھوں نے واعظونکی روایت نقل کر دی ہے یعنی یہ واعظونکی اختراعات ہیں۔ اول تو رئیس احمد صاحب نے حواشی تحریر نہیں فرمائے مشکل سے دس پانچ جگہ نوٹ دیا ہے اور وہ بھی غلط۔ یہاں بیچارے اس سے گھبرا گئے کہ کوئی حضور صلعم کو شہوت پرست کہدیگا۔ اسیوجہ سے وہ کہہ اٹھے کہ روایت کے مطابق بھی ہونا چاہیئے۔ اگر درایت ہی دیکھنا ہے تو نو عورتوں سے ایک ات میں جماع کرنا بھی درایت کیخلاف ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضور صلعم کی خصوصیات میں سے ہے اس سے کسی قسم کی تنقیص لازم نہیں آتی بلکہ یہ بھی اکملیت میں داخل ہے۔ کمال یہ ہے کہ آپکو تیس یا چالیس مردونکے برابر جماع پر قوت حاصل ہو اور اسکے باوجود صرف نو یا گیارہ پر (باقی اگلے صفحہ پر)

حضور صلعم ایکوات میں بھی اپنی تمام ازواج سے مباشرت فرمالیتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اس معاملہ میں آیات میں اسقدر وسعت دیدی تھی کہ دوسروں کو نہیں دی تھی۔ (مثلاً آپ کے نکاح میں بیک وقت نو ازواج تھیں امت کو صرف چار کی اجازت دی گئی ہے) اللہ تعالیٰ نے جماع میں آپ کو تیس مردوں کے برابر قوت عطا فرمائی تھی۔ عورتوں کے ساتھ نان و نفقہ اور شب باشی کے حقوق میں آپ مساوات سے کام لیتے تھے لیکن تعلق قلبی اور محبت کے معاملہ میں آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰھم ھذا قسمی فیما املک	اے اللہ جس پر میں قادر ہوں اس میں یہ
فلا تلمنی فیما لا املک	تقسیم (مساوات) ہے لیکن جس چیز پر میں
	قادر نہیں یعنی محبت قلبی اس پر آپ مجھے ملامت نہ کیجئے[۱]

کہا گیا ہے کہ مساوات سے مراد جماع میں مساوات ہے اور محبت وہ شئے ہے کہ جس پر اختیار نہیں ہوتا اس وجہ سے اس میں مساوات نہیں۔ علماء نے اس جگہ بیان فرمایا ہے کہ کیا آپ پر مباشرت وغیرہ میں مساوات واجب تھی یا نہیں اس میں دو فریق ہیں یعنی فقہا کا ایک فریق وجوب کا قائل ہے اور دوسرا نہیں۔ عورتیں چونکہ امت کا غالب عنصر ہیں اسوجہ سے حضرت ابن عباس رضہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

تزوجوا فان خیر ھذہ	نکاح کرو کیونکہ اس امت کا افضل وہ
الامۃ اکثرھا نساء	ہے جس کے زیادہ بیویاں ہوں[۲]

حضور صلعم نے طلاق بھی دی اور اس سے رجوع بھی کیا[۳] اور آپ نے ایک مہینہ کے لئے ایلاء موقت بھی کیا[۴] لیکن آپ نے ظہار کبھی نہیں کیا[۵] جس نے جناب رسول اللہ صلعم کے متعلق یہ کہا ہے کہ آپ نے

گذشتہ سے پیوستہ اکتفا فرمائیں اور وہ بھی سب بوڑھی عورتیں ہوں انمیں کمال رجولیت کیساتھ کمال ضبط اور تحمل بھی موجود ہے آجکل تو ناقص جولیت والے جو مظاہرے کرتے ہیں وہ نہایت شرمناک ہیں لیکن حضور صلعم کے پاس اسقدر طاقت کا خزانہ موجود ہونیکے باوجود آپ نے نہایت پاکدامنی اور عفت کی زندگی گذاری۔ آپ کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ احیا تھے۔ جہانتک حدیث کا تعلق ہے یہ حدیث بخاری شریف کی ہے ابن سعد نے جو حدیث نقل کی ہے اسمیں چالیس مردونکی قوت کا ذکر ہے اور ابی اسامہ کی مجاہد سے جو روایت ہے اسمیں چالیس سے زیادہ جنتی مردونکی قوت کا تذکرہ ہے۔ ملاحظہ ہو الخصائص الکبری صہ ج ۱۔

۱؎ آپکو حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے بہت محبت تھی غالباً اسوجہ سے یہ ارشاد فرمایا ہے ۲؎ مراد یہ ہے کہ تجرد کی زندگی کوئی پسندیدہ زندگی نہیں ہے بلکہ متاہل زندگی محبوب ہے اگر کوئی آدمی انصاف اور عدل سے کام لے تو اسکو چار تک کی اجازت ہے ۳؎ ملاحظہ فرمایئے حضرت سودہ رضہ کے حالات ۴؎ ایلاء یہ ہے کہ عورت کے پاس جانیکی قسم کھالینا کہ چار مہینہ تک اس سے صحبت نہیں کرونگا یہ ایلاء موقت ہے اور ہمیشہ کی قسم کھالینا یہ ایلاء مؤبد ہے اگر اس قسم کو توڑ دیا تو کفارہ قسم لازم آتا ہے اور اگر پورا کر دیا تو عورت پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے ۵؎ اپنی بیوی کو محرمات میں سے کسی کے اس حصہ کیساتھ تشبیہ دینا جسکی طرف دیکھنا حرام ہے مثلاً یوں کہنا کہ تو میرے لئے ایسے ہی حرام ہے جیسا کہ میری ماں اور بہن۔

ظاہر کیا اس سے خطائے عظیم کی ہے۔ رہا ہمارا معاملہ کہ ہم نے کیوں اس کو ذکر کیا (جب کہ آپ نے اظہار نہیں کیا) تو ہم نے بغرض تردید ذکر کیا ہے تاکہ قائل کی اس فحش غلطی پر لوگ بھی مطلع ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی (معیوب) چیزوں اور افعال سے آپ کو ہمیشہ محفوظ رکھا ہے۔

حضور صلعم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ ازواج مطہرات کے ساتھ حسن اخلاق اور حسن معاشرت سے پیش آتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کے پاس انصار کی لڑکیوں کو کھیلنے کے لئے بلالیا کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کسی چیز کی طرف رغبت کرتیں تو آپ بھی اس میں حصہ لیتے بشرطیکہ اس میں کوئی قباحت نہ ہوتی۔ [۱]

(موانست اور دلداری کی خاطر) جب حضرت عائشہ صدیقہ رضہ پانی پیتیں تو آپ بھی اس برتن میں منہ لگا دیتے تھے اور اسی جگہ سے پیتے اور جب حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کسی ہڈی کو چوستیں یا اس پر سے گوشت نوچ کر کھاتیں تو آپ بھی اس ہڈی کو ان سے لیکر نوچ کر کھاتے اور چوستے کبھی کبھی حضور صلعم حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی گود میں تکیہ لگا لیتے اور قرآن پاک تلاوت کرتے رہتے تھے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ وہ حیض کی حالت میں ہوتیں۔ بعض دفعہ حیض کی حالت میں آپ ان کو ازار پہننے (لنگوٹ باندھ لینے) کا حکم فرماتے اور اسکے بعد اختلاط فرماتے۔ آپ روزہ کی حالت میں بوسہ بھی لے لیتے تھے۔

یہ حضور صلعم کا حسن اخلاق اور لطف و کرم ہی تھا کہ آپ اپنی ازواج کے ساتھ کھیل بھی لیتے تھے اور انکو حبشی لڑکوں کا تماشہ بھی دکھا دیتے تھے۔ آپ نے دو مرتبہ سفر میں حضرت عائشہ رضہ کے ساتھ دوڑ بھی لگائی ہے۔ ایک مرتبہ آپ دوڑ میں آگے بھی نکل گئے اور ایک مرتبہ وہ آگے نکل گئیں (یہ بھی دلداری کی غرض سے تھا)

جب آپ سفر میں تشریف لے جاتے تو قرعہ اندازی کے ذریعہ اپنی ازواج کا انتخاب فرماتے جس کا نام آجاتا اسی کو ہمراہ لے جاتے۔ اس طرح باقی ازواج کے لئے وجہ انقباض بھی نہ ہوتی۔ بہر حال قرعہ اندازی کرنا یہ جمہور کا مسلک ہے (امام ابو حنیفہ اس کو مستحب قرار دیتے ہیں)۔ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

خیرکم خیرکم لاھلہ وأنا	تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کیساتھ بہتر ہے
خیرکم لاھلی	اور میں اپنی ازواج کے ساتھ تم میں سب سے بہتر ہوں۔

---

[۱] کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی عمر جس وقت رخصتی ہوئی تھی نو سال تھی۔

مثلاً عید کے موقعہ پر کچھ حبشی جنگی کرتب دکھا رہے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے دیوار کی آڑ سے حضور صلعم کے شانہ مبارک پر سر رکھ کر تماشہ دیکھا (بخاری شریف)

بعض دفعہ آپ (اپنی کسی) اہلیہ محترمہ کی طرف بقیہ کی موجودگی میں بغرض تفریح ہاتھ بڑھا دیتے تھے[1]۔ روزانہ آپ کا یہ معمول تھا کہ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنی ازواج کے حجروں پر (مزاج پرسی کے لئے) تشریف لے جایا کرتے اور ان سے قریب تر ہوتے اور حالات دریافت کرتے۔ جب رات ہوتی تو اسی اہلیہ محترمہ کے یہاں تشریف لاتے۔ جس کی باری ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں اس معاملہ میں وہ ہم میں سے کسی کو فوقیت نہ دیتے تھے۔ بہت کم ایسا ہوتا کہ آپ ہمارے سب کے یہاں ایک ہی رات میں تشریف لاتے۔ اگر کبھی اتفاق ہوا بھی تو آپ بہت تھوڑی دیر کے لئے بغیر مباشرت کئے قربت فرماتے۔ بالآخر جس کے یہاں آپ کی باری ہوتی اسی اہلیہ محترمہ کے یہاں شب باشی فرماتے۔

آپ نے ازواج مطہرات میں سے صرف آٹھ کے لئے تو باری مقرر فرما رکھی تھی نویں اس باری میں شریک نہ تھیں۔ صحیح مسلم میں عطاء کا قول ہے کہ یہ نویں حضرت صفیہ تھیں حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ وہ نویں حضرت سودہ تھیں جب وہ بوڑھی ہو گئیں تو انھوں نے اپنی نوبت حضرت عائشہ رضہ کو ہبہ کر دی تھی۔

حضرت عطاء سے جو یہ غلطی سرزد ہوئی اسکی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک بار آپ حضرت صفیہ سے کسی بات پر ناراض ہو گئے انھوں نے حضرت عائشہ رضہ سے کہا۔

ھل لک ان ترضی رسول اللہ	اگر آپ مجھ سے حضور صلعم کو راضی کر دیں تو
صلعم عنی واھب لک یومی	میں اپنی باری آپ کو ہبہ کر دوں۔

حضرت عائشہ رضہ اس پر راضی ہو گئیں۔ جب حضرت صفیہ کی باری کا دن آیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضہ حضور صلعم کی خدمت میں تشریف لے گئیں اور آپ کے پاس جا بیٹھیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا عائشہ، تم جاؤ یہ تمھاری باری کا دن نہیں ہے[2] تب حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے عرض کیا

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء	یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے تمام واقعہ سنایا تب حضور صلعم حضرت صفیہ سے راضی ہو گئے (اس واقعہ سے حضرت عطاء نے جیسا سمجھا ہے وہ بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت صفیہ نے تو صرف یہی ایک باری ہبہ کی تھی اگر یہ مطلب مراد نہ لیا جائے تو) صحیح حدیث کے مخالف ہو گا اور پھر باری سات ازواج کے درمیان تقسیم کرنی پڑے گی حالانکہ باری آٹھ کے درمیان تھی۔

---

[1] مسئلہ ہے اگر کسی شخص کے دو بیویاں ہوں تو دوسری کی موجودگی میں کسی ایک بیوی سے جماع کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ بوس وکنار جائز ہے۔ [2] ناراضگی میں بھی یہ عدل، انصاف۔ اللہ اکبر

بہرحال اگر کسی آدمی کو کہ جس کے یہاں دو بیویوں سے زیادہ ہوں اس قسم کا واقعہ پیش آجائے یعنی ان میں کی کوئی عورت اپنی باری دوسری بیوی کو ہبہ کر دے تو کیا یہ جائز ہے؟ کہ خاوند شب موہوبہ اور شب اصلیہ دونوں راتیں اسی کے پاس گزارے اگرچہ یہ دونوں راتیں مسلسل نہ ہوں۔ یا وہ شب موہوبہ ہی میں اس کے پاس رہ سکتا ہے اس مسئلہ میں امام احمد اور دوسرے حضرات کے دو قول ہیں[1]

حضور صلعم اپنی ازواج مطہرات کے پاس رات کے اول حصہ میں بھی آتے اور رات کے آخر حصہ میں بھی۔ جب اول حصہ میں مباشرت فرماتے تو بعض دفعہ غسل کر کے سوتے اور بعض دفعہ وضو کر کے سوتے[2] امام ابواسحاق نے حضرت اسودؓ کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ

انہ ربما نام ولم یمس ماء — آپ بعض اوقات سو جاتے اور پانی کو ہاتھ بھی نہ لگاتے (یعنی بغیر وضو یا غسل کئے ہوئے)

یہ روایت ائمہ حدیث کے نزدیک غلط ہے میں نے اس بارہ میں کتاب "تہذیب سنن ابی داؤد" میں تفصیل سے کلام کیا ہے اور اس کے علل اور اشکالات کو واضح کر دیا ہے۔ آپ اپنی ازواج کے پاس تشریف لے جاتے اور آخر میں ایک غسل کر لیتے تھے۔ بعض دفعہ ہر مرتبہ غسل کیا ہے۔ جب آپ سفر سے رات کو تشریف لاتے تو اپنی اہلیہ محترمہ کے پاس نہ جاتے یعنی مباشرت نہ فرماتے اور اس سے منع بھی فرماتے تھے[3]

حضور صلعم کی نوم اور بیداری

کبھی تو حضور صلعم بچھونے پر استراحت فرماتے اور کبھی چمڑے کے بستر پر اور کبھی بوریہ پر اور کبھی ویسے ہی زمین پر اور کبھی تخت پر اور کبھی سیاہ کمبل پر (غرضکہ لیٹنے کے لئے جو چیز بھی مل جاتی آپ بلا تکلف اس پر سو جاتے تھے) حضرت عباد بن تمیم فرماتے ہیں۔

رایت رسول اللہ صلعم مستلقیا فی المسجد واضعا احدی — میں نے حضور صلعم کو ایک مرتبہ مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا ہے آپ ایک پیر کو دوسرے

---

[1] صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک عورت نے اپنی باری شب جمعہ ہبہ کر دی اب شب جمعہ جس کے حق میں ہبہ کی ہے اس کی باری سے متصل ہے یا متصل نہیں بلکہ درمیان میں فصل ہے پہلی صورت میں دوسری عورت سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے لیکن دوسری صورت میں جس عورت سے یہ باری متصل ہے اس سے اجازت لینا ہوگی۔ امام احمد اور امام شافعی کے اس بارے میں دو قول ہیں امام ابن ہمام نے حنفیہ کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے الاظہر عندی ان لیس لہ ذلک الا برضاء، فتح القدیر ص۱۲۳ ج ۲ مطبوعہ نولکشور [2] اگر کوئی کسل کی وجہ سے وضو نہ کر سکے تو تیمم کر لینا چاہیئے۔

[3] غالباً اس وجہ سے کہ ممکن ہے شوہر کی عدم موجودگی کے باعث عورت کی حالت اچھی نہ ہو اس صورت میں تکدر اور تنفر پیدا ہونے کا احتمال ہے یا ماہواریاں ہی جاری ہوں واللہ اعلم۔

ورجلیہ علی الاخری وکان فراشہ — پیر پر رکھے ہوئے تھے آپ کا بچھونا چمڑے

ادماً حشوہ لیف — کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

آپ کے پاس بالوں کا ایک کمبل تھا جس کو دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اسکو چوہرا کر دیا گیا تو آپ نے منع فرما دیا اور خود دوہرا ہی کر دیا اور ارشاد فرمایا۔

انہ منعنی صلاتی اللیلۃ — اس نے مجھے رات کی نماز پڑھنے سے روک دیا تھا۔

(یعنی راحت کی وجہ سے اٹھنے میں دشواری ہوئی) مقصود یہ ہے کہ آپ بچھونے پر بھی سوئے اور آپ نے لحاف بھی اوڑھا ہے آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رض کے علاوہ کوئی ایسی نہیں ہے کہ اس کے لحاف میں ہوتے ہوئے میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے ہوں۔ آپ کا ایک تکیہ چمڑہ کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ جب آپ سونے کیلئے بستر پر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے۔

باسمک اللھم احیاء واموت — اے اللہ میں آپ کے نام کے ساتھ جیتا (بیدار) ہوں اور آپ کے نام کے ساتھ مرتا (سوتا) ہوں۔

آپ دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر اور ان پر قل ہو اللہ الخ اور معوذتین دم فرما کر جسم مقدس پر پھیر لیتے تھے۔ جہاں تک بھی دست مبارک پہونچتے، ہاتھ، منہ، سر اور بقیہ جسد مقدس غرضکہ پورے جسد اطہر پر ہاتھ پھیر لیتے تھے اور آپ ایسا تین مرتبہ کرتے تھے۔

آپ ہمیشہ داہنی کروٹ سوتے اور داہنے رخسار مبارک کے نیچے اپنا دست مبارک رکھ لیتے تھے اس کے بعد یہ دعا پڑھتے۔

اللھم قنی عذابک یوم تبعث عبادک — اے اللہ تو مجھے اپنے اس دن کے عذاب سے محفوظ رکھ جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔

اور جب آپ استراحت کیلئے بچھونے پر تشریف فرما ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وکفانا وآوانا فکم من لا کافی لہ ولا موؤی لہ

اس روایت کو امام مسلم نے ذکر کیا ہے۔ انھوں نے یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ آپ یہ بھی پڑھا کرتے تھے۔

اللھم رب السموٰت والارض ورب العرش العظیم فالق الحب والنوی منزل التوراۃ والانجیل والقرآن اعوذبک من شر کل ذی شر انت اٰخذ بناصیتہ انت الاول فلیس قبلک شیٔ وانت الاخر فلیس بعدک

شئی وانت الظاھر فلیس فوقک شئی وانت الباطن فلیس دونک شئی اقض عنی الدین واغننی من الفقر

جب رات میں کسی وقت آپ کی آنکھ کھلتی تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

لا الٰہ الا انت سبحانک استغفرک لذنبی واسئلک رحمتک اللھم زدنی علماً ولا تزغ قلبی بعد اذ ھدیتنی انک انت الوھاب

اور جب سونے سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور

اس کے بعد آپ مسواک فرماتے اور اکثر اوقات آپ سورہ آل عمران کی دس آیتیں ان فی خلق السمٰوٰت والارض سے لیکر آخر تک تلاوت فرماتے۔ اور فرماتے۔

اللھم لک الحمد انت نور السمٰوٰت والارض ومن فیھن ولک الحمد انت قیم السمٰوٰت والارض ومن فیھن ولک الحمد انت انت الحق وعدک حق ولقاءک حق والجنۃ حق والنار حق والنبیون حق ومحمد حق الساعۃ حق۔ اللھم لک اسلمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت انت اللہ لا الٰہ الا اللہ الا انت۔

آپ شروع رات میں سو جاتے اور اخیر رات میں بیدار ہو جاتے اور کبھی ابتدائی شب میں مسلمانوں کے کاموں کی خاطر بیدار بھی رہتے تھے۔ آپ کی آنکھیں بیشک سوتی تھیں لیکن آپ کا قلب بیدار رہتا تھا۔ جب آپ سو جاتے تو جب تک آپ خود ہی بیدار نہ ہوتے تو آپ کو جگایا نہ جاتا تھا جب کبھی آپ رات میں کسی جگہ منزل فرماتے تو داہنی کروٹ ٹیک لگا لیتے تھے اور اگر قبل صبح ایسا اتفاق ہوتا تو کہنی کا سہارا ٹیکر لیٹ جاتے (تاکہ نیند نہ آجائے) امام ترمذی اور ابو حاتم نے اپنی صحیح میں فرمایا ہے جب آپ رات کو لیٹتے تو داہنی کروٹ لیٹتے اور اگر قبل صبح ایسا اتفاق ہوتا تو اپنا بازو کھڑا کر لیتے تھے میرا خیال ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے درست تو حدیث ترمذی ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ تعریس کے معنی ہی صبح سے قبل آرام کرنے کے آتے ہیں۔ آپ کی نیند معتدل درجہ کی نیند تھی ہے اور اطبا کہتے ہیں کہ معتدل

لہ مسلم شریف کی روایت ہے جسمیں آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے عشا کے بعد گفتگو اور کلام میں مشغول نہ ہونا چاہیئے ہاں اعذار مستثنیٰ ہیں وجہ اسکی غالباً یہ ہے کہ زیادہ دیر تک جاگنے میں تہجد اور صبح کی نماز ضائع ہونیکا اندیشہ ہے ۲ہ اطبا کی اصطلاح میں معتدل مزاج وہ ہے جسمیں اخلاط اربع متوازن ہوں انکا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت اعدل مزاج ہوتی ہے اسیوجہ سے (باقی اگلے صفحہ پر)

درجے کی نیند ہے۔ حصہ رات ہے اور دن کے آٹھ پہر ہوتے ہیں۔

حضور صلعم کے سوار ہونے کا طریقہ

آپ زین کسے ہوئے گھوڑے پر بھی سوار ہوئے ہیں اور اس کی ننگی پشت [۲] پر بھی سوار ہوئے ہیں، آپ نے گھوڑے کو دوڑایا بھی ہے۔ آپ ہمیشہ تنہا ہی سوار ہوتے، ہاں بعض دفعہ آپ نے اپنے پیچھے اونٹ پر دوسرے کو بھی سوار کیا ہے۔ کبھی کبھی خود پیچھے بیٹھتے اور آگے دوسرے کو بٹھا لیتے تھے [۳]۔ بعض دفعہ آپ نے اپنی سواری پر تین کو بٹھایا ہے۔ مردوں کو بھی بٹھایا اور اپنی ازواج مطہرات کو بھی بٹھایا۔

آپ کی عادت شریفہ گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہونے کی تھی لیکن بعض دفعہ آپ خچر پر بھی سوار ہوئے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ آپ اس خچر پر سوار ہوئے ہیں جو بادشاہوں میں سے کسی نے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ عرب میں خچروں کا رواج نہ تھا لیکن جب آپ کو ہدیہ میں خچر دیا گیا تو آپ سے سوال کیا گیا۔

الا تری الخیل علی الحمیر فقال	گھوڑے اور گدھے کے ملاپ کے بارے میں
انما یفعل ذلک الذین لا یعلمون	آپ کا کیا خیال ہے فرمایا ایسا وہ لوگ کرتے

ہیں جن کو معلوم نہیں ہے۔

حضور صلعم نے بکریاں بھی پالی ہیں

آپ کے پاس سو بکریاں تھیں آپکو یہ پسند نہ تھا کہ ان کی تعداد سو سے زیادہ ہو جائے جب ایسا ہوتا تو آپ ذبح کر لیتے تھے، آپ کے پاس لونڈی، غلام بھی تھے۔ آپ کے آزاد کردہ غلام اور باندیاں غیر آزاد شدہ سے زیادہ تھے۔ امام ترمذی نے حضرت ابی امامہ سے اپنی کتاب میں روایت ذکر کی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ایما امرء اعتق امرأ مسلما	جس کسی آدمی نے کسی مسلمان مرد کو آزاد کیا
کان فکاکہ من النار یجزی کل عضو	دوزخ سے اسکو چھٹکارا مل جائیگا آزاد ہونے
منہ عضوا منہ وایما امرء مسلم	والے کے ہر عضو کے عیوض اس کا ہر عضو آزاد

گذشتہ سے پیوستہ انکے تمام افعال اور اعمال میں اعتدال ہوتا ہے (نفلیسی بحث مزاج) [۱] حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں آپ رات کے تین حصہ فرماتے ایک ثلث رات آرام فرماتے تھے (او کما قالت) [۲] ایک دن مدینہ منورہ میں رات کو ایک شدید آواز سنائی دی تو اتنے لوگ بیدار ہوئے اور اس آواز کا پتہ لگانے کیلئے نکلے تو انھوں نے حضور صلعم کو گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار اور گلے میں تلوار لٹکائے آتے دیکھا الخ رواہ ابو داؤد (جمع الفوائد صفحہ ۱۸ ج ۲) [۳] حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں جب حضور صلعم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ سوار تھے آپکو بنی عبد المطلب کی کچھ بچیاں ملیں آپ نے بعض کو اپنے آگے بٹھا لیا اور بعض کو اپنے پیچھے اسی طرح حضرات حسنین اور دوسرے بچوں کو آگے اور پیچھے سوار کرنیکی متعدد روایات ہیں یہ سب روایتیں یکجا طور پر جمع الفوائد میں موجود ہیں ملاحظہ فرمایئے ج ۲ ص ۱۲۵

اعتق امرأتین مسلمتین کانتا فکاکه — ہوگا اور جس مسلمان مرد نے دو عورتوں کو
من النار یجزی کل عضوین منھما — آزاد کیا، یہ دونوں عورتیں اس کی دوزخ
عضواً منه — سے آزادی کا ذریعہ بن جائیں گی چنانچہ انکے

ہر دو عضو کے عیوض اس کا ایک عضو آزاد ہو جائے گا۔

امام ترمذی نے فرمایا ہے یہ حدیث صحیح ہے اور یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ.... مرد کا آزاد کرنا افضل ہے اور ایک مرد کا آزاد ہونا دو باندیوں کی آزادی کے برابر ہے بہر حال حضور صلعم کے آزاد شدہ زیادہ تر غلام ہی تھے۔ یہ پانچ جگہوں میں سے ایک ہے کہ جہاں عورت مرد کے مقابلہ میں نصف درجہ رکھتی ہے دوسری جگہ عقیقہ ہے جہاں عورت کی طرف سے ایک بکری اور مرد کی طرف سے دو بکری ذبح کی جاتی ہیں تیسری جگہ شہادت ہے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر، چوتھی جگہ میراث ہے کہ اس میں عورت کو مرد کے مقابلہ میں نصف ملتا ہے، پانچویں جگہ دیت ہے مرد کے مقابلہ میں عورت کی نصف دیت ہے[1]۔

حضور صلعم کے خرید و فروخت کا بیان

حضور صلعم نے خرید و فروخت بھی کی ہے آپ نے رسالت کے فرائض سپرد ہونے کے بعد فروخت کرنے کے مقابلہ میں خریداری زیادہ کی ہے[2] اسی طرح ہجرت کے بعد بجز چند واقعات فروختگی کے آپ نے فروخت کا معاملہ نہیں کیا اور اکثر دوسروں ہی کا سامان فروخت کیا ہے۔ جیسا کہ پیالہ اور پالان نیلام فرمایا ہے[3]۔ علاوہ ازیں ایک مدبر غلام یعقوب کو فروخت کیا ہے[4] ایسے ہی ایک حبشی غلام کو

---

[1] اس جگہ رئیس احمد جعفری نے وہی مساوات کا واعظ چھیڑا ہے اور غلط قسم کی تاویلات کی ہیں مساوات کی یہ دنیا پاکستان ہی میں رہنا چاہیئے وہ بھی عجیب مساوات ہے جو فاطمہ جناح کی صدارت کو جائز کر دے، حقیقت یہ ہے عورت اپنے ذاتی امور میں مساوات کی مستحق ہے لیکن اضافی امور میں اسکا درجہ مرد کے مقابلہ میں نصف ہے الرجال قوامون علی النساء[2] اسلئے کہ آپکے سپرد دعوت و تبلیغ کے فرائض تھے دوسروں کیلئے خریدنا یہ اسوجہ سے تھا کہ ضرورتمند کی ضرورت کو پورا کیا جاتا تھا[3] ملاحظہ فرمایئے حدیث ابی داؤد کہ ایک صحابی نے آپ سے آکر سوال کیا تو آپ نے انکو کسب معاش کی ترغیب دی اسی میں یہ نیلام کا قصہ ہے۔

بیع مدبر[4] مدبر وہ غلام جو مولی کے مرنے کے بعد فوراً از خود ہی آزاد ہو جائے، اسکی دو قسم ہیں مدبر مطلق اور مدبر مقید۔ مدبر مطلق وہ ہے جسکی آزادی کو مولی نے اپنے مرنے کے بعد غیر مشروط رکھا ہو مثلاً "تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے" مدبر مقید کی مثال یہ ہے اگر میں اس مرض میں مرگیا تو۔ تو آزاد۔ مدبر مطلق کے بارے میں حنفیہ کا کہنا ہے نہ اسکا ہبہ جائز اور نہ اسکی بیع جائز۔ شوافع اسکی بیع جائز قرار دیتے ہیں۔ علامہ کا مسلک بھی یہی ہے وہ اپنی تائید میں مذکورہ بالا حدیث پیش کرتے ہیں یہ حدیث ابوداؤد میں مرسل مذکور ہے بعض حضرات نے اس پر باعتبار سند جرح کی ہے اور کہا ہے کہ اسکا ایک راوی شیعہ ہے بعض نے کہا ہے اسکا ایک راوی متہم بالکذب ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل نافع کے واسطے سے ابن عمر رضی کی یہ حدیث کو جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا۔

المدبر لا یباع ولا یوھب وھو حر من — مدبر نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ اسکو ہبہ کیا جا سکتا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

دو غلاموں کے عیوض فروخت کیا ہے[1] بہر حال آپ نے فروختگی کم اور خریداری زیادہ کی ہے۔

آپ نے اجرت پر بھی کام کیا ہے اور کام لیا بھی ہے۔ ہاں اجرت پر کام کرنے کے مقابلہ میں اجرت پر کام لینا زیادہ ہے۔ آپ نے اجرت پر قبل نبوت کام کیا ہے چنانچہ آپ نے بکریاں چرائی ہیں[2] اور حضرت خدیجہ رضؓ کی تجارت کا کام مال کے عیوض ملک شام میں کیا ہے۔ اگرچہ یہ معاملہ مضاربت کا تھا لیکن مضارب کی حیثیت امین، اجیر، وکیل، شریک کی ہوتی ہے۔ امین کی پوزیشن تو مال پر قبضہ کرتے ہی ہو جاتی ہے اور وہ جب اس میں تصرف (خرید و فروخت کا معاملہ) کرتا ہے تو وکیل کی پوزیشن میں آجاتا ہے اور خرید و فروخت میں جتنی دوڑ دھوپ وہ کرتا ہے یہ پوزیشن اجیر کی ہے۔ اور جب اس مال میں نفع ہوتا ہے تو اب یہ نفع میں شریک کی حیثیت سے شامل ہوتا ہے۔ حاکم نے اپنی صحیح میں ربیع بن بدر کی حدیث ابن بیر عن جابر کی سند کے ساتھ ذکر کی ہے کہ

آجر رسول اللہ صلعم نفسہ	جناب رسول اللہ صلعم نے حضرت خدیجہ بنت
من خدیجۃ بنت خویلد سفرتین	خویلد کی تجارت کا کام دو سفر میں اجرت پر
الی جرش	کیا ہے یہ سفر جرش تک کیا تھا۔

امام حاکم نے کہا ہے اس کی سند صحیح ہے نہایہ میں کہا ہے "جرش" جیم کے پیش اور "را" کے زیر کے

گذشتہ سے پیوستہ

ثلث المال	وہ مولیٰ کے ثلث ترکہ سے آزاد ہے۔

یہ حدیث دار قطنی کی ہے۔ اسی حدیث سے امام طحاوی، امام رازی، امام کرخی نے استدلال کیا ہے۔

ابو الولید الباجی نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے حضرات صحابہ رضؓ کی موجودگی میں مدبر کی بیع کو فسخ کر دیا تھا لہٰذا

دھو اجماع منھم ان بیع المدبر لا یجوز۔ (عمدۃ القاری ص ۵۰۱)	یہ حضرات صحابہ رضؓ کا اجماع ہے کہ مدبر کی بیع جائز نہیں ہے۔

حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلعم نھی عن بیع المدبر	حضور صلعم نے مدبر کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

یہی مسلک جماعت تابعین کا ہے مثلاً شریح، مسروق، سعید بن المسیب، قاسم بن محمد، ابی جعفر محمد بن علی، محمد بن سیرین عمر بن عبد العزیز، الشعبی، حسن بصری، زہری، سعید بن جبیر، سالم بن عبد اللہ، طاوس، مجاہد، قتادہ، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اگر ان حضرات نے عدم جواز کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو میں قیاساً اس بیع کو جائز قرار دیدیتا۔

اب رہا ابو داؤد کی روایت کا معاملہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ یہاں بیع اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ اس غلام کی خدمت کو فروخت کیا تھا اجارہ لغتِ یمن میں بیع کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ جائز ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے بذل ص ۲۴۵ ج ۵۔ عمدۃ القاری ص ۵۰۱ ج ۵۔

[1] یہ روایت مسلم اور سنن میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے ملاحظہ فرمائیے جمع الفوائد ص ۲۲۹ ج ۱۔

[2] یہ غالباً اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں ... تھے۔

ساتھ ہے یمن کے علاقہ میں ہے اور اگر دونوں حرفوں کو زبر پڑھا جائے تو یہ ملک شام کا ایک شہر ہے اگر یہ حدیث صحیح بھی ہے تو اس جگہ دونوں جگہ زیر پڑھنا چاہیئے۔

اس روایت میں ربیع بن بدر معلول ہیں ائمہ حدیث نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، امام نسائی دار قطنی اور ازدی نے ان کو متروک قرار دیا ہے۔ غالباً حاکم نے ربیع بن بدر طلحہ بن عبداللہ کے غلام مراد لئے ہیں یہ حضور صلعم کے شریک رہ چکے ہیں، ایک مرتبہ یہ حضور صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا تم مجھے جانتے ہو اس نے جواب دیا ہاں۔ اس کے بعد انھوں نے عرض کیا۔

نعم الشریك انت لاتد ارئ	آپ بہت اچھے شریک ہیں آپ نے نہ کبھی
ولا تماری۔	دھوکہ دیا اور نہ کبھی جھگڑا کیا۔

تداری ہمزہ کے ساتھ "مدارأۃ" سے ماخوذ ہے اور مدافعت حق کے معنی میں آتا ہے اور بلا ہمزہ کے مدافعت احسن کے معنی میں آتا ہے، آپ نے دوسروں کو وکیل بنایا بھی ہے اور آپ خود بھی وکیل بنے ہیں، اکثر آپ نے وکیل بنایا ہی ہے۔ آپ نے ہدیہ دیا بھی ہے اور ہدیہ قبول کیا بھی ہے۔ اسی طرح ہدیہ کا بدلہ بھی دیا ہے۔ اسی طرح ہبہ بھی کیا ہے اور ہبہ قبول بھی کیا ہے۔ آپ نے حضرت سلمہ بن الاکوع سے اس وقت فرمایا (جب ان کے حصہ میں ایک باندی آئی) تو مجھے اس باندی کو ہبہ کر دے چنانچہ انھوں نے ہبہ کر دیا۔ اس باندی کے عیوض آپ نے مکہ معظمہ میں مسلمان قیدیوں کو آزاد کرایا تھا۔

آپ نے رہن اور بلا رہن بھی قرض لیا ہے[1] اور عاریۃً[2] بھی لیا ہے اور نقد بھی خریدا اور ادھار بھی خریدا[3]۔ آپ اعمال کے عیوض جنت کے ضامن بھی بنے ہیں اور قرضوں کی ادائیگی کے لئے بھی ضامن بنے ہیں مثلاً کسی مسلمان کا انتقال ہو گیا اور وہ کچھ چھوڑ کر نہیں مرا تو آپ نے فرمایا یہ مجھ پر ہے چنانچہ آپ نے اس کو ادا کیا۔[4]

کہا گیا ہے کہ یہی حکم مسلمانوں کے امیر اور امام کو ہے کہ جب کوئی مسلمان ادائیگی قرضہ کے لئے سرمایہ نہ چھوڑ مرے تو اس کے بعد سلطان کو اس کا قرضہ ادا کرنا ہوگا۔ فقہا نے بیان کیا ہے اگر کسی کے کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح سے اس کا قرضہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا اسی طرح (معذورین) کا نان ونفقہ بیت المال کے ذمہ ہے بشرطیکہ ان کا نان ونفقہ

---

[1] حضرت عائشہ صدیقہ رضی فرماتی ہیں کہ حضور صلعم نے اپنی درع ایک یہودی کے رہن رکھ کر کھانے کا سامان لیا (بخاری و مسلم)

[2] جنگ حنین کے موقع پر آپ نے حضرت صفوان رضی سے ایک درع عاریۃً لی۔ حضرت انس رضی فرماتے ہیں حضور صلعم نے ایک پیالہ عاریۃً لیا اتفاق سے وہ ضائع ہو گیا تو آپ نے اسکا ضمان ادا کیا۔ رواہ ترمذی۔ جمع الفوائد صفحہ ۲۵۲ ج ۱۔ [3] آپ نے ایک دفعہ ایک دینار میں قربانی کا جانور خریدا۔ جمع الفوائد صفحہ ۲۵۶ ج ۱ [4] کتاب الجنائز میں اس قسم کی احادیث مل جائیں گی۔

برداشت کرنے والا کوئی نہ ہو۔

آپ نے اپنی ایک زمین وقف بھی کی ہے۔ اس کو فی سبیل اللہ صدقہ قرار دیدیا تھا۔ آپ نے سفارش بھی کی ہے۔ اور سفارش قبول بھی کی ہے۔ آپ نے حضرت بریرہ رضؓ سے ان کے (غلام) شوہر کے متعلق سفارش کی لیکن حضرت بریرہ نے اس کو منظور نہ کیا بلکہ آپ کی سفارش کو رد کر دیا تو نہ آپ کو ان پر غصہ آیا اور نہ آپ نے حضرت بریرہ پر عتاب فرمایا[۱]۔ بلاشک و شبہ حضور صلعم کی ذات گرامی تقلید کے قابل ہے اور آپ کا اسوہ ہی مشعل راہ بنایا جا سکتا ہے۔

آپ نے اسّی سے زیادہ مواضع میں قسم کھائی ہے[۲]۔ تین جگہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے قسم کے لئے حکم دیا ہے وہ مقامات یہ ہیں۔

ویستنبئونک احق ھو قل ای وربی انہ الحق	آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا سچ ہے آپ فرما دیجئے ہاں اپنے رب کی قسم یہ حق ہے

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وقال الذین کفروا لا تاتینا الساعۃ قل بلیٰ وربی لتاتینکم	کافر کہتے ہیں ہم پر قیامت نہ آئیگی آپ فرما دیجئے ہاں خدا کی قسم وہ تم پر ضرور آئے گی۔

تیسری جگہ ارشاد ہے۔

زعم الذین کفروا ان لن یبعثو قل بلیٰ وربی لتبعثن ثم لتنبؤن بما عملتم وذلک علی اللہ یسیر۔	کافر کہتے ہیں کہ وہ نہ اٹھائے جائیں گے آپ فرما دیجئے ہاں اپنے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں بتلایا جائیگا اور یہ تو اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے

قاضی اسماعیل بن اسحاق ابوبکر بن محمد بن داؤد ظاہری سے مباحثہ کیا کرتے تھے اور ان کو فقیہ تسلیم کر کے نہیں دیتے تھے۔ اتفاق سے ایک دن ابوبکر اور ان کا ایک مخالف قاضی صاحب کی عدالت میں مقدمہ لیکر آئے چنانچہ جب ابوبکر کے قسم کھانے کا نمبر آیا تو وہ اس کے لئے تیار ہو گئے تب قاضی اسماعیل صاحب نے فرمایا۔ آپ جیسا آدمی قسم کھائے تعجب ہے؟ ابوبکر نے کہا میرے لئے اس میں

---

[۱] حضرت بریرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی باندی تھیں اور ایک غلام کے عقد میں تھیں جب حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے ان کو آزاد کر دیا تو بر خیار عتق کی بنا پر اپنے شوہر کے نکاح سے خارج ہو گئیں ملاحظہ فرمائیے احادیث کی کتابوں میں خیار عتق

[۲] احادیث کی کتابوں میں اسّی جگہ قسم کھانا دستیاب ہو سکتا ہے۔ مثلاً حق جوار بیان فرماتے ہوئے آپ نے قسم کھائی واللہ لایومن الخ ملاحظہ فرمائیے مسلم اور سنن۔

وجہ ممانعت کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے نبی کو تین جگہ قسم کھانے کے لئے حکم دیا ہے چنانچہ ابو بکر نے وہ تینوں جگہ بتلا دیں۔ اس دن سے قاضی صاحب ان کو فقیہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔

حضور صلعم یمین میں استثنا بھی کر لیتے تھے۔ آپ نے کفارہ یمین بھی ادا کیا ہے[۱] اور یمین کو پورا بھی کیا ہے استثنا یمین کو منعقد ہونے سے روکتا ہے اور کفارہ یمین کو منعقد ہونے کے بعد حلال کر دیتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام تحلہ[۲] رکھا ہے یعنی حلال کرنے والا۔

آپ نے مزاح بھی فرمایا ہے اور مزاح میں آپ ہمیشہ سچ ہی بولتے تھے اور توریہ کرتے تھے اور توریہ میں سچ ہی فرماتے تھے[۳] مثلاً جب آپ کسی جہت کا ارادہ کرتے تو اس کی مخالف جہت کے بارے میں سوال کرتے کہ اس جانب کا راستہ کیسا ہے وہاں پانی کا حال کیا ہے۔ آپ مشورہ دیتے بھی تھے اور مشورہ لیتے بھی تھے[۴] آپ مریض کی عیادت بھی فرماتے[۵] اور جنازے میں بھی شرکت فرماتے تھے آپ دعوت بھی قبول فرما لیتے تھے[۶] آپ مسکینوں اور ضعیفوں کے ساتھ چلتے تھے اور ان کی ضروریات پورا کرنے کی سعی فرماتے[۷]

آپ نے شعر سنا بھی ہے اور اس پر انعام بھی دیا ہے[۸] لیکن اشعار میں جو آپ کی تعریف بیان کی گئی ہے وہ بہت کم تھی اور صحیح بات پر آپ نے انعام بھی فرمایا ہے۔ حضور صلعم کے علاوہ اکثر لوگوں کی تعریفیں جھوٹی ہی ہوتی ہیں اس وجہ سے آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

---

[۱] یمین یہ ہے کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھا لینا وغیرہ یا عہد کر لینا حضور صلعم نے اپنی ازواج کے پاس نہ جانے کا عہد کیا تھا اسکو ایلا کہا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں آپ نے اس ایلا کو توڑ دیا اور کفارہ ادا کیا۔ رواہ ترمذی (جمع الفوائد صفحہ ۲۳۴ ج ۱)

[۲] **کفارہ یمین کا بیان** کفارہ یمین یہ ہے کہ قسم توڑنے پر تین دن کے روزے مسلسل رکھے جائیں۔ یا دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے۔ شوافع کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے ہی کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے یہی مسلک علامہ نے اختیار کیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک قسم توڑنے پر کفارہ آتا ہے اسلئے کہ قسم کو توڑنے میں اہانت اسم باری ہے۔ اس جرم کی سزا کے طور پر کفارہ ہے ورنہ اگر پہلے ہی کفارہ ادا کرایا جائے تو قسم کھانا ہی کفارہ کو واجب کرتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ قسم توڑنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ شوافع بھی اس کے قائل ہیں مگر اس کے باوجود پیشگی کفارہ ادا کراتے ہیں۔ یہ حکم ان کے یہاں صرف کفارہ مالیہ میں ہے لیکن اگر روزے کے ذریعہ کفارہ ادا کیا جائے تو اس میں تاخیر کو کہتے ہیں۔ ہماری دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے جو باب الایلا میں مذکور ہے علامہ نے جس آیت سے استدلال فرمایا ہے وہ یہ ہے قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم۔ یہاں لام کے صلہ کے ساتھ ہونا ہی اس کی دلیل ہے کہ کفارہ کی ادائیگی بعد میں ہوگی ورنہ علی کے صلہ کیساتھ آتا علامہ کو غلط فہمی ہوئی۔ تفسیر مظہری صفحہ ۳۳۸ ج ۹ [۳] مثلاً ایک بوڑھیا سے فرمایا بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی حضرت انس رض سے فرمایا او دو کان والے۔ ایک اعرابی سے فرمایا تجھے اونٹ کا بچہ دونگا اسنے عرض کیا اسکو میں کیا کرونگا فرمایا ہر اونٹ اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے [۴] مثلاً غزوہ بدر و احد کے موقعہ پر [۵] حضرت ابو سلمہ کی بیماری میں انکی عیادت فرمائی اور بھی بہت واقعات ہیں [۶] آپ نے دعوت قبول کر لینے کو فرمایا بھی ہے [۷] آپ نے دعا فرمائی الٰہی مجھے مسکینوں کے ساتھ زندہ رکھ اور مسکین ہی موت دے اور مساکین کے زمرے ہی میں اٹھا [۸] مثلاً حضرت حسان بن ثابت رض کے اشعار سنے ہیں۔

ان یحثو فی وجوہ المداحین التراب — تعریف کرنے والوں کے منہ پر مٹی ڈال دی جائے۔

حضور صلعم کا دوڑ لگانا

آپ نے پیدل بھی دوڑ لگائی ہے اور آپ اس مقابلہ میں آگے نکل گئے تھے[1] آپ نے کشتی میں دوسرے کو پچھاڑا بھی ہے[2]۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنا جوتا بھی گانٹھا۔ اور اپنے کپڑے پر پیوند بھی لگایا ہے۔ اپنے ڈول میں ٹانکا بھی لگایا اپنی اور اپنے گھر والوں کی بذات خود خدمت بھی کی ہے۔ تعمیر مسجد میں اینٹیں بھی ڈھوئی ہیں[3]۔ آپ نے بھوک میں پیٹ پر پتھر بھی باندھا ہے[4]۔ اور پیٹ بھر کر کھانا بھی کھایا ہے۔

آپ مہمان بھی بنے اور میزبان بھی بنے[5]۔ آپ نے بیچ سر، کمر، قدم، گدی، گردن پر پچھنے بھی لگوائے[6] آپ نے علاج بھی کرایا۔ داغ بھی لگایا[7]، اور داغ لگوایا نہیں۔ آپ نے کچھ پڑھ کر دم بھی فرمایا لیکن دم کرایا نہیں[8] اور مریض کو پرہیز کی ہدایت بھی فرمائی ہے۔

اصول طب تین ہیں، پرہیز، حفظ صحت اور اخراج مادہ مضرہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں امت کے لئے اس کو تین جگہ ذکر فرمایا ہے ۱۔ مریض کو زیادتی مرض کے خوف سے پانی سے بچنے کی ہدایت

ان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر	اگر تم میں سے کوئی مریض ہو یا مسافر یا
اوجاء احد منکم من الغائط	جائے حاجت سے آئے یا اپنی بیوی سے
اولٰمستم النساء فلم تجدوا	مباشرت کرے اور پانی نہ پائے تو پاک اور
ماءً فتیمموا صعیداً طیباً۔	ستھری مٹی سے تیمم کرلے۔

لہٰذا مریض کیلئے برائے پرہیز تیمم کو مباح قرار دیا گیا ہے ۲۔ حفظ صحت کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

فمن کان منکم مریضاً او علیٰ	تم میں سے جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو، وہ
سفر فعدۃ من ایام اخر۔	گنتی کے دوسرے دنوں میں روزے رکھ لے۔

یہاں مسافر کے لئے افطار مباح قرار دیا ہے تاکہ اس کی جسمانی طاقت پر روزہ اور مشقت سفر بار نہ ہو

---

[1] مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کے ساتھ دوڑ لگانا۔ [2] ایک پہلوان نے آپ سے کشتی لڑی کہ اگر اس کو پچھاڑ دیا تو وہ مسلمان ہوجائے گا۔ [3] بنائے کعبہ اور تعمیر مسجد نبوی کے موقعہ پر [4] غزوہ خندق کے موقعہ پر۔

[5] ملاحظہ فرمائیے ہجرت میں ام معبد کے یہاں مہمان ہونا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضہ کے یہاں مہمان ہونا۔ آپ کے یہاں یہودی اگر مہمان ہوا اور رات میں آپ کے بستر پر پاخانہ کرکے بھاگ گیا۔ [6] ابوداؤد میں باب المحاجم میں احادیث موجود ہیں۔

[7] جہاد کے گھوڑوں کے داغ لگائے ہیں۔ [8] مثلاً حضرت حسنین رضہ پر دم فرمایا کرتے تھے۔ مرض الوفات میں بخار کی شدت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضہ معوذتین پڑھ کر آپ کے دست مبارک پر پھونک دیتی تھیں اور آپ کے دست مبارک آپ کے جسم پر پھیر دیتی تھیں۔

جائیں اور اس کو ضعیف نہ کر دیں۔ ۳۔ استفراغ کے متعلق محرم کو سر مونڈنے کی ہدایت ہے۔

فمن کان منکم مریضاً او بہ	تم میں سے جو مریض ہو یا کسی کے سر میں کوئی
اذی من رأسہ ففدیۃ من صیام	شکایت ہو (وہ سر منڈا دے) وہ بدلہ میں
او صدقۃ او نسک	روزے یا صدقہ یا قربانی ادا کرے۔

یہاں مریض اور جس کے سر میں کوئی شکایت ہو اور وہ محرم بھی ہو اس کو اجازت دی گئی ہے کہ سر مونڈوا دے اور مادۂ فاسدہ کا اخراج کرا دے جیسا کہ حضرت کعب بن عجرۃ رضؓ کے سر میں زیادہ جوئیں ہو گئیں تھی تب ان کو سر مونڈنے کی اجازت عطا کی گئی۔ بہر حال یہ تینوں چیزیں اصول طب ہیں میں نے اس جگہ تنبیہاً اور تحدیث نعمت باری کے طور پر بیان کر دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اور وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔

آٹھواں باب

معاملات اور معمولات

حضور صلعم کے معاملات

آپ معاملات میں تمام انسانوں میں بہترین انسان تھے۔ جب آپ قرض لیتے تو نہایت عمدگی کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور اس کو یہ دعا بھی دیتے تھے۔

بارک اللہ لک فی اھلک و مالک انما جزاء السلف الحمد والاداء	اللہ تعالیٰ تیرے مال اور اولاد میں برکت دے قرضہ کی جزا تو ادائیگی اور تعریف ہے۔

آپ نے ایک آدمی سے چالیس صاع غلہ قرض لیا۔ اتفاق سے اس انصاری کو حاجت پیش آگئی وہ آپ کے پاس آیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ابھی تو ہمارے پاس ادائیگی کے لئے کچھ نہیں ہے (اور ابھی مدت بھی پوری نہیں ہوئی) اس انصاری نے کچھ کہنا چاہا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

لا تقل الا خیرا وانا خیر من تسلف	بھلی بات کے علاوہ کچھ نہ کہنا کیونکہ میں قرض ادا کرنیوالوں میں بہت اچھا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے اس انصاری کو چالیس صاع قرضہ کے اور چالیس صاع مزید ہبہ کے طور پر ادا کئے (اس کو سود نہ سمجھنا چاہیئے) اس روایت کو بزار نے روایت کیا ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ ایک اونٹ قرض لیا۔ اس کا مالک جب تقاضہ کے لئے آیا تو ذرا شدت سے کام لیا۔ آپ کے صحابہ رضا کو یہ ناگوار ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

دعوہ فان لصاحب الحق مقالاً	اس کو چھوڑ دو۔ صاحب حق کو کہنے کی گنجائش ہے۔

آپ نے ایک مرتبہ کوئی چیز خریدی۔ ادائیگی کے لئے آپ کے پاس اس کی قیمت نہ تھی۔ اتفاق سے وہ چیز زیادہ قیمت پر فروخت ہوگئی تو آپ نے سب منافع بنی عبدالمطلب کے فقراء کو تقسیم کردیا اور اس کے بعد ہدایت فرمادی کہ جب تک میرے پاس ادائیگی کو قیمت نہ ہو کوئی چیز نہ خریدی جائے۔ اس روایت کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔

یہ روایت ایک مقررہ مدت کی خریداری کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس کا مطلب کچھ اور ہے۔ اور اس سے کچھ اور ہی منشا ہے۔ اس کے علاوہ ایک قرض خواہ نے آپ پر تقاضہ کیا اور اس میں شدت اختیار کی۔ حضرت عمر بن خطاب رضؓ نے بھی سن لیا اور کچھ اظہار ناراضگی کیا۔ تب آپ نے ان سے فرمایا۔

مہ یا عمر کنت احوج الی ان	عمر! ٹھہرو! میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں
تامرنی بالوفاء وکان احوج الی	کہ تم مجھ سے ادائیگی کے بارے میں کہو اور وہ
ان تامرہٗ بالصبر	اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو صبر کیلئے کہو۔

ایک یہودی نے آپ کو کوئی چیز ادھار فروخت کی اور مدت پوری ہونے سے پہلے تقاضہ کے لئے آگیا۔ اور کہنے لگا اے بنی عبدالمطلب آپ لوگوں کی عادت ٹال مٹول ہی کی ہے۔ اس بات کو آپ کے صحابہ رضؓ نے سن لیا۔ آپ نے ان کو منع فرمایا اور خود بھی نہایت حلم سے کام لیا۔ تب اس یہودی نے کہا میں نے تمام علامات نبوت موجود پائی ہیں صرف ایک باقی تھی وہ یہ کہ شدت جہل میں بھی آپ بہت زیادہ حلم کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔ اسی کے دیکھنے کے لئے میں نے ایسا کہا تھا اس کے بعد وہ یہودی مسلمان ہوگیا۔

آپ کے چلنے کا بیان

حضور صلعم جب چلتے تو گردن جھکا کر چلتے اور سکون و وقار اور اچھی رفتار سے لوگوں سے تیز چلتے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلعم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا گویا کہ چہرہ مقدس میں سورج چمک رہا ہے اور میں نے آپ سے زیادہ اچھی اور تیز رفتار والا کوئی انسان نہیں دیکھا گویا زمین آپ کے لئے لپیٹ دی گئی ہے۔ ہمارے سانس پھولنے لگتے اور حضور صلعم معتدل رفتار کے ساتھ چلتے تھے۔ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلعم اذا	حضور صلعم گردن جھکا کر چلتے گویا کہ ڈھلوان
مشی تکفاء تکفیاً کانما ینحط من	زمین میں اتر رہے ہیں۔
صبب	

اور حضرت علی رضؓ نے ایک مرتبہ فرمایا جب آپ چلتے تو "تقلع" کے ساتھ چلتے۔ میں کہتا ہوں تقلع بلند

زمین کو کہتے ہیں۔ بخلاف اونچی زمین سے نیچے اترنے کو یعنی شجاعت اور بہادری کے موقعہ پر آپ ایسے چلتے گویا اوپر کو ایک شجاع آدمی جارہا ہے۔ یہ رفتار معتدل رفتار اور اعضا کو راحت دینے والی ہوتی ہے۔ اور تھکا دینے والی رفتار سے بالکل مشابہ نہیں ہوتی کیونکہ اس رفتار میں آدمی ایسے چلتا ہے گویا ڈنڈا زمین سے اکھاڑ رہا ہے۔ یہ رفتار بھدی اور بری رفتار ہے لیکن پریشانی اور اضطراب کی چال.... یہ بھی مذموم اور بھدی ہے جیسے کہ اونٹ چلتا ہے۔ یہ رفتار چلنے والے کی بیوقوفی پر دلالت کرتی ہے خصوصاً اس وقت کہ چلنے والا ادھر ادھر تکتا ہو۔ اور نرمی و مسکنت کے ساتھ چلنا تو یہ رفتار اللہ کے نیک بندوں کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس رفتار کی تعریف فرمائی ہے ارشاد ہے۔

وعباد الرحمٰن الذین یمشون	اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے
علی الارض هوناً	چلتے ہیں۔

اکثر اسلاف نے فرمایا ہے یہ رفتار، وقار اور مسکنت کی رفتار ہے۔ اس میں تکبر اور اکڑ نہیں ہوتی یہی رفتار حضور صلعم کی تھی۔ اس رفتار میں آپ ایسے چلا کرتے تھے کہ گویا ڈھلوان زمین پر چل رہے ہیں اور زمین آپ کے لئے لپیٹ دی گئی ہے۔ اور حد یہ ہے کہ چلنے والوں کے سانس پھولنے لگتے حالانکہ آپ معتدل رفتار سے چلا کرتے تھے۔

بہر حال یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی رفتار میں نہ تکبر تھا اور نہ تھکاوٹ بلکہ آپ کی رفتار بہت معتدل تھی (اس جگہ یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے) رفتار کی دس قسم ہیں تین تو اوپر گذر چکی ہیں باقی ۴ السعی ۵ الرمل (جھپٹ کر چلنا اور مونڈھے ہلا کر چلنا) صحیح حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابن عمرؓ ہیں

ان النبی صلعم خب فی طوافہ	حضور صلعم اپنے طواف کے تین چکر میں اچک کر
ثلاثاً ومشی اربعاً	چلے اور چار میں معمولی رفتار سے چلے

۶۔ النسلان یہ ہلکی دوڑ ہوتی ہے اس میں چلنے والا زیادہ نہیں تھکتا۔ بعض مسانید میں روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر پیدل چلنے والوں نے آپ سے شکایت کی (کہ سواروں کے ساتھ کس طرح چلیں) اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا۔

استعینوا بالنسلان	ہلکی دوڑ سے کام لو

۷۔ الخوزلی ہے (عورتوں کی طرح جھک جھک کر چلنا) اس میں ایک قسم کا زنانہ پن ہوتا ہے۔
۸۔ القهقری یہ الٹا چلنے کا نام ہے ۹۔ الجزی۔ اس میں چلنے والا کود کود کر چلتا ہے۔
۱۰۔ التبختر یہ متکبرین کی رفتار کا نام ہے اس قسم کی چال چلنے والے ایک متکبر کو اللہ تعالیٰ نے زمین

میں دھنسادیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی رہے گا۔

بہرحال ان تمام رفتاروں میں معتدل رفتار رفتار ہون اور رفتار تکفی ہے (ان دونوں کا ذکر ہو چکا ہے) اور آپ اپنے اصحاب کے ساتھ اس طرح چلتے تھے کہ وہ آپ سے آگے اور آپ انکے پیچھے ہوتے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

دعوا ظھری للملائکۃ — میری پشت فرشتوں کے لئے چھوڑ دو

اسی وجہ سے حدیث میں مذکور ہے کہ آپ اپنے اصحاب کو آگے چلاتے۔ آپ ننگے پیر بھی چلے اور جوتا پہن کر بھی چلے آپ اپنے صحابہ کے ساتھ جماعت کی صورت میں بھی چلے۔ بعض غزوات میں آپ تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ کی انگشت مبارک کٹ گئی اور اس سے خون بہنے لگا تب آپ نے ارشاد فرمایا

هل انت الا اصبع دميت — وفی سبیل اللہ ما لقيت

تو ایک خون آلود انگشت ہی تو ہے — اور تجھکو یہ جو کچھ ملا ہے خدا کی راہ میں ملا ہے۔

اور کمزور صحابہ رضؓ کو آپ نرمی سے چلاتے اور ان کو اپنی سواری پر بھی سوار کر لیتے تھے۔ اس روایت کو ابو داؤد نے بیان کیا ہے۔

حضور صلعم کے بیٹھنے اور تکیہ لگانے کا بیان

آپ زمین پر بھی بیٹھ جاتے تھے اور بوریہ اور بستر پر بھی بیٹھ جاتے تھے

حضرت قیلہ بنت مخرمہ فرماتی ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے میں نے جب رسول اللہ صلعم کو اس طرح متواضع بیٹھے دیکھا تو میں لرز گئی۔ جب حضرت عدی بن حاتم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اپنے گھر چلنے کی دعوت دی تو ایک بچی نے ایک چھوٹا گدا پیش کیا آپ نے اس کو تو اپنے اور عدی بن حاتم کے بیچ میں رکھ لیا اور خود زمین پر تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت عدی فرماتے ہیں اس سے میں یہ سمجھا کہ شاید یہ آپ کی ملک نہیں ہے۔ آپ کبھی چت لیٹ جاتے اور کبھی ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ کر لیٹ جاتے۔ کبھی آپ تکیہ پر سہارا لے لیتے تھے اور کبھی داہنے پہلو پر ٹیک لگا لیتے اور کبھی بائیں طرف کو ٹیک لگا لیتے۔ اور بعض دفعہ ضعف کی وجہ سے اپنے صحابہ رضؓ کے کندھوں پر سہارا لیکر بھی باہر تشریف لائے ہیں۔[1]

حضور صلعم کے قضاء حاجت کا طریقہ

جب آپ بیت الخلاء داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

[1] مرض الوفات میں ایسا ہوا ہے۔

اللھم انی اعوذبک[۱] من الخبث والخبائث[۱] الرجس النجس الشیطان الرجیم۔

اور جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ پڑھتے "غفرانک"[۲] آپ نے کبھی صرف پانی سے استنجا کیا ہے اور کبھی صرف پتھروں سے اور دونوں سے بھی کیا ہے اور جب کبھی آپ کو سفر میں قضاءِ حاجت کی ضرورت پیش آتی تو اتنی دور تشریف لے جاتے کہ اپنے اصحاب کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔[۴] اور ایسا اوقات دو دو میل تک دور چلے جاتے تھے اور قضائے حاجت کے وقت آپ آڑ کر لیتے تھے کبھی کھجور کی شاخوں کی آڑ میں اور کبھی جنگل کے کسی درخت کی آڑ میں قضائے حاجت فرماتے۔

اور جب آپ پیشاب فرمانے کا ارادہ فرماتے تو سخت زمین کو کسی لکڑی کی نوک سے کرید کر نرم کر لیتے (تاکہ پیشاب کی چھینٹیں نہ اڑیں) اکثر آپ نرم زمین میں ہی پیشاب کرتے۔ آپ کی عادت شریفہ بیٹھ کر ہی پیشاب کرنے کی تھی۔ حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ جو تم سے یہ بیان کرے کہ آپ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اس کی تصدیق نہ کرو۔

ماکان یبول الا قاعدا — آپ بیٹھ ہی کر پیشاب فرماتے تھے

امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضہ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر بھی پیشاب کیا ہے یہ بیان جواز کے طور پر تھا اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ عذر کی وجہ سے تھا، اس وقت آپ کے گھٹنے کے نیچے یعنی اندر کی طرف درد کی شکایت تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے علاجاً ایسا کیا ہے۔ امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ عرب کی عادت تھی کہ وہ کمر کے درد کا علاج کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے کرتے تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ ایسا آپ نے پیشاب کی چھینٹوں سے بچنے اور اس سے دور رہنے کی وجہ سے کیا تھا۔ کیونکہ یہ واقعہ وہ ہے کہ آپ ایک کوڑی کے پاس آئے اتفاق سے وہ جگہ اونچی تھی آپ نے دیوار کی آڑ لیکر اس کوڑی پر پیشاب کیا اگر اس جگہ بیٹھ کر پیشاب کیا جاتا تو وہ لوٹ کر پیشاب کرنیوالے کیطرف کو آتا۔ بہرحال اسجگہ سوائے کھڑے ہو کر پیشاب کرنیکے چارہ کار نہیں تھا[۱] امام ترمذی نے حضرت عمر رضہ سے

---

[۱] ابوداود کی روایت الخبائث تک ہے [۲] بعض روایات میں غفرانک الحمد للہ الذی اذھب عنی اذا امسک علیّ ماینفعنی کے الفاظ بھی ہیں [۳] رواہ ترمذی۔

بیٹھ کر پیشاب کرنا[۱] بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ تحریمہ ہے اور عذر کیوجہ سے اجازت ہے مثلاً اوپر چند مثالیں گذر چکی ہیں ان سے بیان جواز اور عذر میں اجازت ثابت ہے اور عذر، ضرورت، تو اباحت پیدا کر ہی دیتے ہیں انکا موضوع ہی یہ ہے۔ علامہ کشمیری نے فیض الباری میں ایک مشورہ دیا ہے "مناسب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنیکے حکم میں تنگی پیدا کی جائے کیونکہ یہ ہمارے زمانہ میں شعار نصاریٰ ہے اور کم از کم کراہت تنزیہہ سے تو نیچے نہ اترنا چاہیئے ص ۳۱ ج ۱ اس پر صاحب تحفۃ الاحوذی نے گرفت کی ہے۔ فرماتے یہ تسلیم کہ اس زمانہ میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں رخصت ہو (باقی اگلے صفحہ پر)

روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

رانی رسول اللہ صلعم وانا ابول قائماً فقال یا عمر لا تبل قائماً قال فما بلت قائماً بعد	مجھے حضور صلعم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا یا عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو اسکے بعد میں نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں اس حدیث کو عبدالکریم بن ابی المخارق نے ذکر کیا ہے اور وہ ضعیف ہیں[1]۔ مسند بزار اور دوسری کتابوں میں حضرت عبداللہ بن بریدہ کی روایت اپنے والد کے واسطے سے منقول ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ثلاث من الجفاء ان یبول الرجل قائماً او یمسح جبہتہ قبل ان یفرغ من صلاتہ وینفخ فی سجودہ	تین باتیں گنوار پن کی ہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔ نماز سے فارغ ہونے سے قبل پیشانی کو صاف کرنا اور سجدہ میں پھونک مارنا[2]

اس روایت کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے ان کا فرمانا ہے کہ یہ روایت غیر محفوظ ہے۔ بزار نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اس روایت کو عبداللہ بن بریدہ رضہ سے بجز سعید بن عبیداللہ کے کسی اور نے بھی روایت کیا ہے۔ بہرحال بزار نے اس پر بڑی جرح نہیں کی۔ حاتم نے کہا ہے کہ یہ راوی بصری ہیں مشہور ہیں اور ثقہ ہیں۔

گذشتہ سے پیوستہ غیر مسلمین کا عمل ہونا یہ وجہ مانع نہیں ہو سکتا صـ ۳۴ ج ۱۔ علامہ نے دراصل مشورہ دیا ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا دوسروں کا شعار ہے اس میں سختی کرنی چاہیئے تاکہ اسلامی تہذیب فنا نہ ہو جائے اور یہ بھی یہی بات اپنی تہذیب کی حفاظت بہرحال ایک کام ہے اس میں اگر عذر، بلا عذر رخصت کو عام کر دیا جائے تو اسلامی تہذیب ختم ہو جائے گی۔ اتنی چھوٹ نہیں ہونا چاہیئے جتنی صاحب تحفۃ الاحوذی نے دی ہے آج کل نئی انگلش عمارتوں میں پیشاب گاہیں ایسی بنی ہیں جہاں بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن نہیں۔ ایسے مواقع پر اجازت ہونے میں مضائقہ نہیں اسکے علاوہ جس جگہ جا جا جانوروں کی طرح پیشاب کر دیا یہ یقیناً بہت زیادہ غلیظ اور قبیح جہالت ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

[1] عبدالکریم بن ابی المخارق کو ضعیف کہنا غلطی ہے۔ بخاری میں ان کی تعلیقاً روایات موجود ہیں جن کا مرتبہ موصول ہی کے درجہ میں ہے امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام مالک نے موطا میں ان سے روایات ذکر کی ہے۔ امام مسلم نے ان پر کوئی جرح نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں۔ ضعیف عبدالکریم الجزری ہیں اور دونوں بعض اساتذہ میں شریک ہیں۔ اور یہی اشتباہ سبب جرح بن گیا ہے۔ حیات امام اعظم ابوحنیفہ صـ ۵۲۔

[2] یعنی جب سجدہ میں جائے تو پھونک مار کر جگہ صاف نہ کرے یہ مکروہ ہے۔

جب آپ بیت الخلاء سے تشریف لاتے تو قرآن پاک کی تلاوت فرماتے یعنی بعض دفعہ آپ کو دیکھا گیا ہے کہ بیت الخلاء سے خارج ہوئے پر آپ کی زبان مبارک پر قرآن پاک کی آیات جاری ہیں۔ آپ بائیں ہاتھ سے استنجا فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا جیسا کہ وہمی لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ مثلاً ذکر کو کھینچنا، کھانسنا، کودنا، رسی پکڑنا، سیڑھی پر چڑھنا، پیشاب کے سوراخ میں روئی رکھنا، پانی ڈالنا، ادھر ادھر گھومنا، بہر حال یہ سب چیزیں وہمیوں کی ایجاد ہیں۔

حضور صلعم سے مروی ہے کہ جب آپ پیشاب فرماتے تو ذکر کو تین مرتبہ جھاڑتے۔ روایت ہے کہ آپ نے اس کا حکم بھی فرمایا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ نے نہ ایسا کیا اور نہ اس کا حکم دیا۔۔۔ [۱] ابو جعفر عقیلی فرماتے ہیں کہ پیشاب کرنے کی حالت میں جب کوئی آپ کو سلام کرتا تو آپ سلام کا جواب نہ دیتے لیکن امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور بزار نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے اس حالت میں بھی سلام کا جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

انما رددت علیك خشیة ان	میں نے تیرے سلام کا جواب اس وجہ سے نہ
تقول سلمت علیه فلم یرد علی سلامًا	دیا کہ تو کہتا کہ میں نے سلام کیا اور جواب نہیں
فاذا رایتنی هكذا فلا تسلم علی	دیا آئندہ اگر ایسا دیکھے تو سلام ذکر نا میں
فانی لا ارد علیك السلام	سلام کا جواب نہ دوں گا۔

ممکن ہے یہ دو مرتبہ ہوا ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مسلم کی حدیث صحیح ہے کیونکہ یہ حدیث ضحاک بن عثمان عن نافع عن ابن عمر رضی کی سند سے مروی ہے اور بزار کی روایت ابو بکر نامی ایک شخص (جو عبداللہ بن عمر رضی کی اولاد میں سے ہے) سے مروی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ابو بکر بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر رضی ہیں۔ ان سے امام مالک نے بھی روایت نقل کی ہے بہر حال ضحاک بہت ثقہ ہیں [۲]

حضور صلعم جب پانی سے استنجا فرماتے تو زمین پر ہاتھ مار کر ہاتھوں کو دھوتے۔ جب آپ قضائے حاجت کیلئے بیٹھتے تو کپڑا اسوقت اٹھاتے جب زمین سے قریب ہو جاتے۔

مختلف امور میں سنت نبویہ

گذشتہ سطور میں ختنوں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ آپ مختون پیدا ہوئے یا پہلی مرتبہ جب فرشتوں نے آپ کا سینہ چاک کیا اسی وقت انھوں نے ختنہ بھی کر دی تھی یا آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی ختنہ کرائی تھیں۔

---

[۱] قطرات بول کی اگر شکایت ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ [۲] غرض یہ ہے کہ ایسی حالت میں سلام کا جواب دینے میں رخصت ہے بشرطیکہ ایسا ہی اندیشہ ہو جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

آپ ہر خیر کام کو دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے حدیہ ہے کہ جوتا پہننے، کنگھا کرنے کھانے پینے، وضو کرنے اور دینے اور لینے وغیرہ میں دائیں طرف سے ہی ابتدا فرماتے اور استنجا کرنے بیت الخلا جانے میں بائیں جانب سے ابتدا کو پسند فرماتے تھے۔

سر منڈوانے میں آپ کی عادت شریفہ تھی یا تو پورے سر پر بال رکھنا یا پورے سر کے بال منڈوانا آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ سر کے کچھ بال کٹوا دیئے اور کچھ باقی رکھے[۱]۔ آپ سے سر کے بال منڈوانا مناسک کے علاوہ ثابت نہیں ہے۔

آپ مسواک کرنے کو بہت پسند فرماتے۔ آپ نے روزہ کی حالت میں بھی اور بلا روزے کے بھی مسواک کیا ہے۔ آپ اراک (پیلو) کی لکڑی سے مسواک فرمایا کرتے تھے۔ آپ بیدار ہونے کے بعد، نماز کے وقت، وضو کے وقت گھر میں داخل ہونے کے بعد مسواک فرمایا کرتے تھے[۲]۔ آپ خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے اور خوشبو بہت زیادہ استعمال فرمایا کرتے تھے (حدیہ ہے کہ حضرات صحابہ رضہ کا فرمانا ہے کہ آپ راستہ سے گذرتے تو معلوم ہو جاتا کہ آپ ادھر کو ہو کر گئے ہیں ؂

پتہ دیتی ہے شوخی نقش پا کی   کوئی اس راہ سے ہو کر گیا ہے

آپ سے مروی ہے کہ آپ نے نورہ (چونا اور ہڑتال کا مرکب) بھی (بال صاف کرنے کیلئے) استعمال فرمایا ہے۔ آپ نے گیسوئے معنبر کو اپنے سر کے پچھلی طرف کو بھی لٹکایا ہے اور سر مقدس میں مانگ بھی نکالی ہے۔ مانگ نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ کل بالوں کے دو حصے کر لیتے تھے آدھے ایک طرف کو اور آدھے دوسری طرف کو لٹکا لیتے تھے۔

آپ حمام میں کبھی داخل نہیں ہوئے اور نہ آپ نے اس کو دیکھا (غالباً اس وقت عرب میں اس کا رواج نہ ہوگا کیونکہ اس کا تعلق عجمی تہذیب سے ہے) اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ حمام کے متعلق کوئی حدیث صحیح مروی نہیں ہے۔

آپ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی۔ آپ روزانہ رات کو سوتے وقت ہر ایک آنکھ میں تین سلائی لگایا کرتے تھے۔ حضرات صحابہ رضہ کا خضاب کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت انس رضہ فرماتے ہیں کہ آپ نے خضاب نہیں لگایا اور حضرت ابو ہریرہ رضہ فرماتے ہیں کہ آپ نے خضاب لگایا ہے۔ حماد بن سلمہ نے عن حمید عن انس رضہ روایت نقل کی ہے کہ

---

[۱] جیسا کہ آجکل انگلش فیشن بال ہوتے ہیں یہ یورپین لوگوں خصوصاً نصاریٰ کی ایجاد ہے [۲] غالباً اس میں حکمت یہ ہے کہ زوجین کے تعلقات میں خوشگواری رہے اور دونوں میں زیادہ محبت ہو جائے کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر زوجین میں کسی کی طبیعت نظافت پسند نہیں ہے تو تنفر پیدا ہونے لگتا ہے۔ حضور صلعم نے امت کی تعلیم کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا۔ واللہ اعلم

رایت شعر رسول اللہ صلعم مخضوباً — میں نے آپ کے بالوں کو خضاب لگا دیکھا ہے۔

حماد کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن محمد بن عقیل نے بتلایا ہے کہ میں نے حضرت انس رضؓ کے پاس حضور صلعم کے شعرِ مبارک خضاب لگے ہوئے دیکھے ہیں۔ ایک جماعت کا یہ بھی کہنا ہے کہ چونکہ حضور صلعم خوشبو زیادہ لگاتے تھے اس وجہ سے آپ کے گیسوے مبارک سرخ سے نظر آتے تھے۔ بیان کرنے والے نے اس کو ہی خضاب سمجھ لیا۔ حالانکہ آپ نے خضاب نہیں لگایا۔ حضرت ابو رمثہ کہتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کے ساتھ حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کیا یہ تمہارا بیٹا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا نہ تو اس کو اذیت دینا اور نہ یہ تیرے لئے باعث اذیت بنے۔ حضرت ابو رمثہ کہتے ہیں۔

رایت المشیب احمر — میں نے بالوں میں بڑھاپے کی سرخی دیکھی۔

ترمذی نے کہا ہے کہ اس باب میں یہ روایت احسن ہے میں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس بارے میں یہ روایت صحیح ہے کہ حضور صلعم کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی نہیں دیکھی۔ حماد بن سلمہ نے بروایت سماک بن حرب نقل کیا ہے کہ انھوں نے حضرت جابر بن سمرہ رضؓ سے پوچھا کیا حضور صلعم کے سرِ مبارک میں بڑھاپے کی سفیدی تھی۔ انھوں نے جواب دیا نہیں۔ ہاں چند بال پورے سر میں متفرق طور پر تھے جب آپ تیل لگاتے اس وقت ظاہر ہونے لگتے تھے۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ آپ

کان یکثر دھن راسہ ولحیتہ ویکثر القناع وکان ثوبہ ثوب زیات — آپ اکثر سر اور داڑھی کو تیل لگاتے اور سر پر کپڑا رکھتے (وہ کپڑا) ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے روغن گر کا۔

آپ کنگھی کرنا پسند فرماتے۔ آپ نے خود بھی کنگھی کی ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے بھی آپ کے سر میں کنگھی کی ہے۔ آپ کے بال نہ زیادہ تھے نہ کم۔ اور آپ کے بالوں کی لٹ کان کی لونک آتی تھی اور جب بال لمبے ہو جاتے تو آپ ان کی چار لٹیں بنا لیتے تھے۔ حضرت ام ہانی رضؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلعم مکہ معظمہ میں ایک مرتبہ ہمارے یہاں آئے تو آپ کے بالوں کی چار لٹیں تھیں اور یہ حدیث صحیح ہے علاوہ ازیں حضور صلعم خوشبو بھی واپس نہ فرماتے تھے چنانچہ آپ سے صحیح مسلم کی حدیث میں منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

من عرض علیہ ریحان فلا یردہ فانہ طیب الرائحۃ خفیف — جس کو (ریحان) خوشبو پیش کی جائے وہ اسکو واپس نہ کرے کیونکہ اسکی بو بھی اچھی ہوتی

المحمل ہے اور یہ ہلکی بھی ہوتی ہے۔

حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں اور بعض نے آپ سے یہ بھی روایت کیا ہے۔

من عرض علیہ طیب فلا یردہٗ — جس کو خوشبو دی جائے وہ اسکو واپس نہ کرے

یہ روایت پہلی حدیث کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ ریحان کے لینے میں کوئی زیادہ احسان نہیں ہے اور لوگوں کی عادت بھی اس کے خرچ کرنے کی ہے۔ بخلاف مشک، عنبر، غالیہ وغیرہ کے لیکن اسی کے ساتھ بروایت عروہ بن ثابت عن ثمامہ ثابت ہے کہ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلعم لا یردہ الطیب — حضور صلعم خوشبو واپس نہیں فرماتے تھے۔

اس کے علاوہ حضرت ابن عمر رضؓ کی یہ روایت کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ثلاث لا ترد الوسائد والدھن، اللبن — تین چیزیں نہ لوٹائی جائیں تکیہ، تیل (خوشبو) دودھ۔

یہ حدیث معلول ہے اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی علت بھی ذکر کر دی ہے کہ مجھے اب یاد نہیں اس میں جو کچھ بیان کیا ہے ہاں عبداللہ بن مسلم بن جندب عن ابیہ عن ابن عمر کی سند سے یہ روایت ہے اور اس کا شمار مراسیل ابی عثمان الھندی میں ہے حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اذا اعطی احدکم الریحان فلا یردہٗ فانہ خرج من الجنۃ — جسکو ریحان پیش کیا جائے وہ واپس نہ کرے کیونکہ یہ جنت سے آئی ہے۔

حضور صلعم کے پاس ایک عطردان تھا اس سے خوشبو نکال کر استعمال فرمایا کرتے تھے اور آپکو مشک زیادہ پسند تھا اور آپ فاغیہ بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ فاغیہ حنا کی خوشبو کا نام ہے۔

حضور صلعم کا مونچھ تراشنے کا طریقہ

ابو عمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حسن بن صالح نے سماک سے اور انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضؓ سے روایت کی ہے۔

ان رسول اللہ صلعم یقص شاربہٗ — حضور صلعم اپنی مونچھوں کو تراش کرتے تھے۔

ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم عؑ بھی اپنی مونچھوں کو تراشہ کرتے تھے۔[۲] اس بارے میں حضرت ابن عباس رضؓ کی علما کی ایک جماعت نے موافقت کی ہے۔ ترمذی نے زید بن ارقم رضؓ کی روایت نقل کی ہے کہ

---

[۱] آجکل ہندوستان کی معاشرت میں چائے اور پان اسی درجہ میں ہے یعنی اگر کوئی انکو پیش کرے تو انکار نہ کرنا چاہیئے۔ [۲] ملاحظہ فرمایئے تفسیر مظہری تفسیر آیت مبارکہ اذا ابتلی ابراھیم ربہ الخ۔

قال رسول الله صلعم من لم یاخذ من شاربہ لیس منا

حضور صلعم نے ارشاد فرمایا جس نے مونچھوں کو نہ تراشہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا ہے یہ حدیث صحیح ہے[۱]۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضہ کی ایک روایت نقل کی ہے

قصوا الشوارب واعفوا اللحی وخالفوا المجوس۔

مونچھیں کٹواؤ۔ داڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی (اس طرح) مخالفت کرو۔

بخاری و مسلم کی مشترکہ روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واحفوا الشوارب

مشرکین کی مخالفت (اس طرح کرو کہ) داڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو صاف کرو۔

امام مسلم..... نے حضرت انس رضہ کی روایت نقل کی ہے۔ حضرت انس رضہ فرماتے ہیں کہ

وقت لنا النبی صلعم فی قص الشوارب وتقلیم الاظفار ان لا نترک اکثر من اربعین یوما ولیلۃ

ہمارے لئے حضور صلعم نے مونچھیں اور ناخن کاٹنے کا وقت مقرر فرمادیا کہ ہم چالیس دن رات سے زیادہ نہ چھوڑے رکھیں۔

اسلاف میں مونچھوں کے کاٹنے یا مونڈنے میں اختلاف ہے کہ دونوں میں کون افضل ہے۔ امام مالک نے موطا میں تحریر فرمایا ہے کہ مونچھوں کو اتنا لیا جائے کہ ہونٹ کے کنارے صاف ظاہر ہونے لگیں بالکل صاف نہ کر دیا جائے کہ مثلہ ہو جائے۔ ابن عبد الحکم نے امام مالک کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ اور احفاء الشارب سے مراد بالکل مونڈنا نہیں ہے امام مالک کے نزدیک ایسے آدمی کو تادیب کرنی چاہیئے جو مونچھیں مونڈ دیتا ہے۔ ابو القاسم نے امام مالک کا دوسرا قول نقل کیا ہے کہ احفاء الشارب سے مراد مونڈنا میرے نزدیک مثلہ[۲] ہے۔ امام مالک نے حدیث کا مطلب

---

۱ رئیس احمد جعفری نے اس پر نوٹ دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے حالانکہ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی رکھنا اور مونچھوں کو ترشوانا، مسلمانوں کا شعار ہے غیر مسلم اگر داڑھی مونچھ رکھتے ہیں تو وہ ایسی نمایاں فرق کی وجہ سے ہر جگہ ہر وقت ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں سکھ اور سادھو بھی داڑھی اور مونچھ رکھتے ہیں لیکن ہمارے اور انکے درمیان کھلا ہوا فرق ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے طریقہ مسنونہ کے مطابق داڑھی اور مونچھ دبنائیں اپنے اسلامی طرز زندگی کو چھوڑ کر دوسرا طرز زندگی اختیار کیا ہے لہذا بظاہر وہ ہم میں سے نہ ہوا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اسلامی اعتقادات کی بنا پر مسلمان ہے شریعت اسکو کافر نہ کہے گی لیکن اسمیں کیا شک ہے کہ ایسے اشخاص شکل و صورت کے اعتبار سے دوسروں کے سواد اعظم میں اضافہ کرتے ہیں ظاہر اً دیکھکر یہی کہا جائیگا کہ یہ انہیں سے ہیں یہ تو حدیث کا مطلب ہے لیکن اللہ کے بندے کی سمجھ میں جب یہ مطلب نہ آیا تو کہہ دیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور بلا دلیل کہا

۲ مثلہ یہ ہے کہ قدرتی خلقت کو بگاڑ دیا جائے مثلاً داڑھی بالکل صاف کرا دینا یا جسم کو گودنا۔

بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ مونچھ مونڈنے سے مراد صرف کناروں یعنی لبوں کا صاف کرنا ہے، نہ یہ کہ اوپر کا حصہ بھی مونڈ یا جائے امام موصوف فرماتے ہیں مونچھ بالکل مونڈ دینا میرے نزدیک بدعت ہے جو شخص ایسا کرے اس کو تادیب کرنی چاہیئے یعنی چند کوڑے لگوائے جائیں۔ امام ممدوح نے فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب حالت مرض میں کپڑا اوڑھ کر لیٹ جاتے تھے اور لیٹے ہوئے مونچھ کو اینٹھا کرتے تھے (اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضؓ اپنی مونچھیں بالکل صاف نہیں کراتے تھے بلکہ لبیں تراشنے کے بعد مونچھوں کے دونوں جانب کو اس قابل رکھتے کہ ان کو موڑا جا سکے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ سنت صرف لبیں تراشنا ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں اس مسئلہ میں امام شافعی صاحب کا مجھے کوئی قول منصوص نہیں مل سکا البتہ امام شافعی صاحب کے بعض اصحاب (جن کو میں نے دیکھا ہے) مثلاً امام مزنی، امام الربیع یہ دونوں حضرات اپنی مونچھیں مونڈوایا کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں صاحب نے امام شافعی صاحب سے اسکو اخذ کیا ہوگا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام زفر، امام ابو یوسف، امام محمد ان حضرات کا مسلک یہ ہے کہ سر اور مونچھوں کو مونڈوانا افضل ہے۔[لہ] ابن اخوین منداد مالکی نے امام شافعی صاحب کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کا مسلک امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق ہے یعنی وہ بھی مونچھیں مونڈنے کو افضل فرماتے ہیں اور یہی قول ابن عمر کا بھی ہے۔

امام احمد کے متعلق امام اثرم فرماتے ہیں کہ میں نے امام ممدوح کو دیکھا ہے کہ وہ مونچھیں اسقدر مونڈتے تھے کہ کھال تک باقی نہ رہتی تھی۔ میں نے ان سے مونچھوں کے معاملہ میں سنا ہے کہ مونچھوں کا مونڈنا مسنون ہے اور حضور صلعم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

احفوا الشوارب — مونچھیں منڈاؤ

امام احمد فرماتے ہیں کہ ابی عبداللہ سے دریافت کیا گیا۔ مونچھیں تراشنا سنت ہے یا مونڈنا یا اور کچھ فرمایا مونڈا جائے تب بھی کچھ حرج نہیں اور تراشہ جائے تب بھی کچھ حرج نہیں۔ ابو محمد نے "المغنی" میں تحریر فرمایا ہے دونوں طرح کا اختیار ہے چاہے مونڈے یا تراشے۔

امام طحاوی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ نے روایت کیا ہے

ان رسول اللہ صلعم اخذ — آپ نے میری مونچھوں کو مسواک پر رکھ کر

لہ یہی مسلک علامہ سندی نے نسائی شریف کے حاشیہ میں تجویز فرمایا ملاحظہ فرمایئے م۔ زیر عنوان عشر من الفطرۃ۔

من شاربہٖ علی سواکٖ   تراشا

اس سے معلوم ہوا کہ مونڈا نہیں تھا بلکہ تراشا تھا۔ جن حضرات کے نزدیک مونڈنا افضل نہیں ہے وہ حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں۔

عشر من الفطرۃ وذکر منہا   دس چیزیں فطرت انسانی میں داخل ہیں

قص الشارب   انہیں سے ایک مونچھ تراشنا بھی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ کی متفق علیہ حدیث میں پانچ چیزوں کو فطرت سے شمار کیا ہے ان میں سے ایک مونچھیں تراشنا بھی ہے اس کے علاوہ وہ جو حضرات مونچھیں مونڈنے کے حق میں ہیں وہ ان احادیث کو پیش کرتے ہیں جن میں "احفار" کا لفظ موجود ہے اور یہ احادیث بھی صحیح ہیں اس کے علاوہ ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس رضؓ ہیں۔

ان رسول اللہ صلعم کان   حضور صلعم اپنی مونچھوں کو جڑ سے کاٹا

یجز شاربہٗ   کرتے تھے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے اغلب یہ ہے کہ آپ مونڈا کرتے تھے۔ بہرحال اسمیں دونوں احتمال موجود ہیں اور حضرت علاء بن عبدالرحمٰن نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت نقل کی ہے۔

جزوا الشارب واحفوا   مونچھیں جڑ سے صاف کرو اور داڑھی

اللحی   بڑھاؤ۔

اس سے بھی احفا ہی ثابت ہے۔ انھوں نے ہی ایک دوسری حدیث اپنی سند سے حضرت ابی سعید رضؓ حضرت ابی اسید رضؓ حضرت رافع بن خدیج، حضرت سہل بن سعد، حضرت ابوہریرہ رضؓ حضرت جابر رضؓ حضرت ابن عمر رضؓ کے متعلق بیان فرمائی ہے کہ

انھم کانوا یحفون شواربھم   یہ حضرات اپنی مونچھیں مونڈا کرتے تھے۔

ابراہیم بن محمد بن حاطب فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضؓ کو دیکھا ہے وہ اپنی مونچھیں مونڈا کرتے تھے یعنی ان کو جڑ سے اکھاڑ دیتے تھے حد یہ ہے کہ کھال کی سفیدی بالکل صاف ظاہر ہو جاتی تھی۔

امام طحاوی فرماتے ہیں اگر مونچھ تراشنا مسنون ہے تو مونچھ مونڈوانا افضل ہے۔ امام ممدوح نے اسکو سر پر قیاس کیا ہے اور فرمایا ہے کہ حضور صلعم نے سر منڈانے والوں کیلئے تین مرتبہ دعائے رحمت کی ہے اور سر کے بال کٹوانے والوں کے لئے صرف ایک ہی مرتبہ دعائے رحمت کی ہے۔ اس سے نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ کونسی چیز افضل ہے یہی حال مونچھوں کا بھی ہے۔

حضور صلعم کا کلام اور سکوت

حضور صلعم تمام انسانوں سے زیادہ فصیح تھے آپکا کلام نہایت شیریں اور مسلسل ہوتا تھا اور انسانوں کے قلوب میں جاگزیں ہوجاتا اور روحوں کو گرما دیتا تھا اس کا آپکے دشمنوں نے بھی اعتراف کیا ہے۔ جب بھی آپ بولتے نہایت واضح اور مفصل بولتے اگر کوئی الفاظ و حروف شمار کرنا چاہتا تو شمار کر لیتا تھا۔ آپ اتنا تیز نہیں بولتے تھے کہ سننے والے کو بات یاد نہ ہو سکے اور نہ توڑ توڑ کر بولتے (یعنی چبا چبا کر) بلکہ آپ کا انداز بیان اکمل ترین انداز بیان تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض بیان فرماتی ہیں کہ حضور صلعم تمہاری طرح تیز گفتگو نہ کرتے تھے بلکہ مسلسل مفصل اور واضح دھیرے دھیرے گفتگو فرماتے۔ اگر کوئی یاد کرنا چاہتا تو یاد کر لیتا تھا۔ بسا اوقات آپ ایک ہی بات کو تین مرتبہ تک دہراتے (تاکہ خوب ذہن نشین ہو جائے) ایسے ہی سلام بھی تین مرتبہ فرماتے تھے[۱]

آپ بہت زیادہ خاموش رہتے اور بلا ضرورت بات نہ فرماتے آپ کلام کی ابتدا اور خاتمہ جبڑوں کے دہانے سے فرماتے (غرض یہ ہے کہ توجہ کے ساتھ بات کرتے تھے) گفتگو میں جامع الفاظ استعمال فرماتے بھرتی کے الفاظ یا ناقص الفاظ نہ بولتے تھے۔ بیکار بات نہیں فرماتے تھے بلکہ جب بھی بولتے اور جو کچھ بھی ارشاد فرماتے ثواب (اور ضرورت) کی نیت سے فرماتے۔

جب آپ کو کسی چیز یا بات سے ناگواری ہوتی تو اس کے آثار چہرۂ انور سے ظاہر ہونے لگتے تھے آپ لغو گو، بیہودہ گو تیز کلام بالکل نہ تھے نہ آپ کی عادت شریفہ خوب زور سے ہنسنے کی... تھی بلکہ (جب ایسا اتفاق ہوتا تو) تبسم فرما دیتے تھے

وہ مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی — دیکھا نظر اٹھا کے تو گلشن بنا دیا

آپ کی ہنسی یہ تھی کہ اگلے دندان مبارک ظاہر ہو جاتے اور بس۔ آپ ان باتوں یا چیزوں سے مسکراتے جو واقعی اس قابل ہوتی تھیں (ہر بات پر ہرگز نہیں ہنستے تھے)۔ ... مسکرانے اور ہنسنے کے چند اسباب ہیں جن کو بیان کیا جا رہا ہے مثلاً ایک تو گذر چکا ہے، ۲ خوشی کا مقام، ۳ غصہ سے۔ یہ اکثر غصہ کے وقت ہو جاتا ہے اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ غصہ کرنے والا غصہ کا سبب دیکھ کر خود ہی تعجب کرتا ہے مثلاً دشمن قبضہ میں آچکا ہے اور اس پر ہر طرح کا قبضہ و اختیار ہے۔ کبھی غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پانے کے لئے ہنسا جاتا ہے تاکہ توجہ ہٹ جائے۔

---

[۱] ایک سلام مجلس یا کسی کے گھر میں داخل ہونیکے لئے دوسرا داخل ہونیکے بعد تیسرا رخصت ہونے وقت۔

ہنسنے کی طرح آپ کا رونا بھی تھا جس طرح آپ قہقہہ مار کر نہیں ہنستے تھے اسی طرح آواز بلند کر کے روتے بھی نہیں تھے۔ بلکہ حضورؐ کی آنکھوں سے صرف آنسو گرنے لگتے اور سینہ مقدس میں گھڑگھڑاہٹ ہونے لگتی۔ کبھی آپ میت پر شفقت کی وجہ سے روتے اور کبھی امت کے خوف میں روتے اور کبھی خشیت باری تعالیٰ سے گریاں ہو جاتے اور کبھی قرآن پاک سنکر اشک ریزاں ہوتے۔ یہ رونا اشتیاق اور محبت اور جلال باری تعالیٰ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب آپ کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی تو جناب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور شفقت پدری نے جوش مارا تب آپ نے ارشاد فرمایا۔

تدمع العین ویحزن القلب	آنکھ آنسو بہاتی ہے۔ دل غمگین ہے مگر میں
ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بک	وہی بات کہوں گا جو میرے رب کو پسند ہے
یا ابراھیم لمحزونون	اور میں اے ابراہیم تیری وجہ سے رنجیدہ ہوں

جب آپ نے اپنی ایک نواسی کو حالت نزع میں دیکھا (تو شفقت اور محبت کی وجہ سے) رو پڑے ایسے ہی جب حضرت ابن مسعودؓ نے قرآن کی تلاوت فرمائی اور اس آیت پر پہونچے۔

فکیف اذا جئنا من کل امۃ	اس وقت کیا ہوگا جب ہر امت میں سے گواہ
بشھید وجئنا بک علی ھولاء شھیدا	حاضر کئے جائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ بنایا جائیگا

جب حضرت عثمان بن مظعون کی وفات ہوئی آپ نے آنسو بہائے اور جب سورج گرہن ہوا تو آپ اشک ریزاں ہو گئے اور صلوٰۃ کسوف پڑھی اور نماز ہی میں رونا شروع کر دیا اور فرمایا۔

رب الم تعدنی ان لا یعذبھم	الٰہی کیا آپ کا مجھ سے یہ وعدہ نہیں ہے کہ
وانا فیھم وھم یستغفرون ونحن	میری موجودگی میں ان پر عذاب نہ ہوگا اس
نستغفرک	حال میں کہ وہ بھی استغفار کرتے ہوں اور میں
	بھی استغفار کرتا ہوں

ایک مرتبہ جب آپ اپنی ایک صاحبزادی کی قبر پر پہونچے تو رو دیئے۔ آپ اکثر و بیشتر تہجد کی نماز میں بہت رویا کرتے تھے۔ بہر حال رونے کی بھی چند قسمیں ہیں۔ ع۱ بکاء رحمت اور رقت۔ ع۲ بکاء خشیت اور خوف ع۳ بکاء محبت اور شوق ع۴ بکاء خوشی اور مسرت ع۵ بکاء جزع اور فزع ع۶ بکاء رنج و غم۔ اس میں اور خوف کے رونے میں فرق ہے۔ رنج و غم کا رونا تو گذری ہوئی چیزوں پر ہوتا ہے اور خوف کا رونا آئندہ پیش آنے والے واقعات کی وجہ سے ہوتا ہے خوف و رنج اور خوشی کے رونے میں تھوڑا سا فرق ہے۔ خوشی کے رونے میں آنسو ٹھنڈے اور قلب مسرور ہوتا ہے اور غم

کے رونے میں آنسو گرم اور قلب پر بار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ایسے مواقع کیلئے بولا جاتا ہے۔

قرۃ عین اقر اللہ بہ — آنکھ کی ٹھنڈک اور اللہ اسکی آنکھ ٹھنڈی کرے

اور غم کے موقعہ پر کہا جاتا۔

سخینۃ العین و اسخن اللہ عینہ — آنکھ کی گرمی اور اللہ اسکی آنکھ کو گرم کرے

۸۔ کمزوری اور ناتوانی کا رونا ۹۔ نفاق کا رونا۔ وہ یہ ہے کہ آنکھ سے آنسو گرتے ہیں اور قلب بالکل بے اثر ہوتا ہے، دیکھنے والا دیکھے تو محسوس کرے کہ خشیت الٰہی کی وجہ سے رویا جارہا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی قلب کے اعتبار سے نہایت بدترین ہوتے ہیں ۱۰۔ کرایہ کا رونا مثلاً اجرت پر رونے والیوں کو بلا لیا جائے اور ان کو اجرت دے کر رلایا جائے۔ ان کے متعلق حضرت عمر رضی نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

تبیع عبرتھا و تبکی بشجو — یہ عورتیں آنسو فروخت کرتی ہیں اور دوسروں کے غم پر روتی ہیں۔
غیرھا

۱۱۔ موافقت کی وجہ سے یعنی لوگوں کی دیکھا دیکھی بلاوجہ رونا۔ روتے میں اگر آنسو بلا آواز کے جاری ہوں تو یہ خاموش رونا شمار ہوتا ہے اور جس میں آواز ہو اس کو بکار ممدود کہتے ہیں شاعر نے کہا ہے۔

بکت عینی وحق لھا بکاھا — وما یغنی البکاء ولا العویل

میری آنکھ رو پڑی اور اس کو رونے کا حق ہے اور سوائے رونے کے اور کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے

اور جو بلاوجہ بتکلف روئے اس کو تباکی کہتے ہیں اس کی دو قسم ہیں ایک محمود ہے اور دوسری مذموم ہے، محمود تو یہ ہے کہ خشیت اور خوف حاصل کرنے کے لئے رویا جائے تاکہ قلب میں نرمی پیدا ہو جائے۔ ریاکاری اور سنانے کے لئے نہ ہو۔ اور مذموم یہ ہے کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے رونا شروع کر دیا جائے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی نے حضور صلعم سے اس وقت دریافت کیا جب آپ اور حضرت ابو بکر صدیق رض بدر کے قیدیوں کو دیکھ کر رو رہے تھے۔ حضور! آپ کیوں روتے ہیں اگر مجھے معلوم ہو جائے تو میں بھی رونا شروع کروں ورنہ کم از کم رونے کی سی صورت بنا لوں۔ بعض اسلاف نے فرمایا ہے خدا کے خوف سے رویا کرو اگر نہ رو سکو تو رونی صورت بنا لو۔

حضور صلعم کا خطبہ دینا

حضور صلعم نے زمین اور منبر پر کھڑے ہو کر بھی خطبہ دیا ہے اور اونٹ اور اونٹنی پر بیٹھ کر بھی خطبہ دیا ہے، جب آپ خطبہ دیتے تو آپ کی

آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی اور غصہ آجاتا ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کسی لشکر کو ڈرا رہے ہیں گویا وہ لشکر ابھی صبح وشام ہی میں آنے والا ہے اور کبھی آپ خطبہ میں ارشاد فرماتے۔

بعثت انا والساعة کھاتین — میرے اور قیامت کے درمیان اتنا فصل ہے

اور یہ فرق انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی اٹھا کر ظاہر فرمایا کرتے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے۔

اما بعد فان خیر الحدیث — بہترین کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین سنت
کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی — سنت محمد صلعم ہے بدترین کام دین میں ایجاد
محمد صلعم وشر الامور محدثاتھا — (بدعت) ہے اور تمام بدعات گمراہی
وکل بدعة ضلالة — ہیں۔

آپ کوئی خطبہ بغیر حمد باری تعالیٰ شروع نہ فرماتے لیکن فقہاء کرام کا یہ ارشاد کہ "آپ نے استسقا کا خطبہ استغفار اور عیدین کا خطبہ تکبیر سے شروع فرمایا ہے اس کے متعلق ان حضرات کے پاس حضور صلعم کی کوئی سنت (حدیث فعلی) موجود نہیں ہے البتہ سنت حمد باری تعالیٰ کے ساتھ شروع کرنا ہے۔ حنبلی حضرات کے یہاں اسی کو پسند کیا گیا ہے۔ ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے[1]

آپ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ مراسیل حضرت عطاء میں ہے کہ جب حضور صلعم منبر پر تشریف لے جاتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر "السلام علیکم" فرماتے۔ شعبی فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضہ ایسا ہی کیا کرتے تھے[2]۔ آپ خطبہ کو استغفار پر ختم کیا کرتے تھے۔ اور خطبہ میں بکثرت قرآنی آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ام ہشام بنت حارثہ کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں میں نے سورہ ق حضور صلعم کی زبان مبارک ہی کے ذریعہ یاد کر لی تھی وہ ہر جمعہ کو جب خطبہ دیتے تو اس سورت کو تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضہ کی روایت ہے کہ جب آپ خطبہ کیلئے تشریف لاتے تو اول یہ پڑھا کرتے تھے۔

---

۱ مجمع النوازل میں بیان کیا ہے کہ حضور صلعم کے زمانے سے لیکر اب تک متوارث یہی ہے کہ پانچ خطبہ جن میں عیدین کے دو خطبہ اور حج کے تین خطبے تکبیر سے شروع ہوتے ہیں بقیہ تمام خطبے حمد وثنا سے شروع ہوتے ہیں اسی پر اجماع امت ہے اور یہی عمل متوارث ہے مگر علامہ اجماع کو تسلیم نہیں کرتے جبکہ حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ اس امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہوگا۔

۲ امام اعظم کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے علمائے امت نے اسکو بدعت قرار دیا ہے۔ علامہ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے اس کو ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس کی سند میں ابن لہیعة ہیں جنکا شمار ضعفا میں کیا گیا ہے، اسکے علاوہ ابن عمر رضہ کی روایت جس کو متعدد محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور جو صحیح بھی ہے اس میں حضور صلعم کے خطبہ کی اول تا آخر تمام ہیئتوں کو ذکر کیا ہے سلام کا بالکل تذکرہ نہیں ہے۔ پھر آئندہ سطروں کے بعد علامہ نے خود اس کی نفی کی ہے۔ اسلئے بھی علامہ کی یہ بات قابل اعتماد نہیں ہے۔ اوجز ص ۳۳۹ ج ۱۔

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہ ارسلہ بالحق بشیراً ونذیراً بین یدی الساعۃ من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فانہ لا یضر الا نفسہٗ ولا یضر اللہ شیأً

امام ابوداؤد یونس سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ابن شہاب سے حضور صلعم کے تشہد کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے یہی الفاظ .... بیان فرمائے ہاں اتنا اضافہ ضرور بتلایا ہے "من یعصھما فقد غویٰ" ابن شہاب فرماتے ہیں آپ خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

کل ما ھو اٰت قریب لا بعد لما ھو اٰت ولا یعجل اللہ لعجلۃ احد ولا یخف لامر الناس ما شاء اللہ لا ما شاء الناس یرید اللہ شیأً ویرید الناس شیأً ما شاء اللہ کان ولو کرہ الناس ولا مبعد لما قرب اللہ ولا مقرب لما بعد اللہ ولا یکون شیٔ الا باذن اللہ۔

بہرحال حضور صلعم کے خطبہ کا مدار خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا اس کی نعمتوں اور احسانات کا ذکر اس کے کمالات اور اوصاف کا بیان اور تعلیمات اسلام پر تھا۔ اس کے ساتھ دوزخ کا ذکر جنت کا ذکر تقویٰ کے لئے حکم بھی ہوتا تھا بہرحال آپ کا خطبہ ان امور پر مشتمل ہوتا تھا۔ آپ خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

ایھا الناس انکم لن تطیقوا او لن تفعلوا کل ما امرتم بہ ولکن سددوا وابشروا	لوگو! جس چیز کا تم کو حکم دیا گیا ہے تم اس کی طاقت نہیں رکھتے یا تم اس کو پورا نہیں کر سکتے (لہٰذا کم از کم) سیدھے ہو جاؤ اور بشارت دو

آپ جب مناسب سمجھتے حسب ضرورت خطبہ ارشاد فرماتے اور ہر ایک خطبہ کی ابتدا حمد سے فرماتے اور اس میں دونوں کلمہ " شہادت " بھی پڑھتے ۔ جب اپنا تذکرہ کرتے تو اپنا نام " محمد " لیتے آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

کل خطبۃ لیس فیھا تشھد فھی کالید الجذ ما	جس خطبہ میں تشہد نہیں ہے وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے۔

جب آپ حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لاتے تو آپ پر کوئی اضطراب نہ ہوتا اور نہ آجکل کے خطیبوں کی

طرح بلے بلے رومال باندھنا اور پشت اور گردن پر ڈال لینا بھی (آپ کو پسند تھا)

آپ کے منبر کے تین درجے تھے۔ جب آپ اس پر چڑھتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے موذن اذان دیتا فقط۔ نہ اس سے پہلے کچھ فرماتے اور نہ اس سے بعد میں کچھ فرماتے۔ جب آپ خطبہ شروع فرما دیتے تو کوئی آدمی حد یہ ہے کہ موذن بھی آواز نہیں نکال سکتا تھا سب خاموش رہتے تھے جب آپ خطبہ دیتے تو لاٹھی سے ٹیک لگا لیتے تھے۔ ابوداؤد نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ خلفاء ثلاثہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ کبھی آپ کمان پر بھی ٹیک لگا لیتے تھے۔ آپ سے ثابت نہیں ہے کہ کبھی آپ نے تلوار سے ٹیک لگائی ہو۔ بہت سے جہلا کا خیال یہ ہے کہ آپ تلوار لیکر خطبہ فرمایا کرتے تھے گویا اس سے اشارہ تھا کہ دین تلوار سے قائم ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑی جہالت ہے اور دو وجہ سے نہایت غلط ہے۔ اول یہ ہے کہ آپ سے لاٹھی اور کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دینا ثابت ہے اور بس۔ دوسرے یہ ہے کہ دین کا قیام وحی سے ہوا ہے نہ کہ تلوار سے رہا تلوار کا معاملہ سو تلوار تو گمراہ لوگوں کو مٹانے اور کفر و شرک کو فنا کرنے کے لئے ہے اور دیار حبیب یعنی مدینہ منورہ (جس میں آپ خطبہ دیا کرتے تھے) وہ تو قرآن کے ذریعہ فتح ہوا ہے نہ کہ تلوار کے ذریعہ۔

جب آپ کو خطبہ میں کوئی عارض پیش آجاتا تو آپ اسکو بھی دور کرنے تھے اور پھر خطبہ دینے لگتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرات حسنین؏ اپنی سرخ قمیصوں میں الجھتے گرتے پڑتے حاضر ہوئے۔ آپ نے خطبہ بند کر دیا اور منبر سے اتر آئے ان دونوں کو گود میں اٹھا لیا اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔

انما اموالکم و اولادکم فتنہ — تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں۔

میں نے ان دونوں بچوں کو گرتے پڑتے دیکھا تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا چنانچہ میں نے اپنا خطبہ منقطع کر کے ان کو اٹھا لیا۔ اسی طرح سے سلیک غطفانی کا واقعہ ہے جب وہ آئے تو آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے آپ نے فرمایا

قم یا سلیکؓ فارکع رکعتین وتجوز فیھا — اے سلیک اٹھ اور دو مختصر رکعت پڑھ لے۔

اس کے بعد آپ نے منبر پر کھڑے کھڑے ۔۔۔ ارشاد فرمایا۔

لے علامہ کا منشا یہ ہے تنطع سے اجتناب کرنا چاہئے۔

کے علامہ کی اس تصریح سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلعم خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر چڑھنے کے بعد سلام نہیں فرماتے تھے اگر سلام کرنا ثابت ہے تو یہاں علامہ نے کلیۃً نفی کیوں کر دی؟

اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ والامام یخطب فلیرکع رکعتین ویتجوز فیھما[1]

تم میں سے جب کوئی جمعہ کے دن اسوقت آئے کہ امام خطبہ دیتا ہو تو مختصر سی دو رکعتیں پڑھ لے۔

آپ کبھی چھوٹا خطبہ بھی دیتے اور کبھی طویل بھی کر دیتے تھے۔ غرض جیسی ضرورت ہوتی ویسا کرتے آپ کا پہلا خطبہ بڑا اور دوسرا چھوٹا ہوتا تھا۔ آپ عورتوں کو عید کے موقعہ پر علیحدہ سے خطبہ دیا کرتے تھے اور اکثر ان کو صدقات پر آمادہ کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

نماز تحیۃ المسجد

[1] نماز تحیۃ المسجد مستحب ہے امام اعظم کا یہی مسلک ہے لیکن امام احمد نے اس میں انفرادی شدت اختیار کی ہے کہ وقت خطبہ کے بھی ان دونوں رکعتوں کو پڑھنا ضروری قرار دیدیا۔ علامہ نے امام ممدوح کے مسلک کی تائید کرتے ہوئے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے اور دلیل میں حضرت سلیک کا واقعہ اور حضور صلعم کا یہ ارشاد اذا جاء احدکم الخ پیش کر دیا ہے دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ حضور صلعم کا ارشاد ہے۔

اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام

جب امام اپنی جگہ سے نماز کیلئے چلے تو نہ نماز پڑھ سکتے ہیں اور نہ کلام کر سکتے ہیں۔

اسی طرح ابو داؤد وغیرہ کی روایت ہے کہ خاموشی سے خطبہ سننا چاہیئے اس درمیان میں اگر کوئی دوسرے کو خاموش رہنے کیلئے کہے وہ بھی لغو ہے۔ اسی طرح سے اور متعدد روایات ہیں جن سے خطبہ کے وقت سکوت لازم ہے لیکن اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے اس طرح یہ حدیث ہماری دلیل کے معارض نہیں ہے۔

علامہ اور دوسرے حضرات نے اس حدیث کے دوسرے پہلو پر غور نہیں کیا ورنہ کلام رسول صلعم میں یہ تضاد نظر آتا واقعہ دراصل یہ ہے کہ حضرت سلیک ایک غریب صحابی ہیں ان کے جسم پر بوسیدہ کپڑے تھے۔ حضور صلعم نے وہ طریقہ اختیار فرمایا کہ انکو اپنی غربت کا بھی احساس نہ ہو اور حاضرین بھی ان کی حالت سے واقف ہو جائیں اور ان کی امداد کر دیں۔ روایات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حضور صلعم نے ابھی خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ منبر پر بیٹھے ہی تھے۔ دار قطنی کی روایت سے معلوم ہوتا کہ حضور صلعم نے خطبہ بند کر دیا تھا اور لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی تھی۔ جس کے نتیجے میں حضرت سلیک کیلئے بہت سے کپڑے اور سامان وہیں جمع ہو گیا۔ اب زیادہ سے زیادہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا خطیب کو ایسا کرنا جائز ہے۔ حنفیہ نے اس سلسلہ میں بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ خطبہ کو منقطع کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ضرورت پیش آجائے تو امام کو حق ہے کہ وہ خطبہ منقطع کر دے۔

احادیث کی کتابوں میں اس قسم کی تصریحات بھی موجود ہیں کہ یہ واقعہ ابتدائے قیام مدینہ کا ہے اور اسوقت نماز میں کلام کرنا، سلام کا جواب دینا جائز تھا یہی چیزیں درمیان خطبہ کے بھی جائز تھیں بعد میں نماز میں ان تمام چیزوں کی حرمت کا حکم دیدیا گیا لہٰذا خطبہ کا بھی یہی حکم ہوا۔ ان تمام تصریحات کے اوپر نظر ڈالنے کے بعد بات وہ حق معلوم ہوتی ہے جو حضرات حنفیہ نے بیان فرمائی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب بذل المجہود ص ۱۹۲ ج ۲۔

نواں باب

حضور صلعم کی طہارت کا بیان

حضور صلعم کے وضو کا طریقہ

اکثر اوقات آپ ہر نماز (یعنی ہر فرض نماز) کے لئے تازہ وضو کیا کرتے تھے۔ اور آپ نے ایک وضو سے مسلسل چند اوقات کی نمازیں بھی ادا فرمائی ہیں۔ کبھی آپ نے ایک مد سے بھی وضو کیا ہے اور کبھی ۳/۴ مد سے بھی وضو کیا ہے اور کبھی اس سے زیادہ سے بھی۔ مد کا وزن چار و مشقی اوقیہ ہے۔۔۔ لیکر دو تین اوقیہ تک ہوتا ہے۔ آپ نہایت عمدگی اور بہترین طور پر وضو کیا کرتے تھے لیکن آپ اپنی امت کو پانی کی فضول خرچی سے ڈراتے تھے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

انہ یکون فی امتہ من یتعد فی الطھور	میری امت میں ایسے لوگ بھی ہونگے جو وضو میں فضول خرچی کریں گے۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

ان للوضوء شیطانا یقال لہ الولھان فاتقوا وساوس الماء	وضو کے وقت بھی ایک شیطان ہوتا ہے اسکا نام الولہان ہے اسلئے وضو کے وساوس سے پرہیز کرو۔

ایک مرتبہ آپ حضرت سعد کے پاس کو ہو کر گذرے وہ وضو کر رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا وضو میں فضول خرچی نہ کرو انھوں نے عرض کیا، کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہاں

وان کنت علے نھر جار	اگرچہ تو بہتی ہوئی نہر پر کیوں نہ ہو

آپ نے اعضائے وضو کو ایک ایک، دو دو اور تین تین مرتبہ بھی دھویا ہے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے بعض اعضائے وضو کو دو مرتبہ اور بعض کو تین مرتبہ بھی دھویا ہے ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے

ایک ہی چلو سے کلی اور ایک ہی چلو سے ناک میں پانی دیا ہے۔ اور ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ دو اور تین چلو سے ناک میں بھی پانی دیا اور کلی بھی کی۔ آپ نے کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے میں اس طرح اتصال کیا کہ نصف چلو سے کلی اور باقی نصف سے ناک میں پانی دیا ہے۔ ایک چلو میں بجز اس صورت کے دوسری صورت ممکن نہیں ہے لیکن دو اور تین چلو کی صورت میں فصل اور وصل دونوں طریقے ہو سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کی سنت شریفہ وصل ہی کی تھی[۱]۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث شریف میں موجود ہے۔

ان رسول اللہ صلعم تمضمض واستنشق من کف واحد فعل ذلک ثلاثاً

حضور صلعم ایک ہی چلو سے کلی کرتے اور ناک میں پانی دیا کرتے تھے اور آپ ایسا تین مرتبہ کیا کرتے تھے۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

تمضمض واستنشق بثلاث غرفات

آپ نے تین ..... چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا۔

علامہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح ہے اور فصل کے متعلق کوئی روایت صحیح موجود نہیں ہے ہاں حضرت طلحہ بن مصرف کی اپنے والد کے واسطہ سے ایک روایت ہے۔

رأیت النبی صلعم یفصل بین المضمضۃ والاستنشاق

میں نے حضور صلعم کو دیکھا ہے کہ آپ کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے میں فصل کیا کرتے تھے

حضرت طلحہ کی یہ روایت مجھے بجز اس سند کے کسی دوسری سند سے معلوم نہیں پھر حضرت طلحہ کے دادے کے متعلق ثابت نہیں کہ وہ صحابی بھی تھے یا نہیں[۲]۔

سر کا مسح

حضور صلعم داہنے ہاتھ سے ناک میں پانی دیا کرتے تھے اور بائیں ہاتھ سے ناک صاف کیا کرتے تھے اور آپ پورے سر کا مسح فرمایا کرتے تھے۔ سر کے مسح میں ہاتھ اگلی جانب

---

[۱] علامہ کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضور صلعم کی سنت شریفہ ہی یہ تھی اسلئے کہ اس سے پیشتر جب یہ کہا جا چکا ہے کہ آپ نے ایسے ایسے وضو کیا ہے تو پھر کیا معنی ہیں کہ وہ سنت میں شمار نہ ہوں؟ [۲] علامہ کی زیادتی ہے جو انھوں نے فرما دیا کہ بجز حضرت طلحہ کی روایت کے اس باب میں اور کوئی روایت صحیح موجود نہیں ہے اور یہ روایت بھی ایسی ہی ہے کہ جسکے ایک راوی کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ صحابی تھے یا نہیں یہ علامہ کا محض وہم ہے جو انھوں نے ان کی صحبت کا انکار کر دیا ورنہ عبدالرحمٰن بن مہدی اور علامہ ابن عبدالبر اور خلال نے انکی صحبت کا اقرار کیا ہے پھر انکے علاوہ اس باب میں بائیس حضرات صحابہ رضہ کی قولاً و فعلاً روایات موجود ہیں اور جلیل القدر صحابہ ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

سے پیچھے کو لاتے اور پھر پیچھے سے ہاتھوں کو لوٹاتے، اس طرح ان بعض ائمہ کی بات کا مطلب واضح ہو جاتا ہے جن کا ارشاد ہے کہ آپ نے سر کا مسح دو مرتبہ کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ آپ نے سر کے مسح میں تکرار نہیں کی[1] بلکہ جب آپ اعضائے وضو کو دو دو بار دھوتے تو سر کا مسح ایک ہی مرتبہ کرتے تھے۔ مسح راس میں آپ کے متعلق یہی بات زیادہ صحیح ہے اس کے خلاف آپ سے ثابت نہیں ہے لیکن اگر صحیح بھی ہے تو وہ قول صحابی ہے جس نے توضا ثلاثاً کو نقل کیا ہے اور ایسے ہی قول صحابی دو مرتبہ مسح کے بارے میں بھی ہے لیکن وہ ارشاد جس میں صراحت تو ہے مگر صحیح نہیں ہے مثلاً ابن بیلمانی کی روایت اپنے والد سے حضرت عمر رضہ کے حوالہ سے کہ

ان النبی صلعم قال من	حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے جو وضو کرے
توضا فغسل کفیه ثلاثاً ثم قال	وہ تین مرتبہ گٹوں تک ہاتھ دھوئے اور پھر
مسح براسه ثلاثاً	فرمایا اور تین مرتبہ سر کا مسح کرے۔

اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ابن بیلمانی اور ان کے والد دونوں ضعیف ہیں اگرچہ حالات کے اعتبار سے ان کے والد بہتر ہیں۔ ایسے ہی حضرت عثمان رضہ کی حدیث ہے جسکو ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ حضور صلعم نے سر کا تین مرتبہ مسح کیا۔ ابو داؤد کہتے ہیں حضرت عثمان رضہ کی تمام صحیح حدیثیں ایک مرتبہ ہی کو بتلا رہی ہیں۔ ان کی ایک حدیث سے یہ بھی ثابت نہیں کہ آپ نے صرف سر کے بعض حصہ کا مسح کیا ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جب آپ نے سر کے بعض حصہ کا مسح کیا تو پھر پورا مسح عمامہ پر کرتے تھے[2] اس کے علاوہ حضرت انس رضہ کی وہ حدیث جس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ

رایت رسول الله صلعم	میں نے حضور صلعم کو وضو کرتے دیکھا، آپ
یتوضا وعلیه عمامة قطریة فادخل	کے سر پر عمامہ تھا آپ نے عمامہ کے اندر ہاتھ
یدہ تحت العمامة فمسح مقدم	داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا اور

گذشتہ سے پیوستہ مثلاً حضرت ابن عباس حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم حضرت عائشہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بعض کی روایات بخاری میں اور بعض کی بخاری و مسلم دونوں میں اور بقیہ حضرات کی روایات سنن..... ستہ میں موجود ہیں بلاحظہ فرمایئے فتح القدیر باب الوضوء[1] امام ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے

[2] راوی نے عمامہ کو درست کرکے رکھنے کو مسح قرار دیدیا اور دراصل اس میں راوی کی زیادہ غلطی بھی نہیں ہے کیونکہ مسح کے معنی ہاتھ کسی چیز پر پھیرنا ہے لہٰذا ظاہر ہے جب عمامہ درست کیا جائے گا تو لازماً اس پر ہاتھ پھیرے گا ہاں ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی جنھوں نے اس کو بھی مسح شمار کر لیا۔ بہرحال نص قرآنی کی رو سے صرف عمامہ کے مسح پر ہی اکتفا کرنا جائز نہیں ہے جس نے ایسا کیا اس کا وضو نہ ہوگا۔

راسہ ولم ینقض العمامۃ — آپ کا عمامہ بدستور رہا[1]

حضرت انس رضؓ کا مقصود اس حدیث سے غالباً یہ ہے کہ آپ عمامہ باندھے رہنے کے باوجود پورے سر کا مسح کر لیتے تھے اس کے باوجود آپ کا عمامہ بدستور بندھا رہتا تھا۔ اس حدیث سے عمامہ پر مسح کی تکمیل کی نفی نہیں ہو رہی ہے ہاں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ اور دوسرے صحابہ رضؓ کی احادیث سے ضرور ثابت ہے لیکن حضرت انس رضؓ کے سکوت سے نفی ثابت نہیں ہے (اس لئے کہ کسی چیز سے سکوت اسکی نفی پر دلالت نہیں کرتا)

حضور صلعم نے جب بھی وضو کیا۔ کلی اور ناک میں ضرور پانی دیا۔ آپ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے یہ صرف ایک ہی مرتبہ کیا ہو۔ اسی طرح آپ کا وضو ترتیب سے اور مسلسل ہوتا تھا یعنی غسل اعضاء میں تسلسل ہوتا اور ترتیب اس طرح کہ پہلے ہاتھ پھر کلی الخ[2]۔ آپ کبھی سر پر مسح فرماتے اور کبھی عمامہ[3] پر اور کبھی سر کے اگلے حصہ اور عمامہ پر لیکن صرف ناصیہ یعنی سر کے اگلے حصہ پر اکتفا کرنا یہ آپ سے محفوظ نہیں ہے یعنی یہ ثابت نہیں ہے[4]۔

آپ جب جوتا نہ پہنے ہوتے تو دونوں پیروں کو دھویا کرتے تھے لیکن جب آپ خفین پہنے ہوئے ہوتے تو ان پر مسح کیا کرتے تھے۔ اور آپ سر کے ساتھ ہی کانوں کا مسح کیا کرتے تھے۔ اور کانوں کے اگلے اور پچھلے دونوں حصوں کا مسح کیا کرتے تھے۔ آپ سے ثابت نہیں کہ کانوں کے مسح کے لئے آپ نے جدید پانی استعمال کیا ہو (بلکہ اسی پانی کی تری سے ہی کانوں کا مسح کرتے جو سر کے مسح میں بعض انگلیاں استعمال سے محفوظ رہ گئی ہوتیں[5]) حضرت ابن عمر رضؓ سے صحیح طور پر یہی ثابت ہے اور گردن کے مسح میں آپ سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے[6]۔

اذکار وضو

حضور صلعم سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے ابتدائے وضو میں بسم اللہ کے سوا اور کچھ پڑھا ہو۔ اذکار وضو کے متعلق جتنی احادیث ہیں وہ جھوٹی ہیں اور گھڑنت ہیں آپ سے بالکل ثابت نہیں ہے اور نہ آپ نے اس کی امت کو تعلیم دی[7] ہاں آخر میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

---

[1] اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر پورے سر پر مسح کیا جاتا تو عمامہ کی ہیئت کچھ ضرور بگڑ جاتی [2] اعضائے وضو کے دھونے میں ترتیب اور تسلسل مالکیہ کے نزدیک فرض ہے لیکن امام ابوحنیفہ نص قرآنی کی رو سے سنت کے قائل ہیں [3] عمامہ پر مسح کرنا نص قرآنی کی رو سے مسح راس شمار نہیں ہوتا اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ آپ نے صرف عمامہ پر مسح کیا ہے۔

[4] مغیرہ ابن شعبہ رضؓ کی حدیث صحاح میں موجود ہے اس کے باوجود ثبوت کا انکار کرنا زیادتی ہے۔ [5] حنفیہ کا مسلک کانوں کے مسح میں یہی ہے [6] گردن سے مراد گدی نہیں بلکہ حلقوم ہے۔ حلقوم کا مسح کرنا بدعت ہے۔

[7] حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی نے بھی وضو کے اذکار کو موضوع قرار دیا ہے ملاحظہ فرمایئے "تذکرہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی از قلم مولانا علی میاں صاحب۔

وحدہٗ لاشریک لہٗ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔ اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین ضرور پڑھا کرتے تھے۔ سنن نسائی کی ایک دوسری حدیث میں آخر وضو کی یہ دعا بھی منقول ہے۔

سبحانک اللھم وبحمدک واشھد ان لا الٰہ الا اللہ انت استغفرک واتوب الیک۔

آپ سے ابتدائے وضو میں نویت رفع الحدث کہنا بھی ثابت نہیں اور نہ نویت لاستباحۃ الصلوٰۃ کہنا ثابت ہے حد یہ ہے کہ آپ کے کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں ہے اس بارے میں نہ کوئی صحیح حدیث موجود ہے اور نہ کوئی ضعیف حدیث موجود ہے[۱]۔

اسی طرح ہاتھوں کے دھونے میں کہنیوں سے تجاوز کرنا اور پیروں کے دھونے میں ٹخنوں سے تجاوز کرنا ثابت نہیں ہے لیکن حضرت ابوہریرہ رض ایسا کرتے تھے اور وہ ان احادیث کا یہی مطلب مراد لیتے تھے جن میں سفید (نورانیت) کے طویل ہونے کا ذکر ہے[۲]۔ اور حضرت ابوہریرہ کی وہ حدیث جس میں انھوں نے حضور صلعم کے وضو کو بیان کیا ہے کہ آپ ہاتھ بازوؤں تک اور پیر پنڈلیوں تک دھوتے اس کا مطلب یہ ہے کہ کہنیاں اور ٹخنے وضو میں داخل ہیں نہ یہ کہ ان سے تجاوز کیا جائے۔

وضو میں رومال کا استعمال

حضور صلعم بعد وضو کے اعضائے وضو کو صاف نہیں کرتے تھے اس بارے میں آپ سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے ہاں اس کے خلاف صحیح حدیث موجود ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رض کی حدیث کہ حضور صلعم کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے وہ وضو کرنے کے بعد اعضائے وضو کو خشک کیا کرتے تھے یہ حدیث حضرت معاذ بن جبل رض کی ہے فرماتے ہیں۔

رأیت رسول اللہ صلعم	میں نے حضور صلعم کو دیکھا ہے کہ جب آپ
اذا توضا مسح علی جبہتہٖ بطرف	وضو سے فارغ ہوتے تو اپنے کپڑے کی جانب
ثوبہٖ	سے پیشانی کو خشک کرتے۔

یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں ایسی حدیثوں سے استدلال نہیں کیا جا سکتا پہلی حدیث میں تو

---

[۱] جہاں تک محض نیت کا معاملہ ہے حنفیہ کے نزدیک سنت ہے اور شوافع کے نزدیک فرض ہے لیکن نیت قولی اس کا ثبوت نہیں ہے کیونکہ نیت فعل قلبی ہے نہ کہ فعل لسانی۔ [۲] حدیث شریف میں موجود ہے کہ آثار وضو میدان حشر میں منور ہوں گے اس شوق میں حضرت ابوہریرہ رض ایسا کیا کرتے تھے۔ ائمہ میں سے امام زفر کا مسلک یہ ہے کہ وہ کہنیوں اور ٹخنوں کو غسل میں داخل نہیں مانتے بقیہ تمام ائمہ داخل مانتے ہیں۔

سلیمان بن ارقم متروک ہیں اور دوسری حدیث میں افریقی ہیں وہ ضعیف ہیں۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اس باب میں حضور صلعم سے کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے۔[۱]

حضور صلعم کی عادت شریفہ پانی بہانے کی نہیں تھی۔ کبھی آپ خود بلا اعانت کے وضو فرماتے اور کبھی کوئی دوسرا بھی آپ کی اعانت کر دیتا تھا جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رض کی حدیث ہے کہ ایک سفر میں۔ میں نے حضور صلعم کو وضو کروایا ہے۔[۲]

داڑھی کا خلال

آپ کبھی کبھی داڑھی میں خلال فرمایا کرتے تھے لیکن آپ نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی۔ ائمہ حدیث کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام ترمذی اور دوسرے ائمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ آپ داڑھی میں خلال فرمایا کرتے تھے اور امام احمد، ابوزرعہ کا کہنا ہے کہ اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔[۳] اسی طرح انگلیوں کی تخلیل کے بارے میں ثابت نہیں ہے ہاں سنن میں مستورد بن شداد کی حدیث ہے۔

رایت النبی صلعم یدلک	میں نے حضور صلعم کو دیکھا ہے کہ آپ پیروں
اصابع رجلیہ بخنصرہ	کی انگلیاں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے ملا کرتے تھے

اگر یہ حدیث ثابت بھی ہے تب بھی اس کو اتفاقی امر قرار دیا جائے گا اسی وجہ سے ان حضرات نے کہ جن کی احادیث کا اعتبار ہے اس کو روایت نہیں کیا مثلاً حضرت عثمان رض حضرت عبداللہ بن زید بن ارقم، ربیع[۴] وغیرہ پھر اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہیں اس کے علاوہ وضو میں انگوٹھی کو حرکت دینا اس میں ایک ضعیف حدیث حضرت معمر بن محمد بن عبداللہ بن ابی رافع انکے اب اور جد کی سند سے موجود ہے۔

---

[۱] فقہا کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا ہے کہ غسل میں بدن خشک کرنے کے لئے کپڑا استعمال کیا جا سکتا ہے وضو میں نہیں۔ بعض نے کہا ہے دونوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے بعض نے دونوں میں مکروہ قرار دیا ہے علامہ شامی نے فرمایا ہے کپڑے کے استعمال میں زیادہ مبالغہ نہ کرنا چاہیئے دونوں میں استعمال کی اجازت ہے رد المحتار صفحہ ۹۶ ج ۱۔ [۲] وضو میں دوسرے کی اعانت حاصل کرنا مکروہ ہے ہاں اگر کوئی مرض ہے یا ضرورت ہے تو کوئی مضائقہ نہیں [۳] ائمہ فقہ کے یہاں تخلیل اصابع اور لحیہ (داڑھی) مستحبات میں شمار ہیں اگر پانی پہونچ جائے تو ضرورت نہیں لیکن اگر پانی نہ پہونچ سکے تو بہر حال پانی پہونچانا ضروری ہے اس صورت میں تخلیل واجب ہے یہاں علامہ نے مذکورۃ الصدر حدیث پر کلام کیا ہے کیونکہ انکی سند میں ابن لہیعہ ہیں۔ ہم نے اپنے حاشیہ کی گذشتہ سطور میں ابن لہیعہ پر جرح کی ہے مگر اس جگہ علامہ نے اس کمزوری کے باوجود اپنا مسلک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ علامہ کے اس تضاد پر ہمیں حیرت ہے کہ کہیں اسی راوی کی حدیث کو قبول کیا جا رہا ہے اور کہیں انکار ہے۔ [۴] باب الوضو میں کلی اور ناک میں پانی دینے کے بارے میں ان ہی حضرات کی روایات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اور یہاں اعتراف کیا گیا ہے یہ تضاد بھی حیرت انگیز ہے۔

ان النبی صلعم اذا توضأ حرك خاتمه — حضور صلعم جب وضو کرتے تو اپنی انگوٹھی کو حرکت دیا کرتے تھے۔

معمر اور ان کے والد ضعیف ہیں اس کو دار قطنی نے بیان کیا ہے۔

خفین پر مسح کرنا

حضور صلعم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے قیام اور سفر دونوں حالتوں میں خفین پر مسح کیا ہے۔ مسح کرنے کا یہ حکم آپ کے وصال تک منسوخ نہیں ہوا۔ آپ نے مسح خفین کی مدت مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کیلئے تین دن اور تین رات مقرر کی ہے۔ چند حسن اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آپ خفین کے اوپر کی طرف مسح کیا کرتے تھے۔ ہاں صرف ایک منقطع حدیث سے ثابت ہے کہ آپ خفین کے نیچے کی طرف بھی مسح کر لیتے تھے اس کے خلاف اوپر کی طرف مسح کرنے کے متعلق احادیث صحیحہ موجود ہیں[1]۔

آپ نے جورابوں (موزوں) کے اوپر اور جوتوں کے اوپر بھی مسح کیا ہے[2] اور آپ نے صرف عمامہ پر بھی مسح کیا ہے[3] اور ناصیہ (سر کے اگلے حصہ کے) ساتھ بھی عمامہ پر مسح کیا ہے۔ یہ حکم آپ سے قولاً اور فعلاً دونوں طرح ثابت ہے۔ ممکن ہے آپ نے ایسا ضرورۃً کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ عام طور پر ایسا ہی کرتے ہوں۔

مسح خفین کے متعلق آپ تکلف نہیں فرماتے تھے بلکہ خفین پہنے ہوئے مسح کر لیتے اور اگر نہ پہنے ہوتے تو پیر دھو لیتے ایسا نہیں کرتے تھے کہ خفین پہننے کے باوجود انھیں اتاریں اور پیروں کو لازماً دھوئیں جیسا کہ بعض قدما سے ثابت ہے۔ آپ ایسا بھی نہیں کرتے تھے کہ مسح کرنے کے لئے خفین لازماً پہنیں۔ بہر حال اصولاً یہی راہ معتدل ہے۔ اسی کو ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ نے پسند کیا ہے[4]۔

تیمم کرنے کا طریقہ

حضور صلعم ایک ہی ضرب سے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لیا کرتے تھے۔ آپ سے صحیح طور پر ثابت نہیں ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے مسح کیلئے آپ نے

---

[1] حضرت علی رضہ فرماتے ہیں کہ اگر دین کا مدار قیاس پر ہوتا تو خفین کا نچلا حصہ مسح کے لئے زیادہ موزوں تھا۔ منشا یہ ہے کہ مسح خفین کے اوپر ہی کی طرف کرنا چاہیئے [2] جوتوں کے اوپر مسح کرنے سے مسح نہ ہوگا۔ اس جگہ بھی راوی کو ویسا ہی وہم ہوا ہے جیسا کہ مسح عمامہ کے متعلق ہوا تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں فتح القدیر، امانی الاحبار۔

[3] اس غلطی کے اوپر ہم گذشتہ سطور میں عرض کر چکے ہیں۔

[4] اسی پر اجماع ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس مسح خفین کے متعلق مثل صبح کے منور احادیث نہ ہوتیں تو میں خفین پر مسح کرنے کا حکم نہ دیتا اس لئے ان کے نزدیک عزیمت اسی میں ہے بعض حضرات نے مسح علی الخفین کو رخصت شمار کیا ہے اسی کی طرف علامہ نے اشارہ کیا ہے۔

دو ضرب سے کام لیا ہو۔ پھر ہاتھوں کے مسح کے لئے بھی کہنیوں تک مسح کرنا ثابت نہیں ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ جو یہ کہتا ہے کہ تیمم میں کہنیوں تک مسح ہے اس نے اپنی طرف سے زیادتی کی ہے۔[1]

اسی طرح سے حضور صلعم زمین (کی جنس یعنی مٹی وغیرہ) سے مسح کیا کرتے تھے آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

ادرکت رجلا من امتی	میری امت میں سے جس کسی آدمی کو یہاں
الصلوٰۃ فعندہ مسجدہ وطہورہ	کہیں بھی نماز کا وقت ہو جائے وہ جگہ اس

کے لئے مسجد ہے اور ذریعہ طہارت ہے یعنی اس سے تیمم کر سکتا ہے

یہ حدیث اس بارے میں نص ہے کہ اگر کسی کو ریتلی جگہ نماز کا وقت ہو جائے اسی سے تیمم کر لینا چاہئے حضرات صحابہ رضوا اور حضور صلعم نے جب تبوک کے لئے سفر کیا تو ریتلے میدان سے ہو کر گذرے وہاں پانی بھی نہیں تھا۔ چنانچہ آپ سے مروی نہیں کہ آپ نے تیمم کے لئے مٹی اٹھا کر چلنے کا حکم دیا ہو دبلکہ اسی ریت سے تیمم کیا یہی حال ارض حجاز کا ہے جس نے بھی یہاں سفر کیا ہے اس کو بجز ریت کے اور کچھ نہ ملے گا۔ بہر حال جمہور کا یہی مسلک ہے۔

حضور صلعم کے تیمم کرنے کا طریقہ اس طرح منقول ہے کہ آپ دونوں ہاتھوں کی (انگلیوں کو اپنے ہاتھ کی پشت پر رکھتے تھے اور اس کو کہنیوں تک لیجاتے تھے پھر ہتھیلی سے اندر کی طرف کا مسح کرتے تھے اور انگوٹھے کو موذن کی طرح مسح کرنے میں علیحدہ رکھتے تھے یہاں تک کہ پورا مسح فرما لیتے تھے بہر حال یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ حضور صلعم ایسے تیمم نہیں کرتے تھے اور نہ آپ نے ایسے کرنے کا حکم دیا اور نہ اسکو اچھا سمجھا بلکہ اس طرح تیمم کو آپ کی طرف منسوب کرنا زیادتی ہے۔[2]

حضور صلعم سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے ہر نماز کے لئے تیمم کیا ہو اور نہ آپ نے ایسا کرنے کا حکم دیا بلکہ آپ نے تیمم کو وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے[3] اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس کا حکم اور وضو کا حکم ایک ہو مگر اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

---

[1] امام احمد صاحب کا مسلک یہی ہے کہ وہ اس باب میں ایک ضرب اور صرف گٹوں تک۔ مسح کے قائل ہیں اسی کو علامہ نے پسند کیا ہے لیکن حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ چہرے کا مسح ایک ضرب سے اور کہنیوں ۔۔۔ کا دوسری ضرب سے کیا جائے کیونکہ انکے نزدیک تیمم طہارت اصلیہ ہے اور وضو کے قائمقام ہے پھر چونکہ نص قرآنی نے منہ اور ہاتھوں کے مسح کو منصوص کر دیا ہے اسلئے ان دونوں کا بھی مسح اس حد تک کیا جائیگا جس حد تک غسل کیا جاتا ہے رہا حدیث کا معاملہ سو اس مسئلہ میں صحیح طور پر محفوظ احادیث موجود ہیں حاکم اور دار قطنی نے ظبیان کی سند سے حدیث ذکر کی ہے کہ ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کیلئے۔ اسپر حاکم نے اگرچہ سکوت اختیار کیا ہے لیکن دار قطنی نے انکو صدوق مانا ہے پھر امام حاکم ہی نے ایک دوسری حدیث حضرت جابر بن عبداللہ کی نقل کی ہے اسکے بارے میں انھوں نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے اور دار قطنی نے اسکے تمام رجال کو ثقہ قرار دیا ہے صاحب فتح القدیر نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسکو امت نے قبول کیا ہے اھ فتح القدیر صفحہ ۱۲۰ ج ۱ (باقی اگلے صفحہ پر)

دسواں باب

حضور صلعم کی نماز کا بیان

حضور صلعم کی نماز کا طریقہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوا کرتے تھے تو اللہ اکبر کہہ کر تحریمہ باندھتے تھے اس کے علاوہ آپ اس سے پہلے نیت کے لئے کوئی لفظ نہیں کہتے تھے[۱] کہ میں فلاں نماز پڑھتا ہوں اور قبلہ کی طرف منہ کرتا ہوں، امام مقتدی، ادا، قضا، فرض، نفل وغیرہ کے الفاظ بھی زبان سے ادا نہیں فرماتے تھے، یہ دس بدعات ایسی ہیں جو آپ سے ضعیف مرسل کسی قسم کی حدیث سے ثابت نہیں نہ صحابہ رضہ نے ایسا کیا اور نہ تابعین نے ہی ایسا کیا اور نہ ائمہ اربعہ میں سے ہی کسی نے اس کو اختیار کیا۔

دراصل بات یہ ہے کہ بعض متاخرین کو امام شافعی صاحب کے اس اجتہاد سے دھوکہ ہو گیا کہ نماز مثل روزہ کے ہے اس لئے کوئی بغیر ذکر کے نماز میں داخل نہ ہو لہذا متاخرین نے یہ سمجھ لیا کہ نماز کی نیت.. لفظوں میں ادا کرنا چاہیئے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ ذکر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے یہ خیال تو فرمایئے امام شافعی صاحب کس طرح سے مستحب کہہ سکتے تھے جبکہ حضور صلعم نے کسی نماز میں ایسا نہیں کیا اور نہ خلفائے راشدین اور نہ حضرات صحابہ رضہ ہی نے ایسا کیا، یہ ان حضرات کی سیرت ہے۔ اگر ان حضرات سے ایک حرف بھی اس بارے میں منقول ہوتا تو علی الراس والعین کیونکہ ان حضرات ہی کی سیرت قابل قبول اور قابل اقتداء ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ ۲ اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر علامہ پر سوال قائم ہو جاتا ہے کہ آپ نے کس سند کے ساتھ اسکو حضور صلعم کی طرف منسوب کر دیا۔

۳ جب وضو کا قائم مقام تسلیم ہے تو پھر کہنیوں تک مسح سے انکار کیوں۔

۱ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ نیت فعل قلبی ہے زبان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اسی وجہ سے اعمال کا اعتبار نیت پر ہے اسی سے کوئی عمل قربت بنتا ہے اس لئے نماز کے لئے بھی نیت کو ضروری قرار دیا ہے لیکن جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ نیت کے الفاظ ادا کر کے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں یہ بدعت ہے جیسا کہ علامہ نے بیان کیا ہے۔ امام ابن ہمام کا یہی مسلک ہے انھوں نے حنفی مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے اس کو بدعت قرار دیا ہے مگر متاخرین حضرات نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے بدعت اور مستحسن؟

حضور صلعم کی تکبیر تحریمہ میں عادت شریفہ صرف لفظ "اللہ اکبر" کہنے کی تھی اس کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ آپ سے منقول نہیں ہے آپ جب تکبیر فرماتے تو دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر قبلہ کی طرف کرتے اور انگلیوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے۔ مونڈھوں تک اٹھانے کی بھی روایت ہے چنانچہ حمید الساعدی فرماتے ہیں۔

حتی یحاذی بھما المنکبین — آپ مونڈھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھاتے تھے

ایسے ہی حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے حضرت وائل بن حجرؓ نے کانوں تک کے لئے فرمایا ہے اور حضرت براء بن عازبؓ نے کانوں کے قریب تک کا ذکر کیا ہے۔ بہر حال اس عمل میں اختیار ہے (جہاں تک چاہے اٹھائے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسکا اعلیٰ مرتبہ کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا ہے اور مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا بھی کافی ہے۔ بہر حال اسمیں کوئی زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ اسکے بعد حضور صلعم داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھتے اور کبھی تو آپ اس دعا سے نماز شروع فرماتے۔

اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب اللھم اغسلنی من خطایای بالماء والثلج والبرد اللھم نقنی من الذنو کما ینقی الثوب الابیض من الدنس۔

اور کبھی آپ یہ دعا بھی پڑھتے تھے۔

وجھت وجھی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا ومسلما وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین ولا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین اللھم انت الملک لا الہ الا انت ربی وانا عبدک ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعا انہ لا یغفر الذنوب الا انت واھدنی لاحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئی الاخلاق لا یصرف عنی سیئھا الا انت لبیک وسعدیک والخیر کلہ بیدیک والشر لیس الیک انا بک والیک تبارکت ربنا وتعالیت استغفرک واتوب الیک۔

لیکن اس بارے میں زیادہ پختہ بات یہ ہے کہ ان دعاؤں کے ساتھ رات کی نمازیں (تہجد) شروع فرمایا کرتے تھے کبھی آپ یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے۔

اللھم رب جبرئیل ومیکائیل واسرافیل فاطر السموٰت والارض عالم

الغیب والشهادة انت تحکم بین عبادك فیما کانوا فیه یختلفون اهدنی لما اختلف فیه من الحق باذنك انك تهدی من تشاء الی صراط مستقیم۔

اور کبھی آپ یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے۔

اللهم لك الحمد انت نور السموٰت والارض ومن فیهن۔

بعض صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ تکبیر کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے۔

الله اکبر الله اکبر الله اکبر الحمد لله کثیراً سبحان الله بکرة واصیلاً (تین مرتبہ) اللهم انی اعوذبك من الشیطان الرجیم من همزه و نفخه ونفثه

اور کبھی آپ دس مرتبہ اللہ اکبر کہتے پھر دس مرتبہ سبحان اللہ کہتے پھر الحمد للہ دس مرتبہ کہتے پھر لا الہ الا اللہ دس مرتبہ پھر استغفار دس مرتبہ کہتے تھے اور اسکے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللهم اغفرلی واهدنی وارزقنی (دس مرتبہ) پھر اللهم انی اعوذبك من ضیق المقام یوم القیمة (دس مرتبہ)

ثنا کی فضیلت

بہرحال یہ تمام دعائیں صحیح طور پر ثابت ہیں اسکے علاوہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نماز کی ابتدا اس سے فرماتے تھے سبحنك اللهم وبحمدك الخ۔ یہ حدیث اصحاب سنن نے علی بن علی الرفاعی کی سند سے ذکر کی ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی بھی یہی حدیث ہے لیکن اس سے زیادہ پہلی حدیثیں مضبوط ہیں[1]۔

لیکن حضرت عمر رضؓ سے ثابت ہے کہ وہ مصلے پر کھڑے ہو کر جب نماز پڑھاتے تو سبحنك اللهم لوگوں کو بتلانے کی غرض سے زور سے پڑھا کرتے تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں میرا مسلک وہی ہے جو حضرت عمر رضؓ کا عمل تھا۔ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اسی دعا سے نماز کو شروع کرے جس سے حضور صلعم شروع کیا کرتے تو بہت اچھا ہے۔ امام احمد نے یہ عمل دس وجوہ سے اختیار کیا ہے میں نے ان وجوہات کو دوسری جگہ ذکر کیا ہے منجملہ ان میں سے ایک تو ہے حضرت عمر رضؓ کا جہر کرنا (۲) یہ دعا کلام اللہ کے بعد افضل الکلام (کلام رسول) پر مشتمل ہے۔ اور قرآن پاک کے بعد افضل کلام سبحان اللہ والحمد للہ

---

[1] اس بارے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ انھوں نے سبحنك اللهم الخ کو نماز کے شروع میں پڑھنے کا حکم دیا ہے حضور صلعم نے ایک اعرابی کو نماز کی تعلیم دیتے ہوئے یہی دعا سکھائی تھی حنفیہ نے نوافل میں توسع کو اختیار کیا ہے جیسا کہ مذکورہ سطور میں علامہ کی بھی یہی رائے ہے۔

ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہے۔ اور نماز کی یہ ابتدائی دعا ان سب کلمات پر مشتمل ہے۔ یہ ابتدائی دعا اللہ تعالیٰ کی خالص حمد و ثنا ہے بخلاف دوسری دعاؤں کے کہ ان میں ثنا بھی ہے اور دعا بھی۔ دعا سے افضل ثنا ہے۔ اسی وجہ سے سورۂ اخلاص ثلث قرآن کے برابر ہے۔ اس لئے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کے الفاظ موجود ہیں۔ بہرحال سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر قرآن پاک کے بعد افضل الکلام ہے لہٰذا جتنی ابتدائی دعائیں نماز کے لئے ہیں یہ دعا سب میں افضل ہے (۴) بقیہ دعائیں صرف رات کی نفل نماز میں پڑھی جاتی تھیں اور یہ دعا حضرت عمرؓ فرض نماز میں لوگوں کو بتلانے کے لئے پڑھا کرتے تھے۔ (۵) یہ دعا اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کی خبر دیتی ہے اور ابتدائی دعا وجہت وجہی الخ بندے کی عبودیت کا اظہار کرتی ہے۔ اسی سے دونوں کے درمیان فرق بالکل ظاہر ہے (۶) جن لوگوں نے وجہت وجہی کو اختیار کیا ہے انھوں نے حدیث کے ایک ٹکڑے کو اختیار کیا ہے کیونکہ یہ دعا پوری حدیث کا ایک ٹکڑا ہے بخلاف سبحٰنک اللّٰھم کے۔[1]

سورۂ فاتحہ کے بارے میں

اس کے بعد حضور صلعم اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتے پھر سورۂ فاتحہ پڑھتے اور اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھا کرتے تھے[2] اور کبھی خاموشی سے بھی پڑھ لیتے تھے۔ بہرحال جہر کے مقابلہ میں اکثر و بیشتر آہستہ ہی پڑھا کرتے تھے، خلفائے راشدین بھی اسکو آہستہ ہی پڑھا کرتے تھے جمہور صحابہؓ اور تابعین حضرات اور جتنے اکابر گذرے ہیں وہ سب آہستہ ہی پڑھا کرتے تھے۔ بہرحال یہ ایک ایسا مشکل ترین مسئلہ ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لکھی جا سکتی ہے[3]

حضور صلعم ہر آیت پر وقف کیا کرتے اور آواز کو لمبا کر دیا کرتے تھے۔ اور آپ کے پیچھے والے بھی

---

[1] حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ وہ استفتاح صلوٰۃ میں سبحٰنک اللّٰھم الخ پڑھنا سنت قرار دیتے ہیں بقیہ ادعیہ ماثورہ نوافل کے لئے ہیں جیسا کہ علامہ نے فرمایا ہے یہ سب دعائیں یکجا طور پر سنن ابی داؤد میں موجود ہیں۔

[2] علامہ نے سورۂ فاتحہ کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے مانی ہے حالانکہ سورہ فاتحہ الحمد للہ رب العٰلمین سے شروع ہوتی ہے۔ وجہ اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی تسمیہ کو ہر سورت کا جزو قرار دیتے ہیں حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ تسمیہ قرآن پاک میں فصل اور علامت کے لئے ہے اسی وجہ سے حنفیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو کسی بھی نماز میں جہراً پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر حضور صلعم سے ابتدائے صلوٰۃ میں تسمیہ جہراً پڑھنا ثابت ہے تو وہ تعلیماً تھا بہرحال اس مسئلہ میں علامہ کے الفاظ ہی کافی جاندار ہیں اس لئے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

[3] حنفیہ کا یہی مسلک ہے جو علامہ نے تحریر فرمایا ہے۔

اس کو کہہ دیتے تھے[۱]۔ آپ کی قرأت میں دو سکتے ہوتے تھے (یعنی ٹھہراؤ) ایک تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان۔ اسی کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ سے سوال کیا گیا تھا[۲]۔ دوسرے سکتہ (ٹھہراؤ) کے بارے میں اختلاف ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سکتہ سورہ فاتحہ کے بعد تھا اور یہ بھی منقول ہے کہ قرأت کے بعد اور رکوع سے پہلے تھا ہی ایک قول ہے کہ یہ دونوں سکتے اول کے سکتہ کے علاوہ ہیں اسی طرح تین سکتے ہو جاتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ سکتے دو ہی ہیں اور تیسرا سکتہ سانس کے لئے تھا اور بہت لطیف تھا آپ ایک سکتہ رکوع سے متصل نہیں کرتے تھے بلکہ ہلکا سا سکتہ کرتے تھے۔ بخلاف پہلے سکتہ کے کہ وہ بقدر استفتاح تھا اور تیسرا سکتہ یعنی سورہ فاتحہ کے بعد جو سکتہ..... تھا اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ مقتدی کے لئے ہوتا تھا (تاکہ وہ سورہ فاتحہ کی قرأت پوری کر لے) لہٰذا اس سے نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ یہ سکتہ بھی بقدر سورہ فاتحہ..... طویل ہوتا تھا۔ رہی تیسرے سکتہ کی بات سو وہ سانس لینے کے لئے ہوتا تھا اور بہت ہلکا ہوتا تھا۔ جن حضرات نے اس سکتہ کا ذکر نہیں کیا انھوں نے اس کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے نہیں کیا اور جنھوں نے ذکر کیا ہے انھوں نے اس کو نظر انداز نہیں کیا۔ اس طرح دونوں روایتوں میں کوئی فرق اور اختلاف نہیں ہے۔ رہی دو سکتے والی حدیث وہ حضرت سمرة بن جندبؓ کی ہے اور صحیح ہے اسی کو ابی بن کعب اور عمران بن حصین نے بھی روایت کیا ہے امام حاکم نے فرمایا ہے یہ صحیح ہے۔ حضرت سمرة بن جندب کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

قد حفظت من رسول الله	میں نے حضور صلعم کے دو سکتے یاد کئے ہیں
صلعم سکتتین سکتة اذا کبر و	ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا
سکتة اذا فرغ من قراة غیر	سکتہ جب آپ سورہ فاتحہ کی قرأت
المغضوب علیهم ولا الضالین	سے فارغ ہوتے تھے۔

۱؎ امام کے پیچھے قرأت پڑھنا قرآن وحدیث کی رو سے ناجائز ہے قرآن پاک میں موجود ہے اذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون اسی طرح حدیث میں موجود ہے ومالی انازع فی القرآن او فی الصلوٰة اسی طرح دوسری حدیث ہے من کان له امام فقراة الامام له قرأة بہرحال متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنا چاہیئے بلکہ خاموش رہنا چاہیئے۔ علامہ نے جو چیز بیان کی ہے وہ ابتدائے صلوٰة کے متعلق ہے یعنی اسوقت امام کے پیچھے قرأت کی اجازت تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا یا یہ کہنا چاہیئے کہ بعض صحابہ رضا ناواقفیت کی بنا پر ایسا کر لیتے ہوں گے واللہ اعلم۔

۲؎ صحیح روایات سے دو ہی سکتے ثابت ہیں ایک طویل سکتہ سبحانک اللھم پڑھنے کے وقت اور دوسرا سکتہ ولا الضالین کے بعد جس میں خاموشی کے ساتھ آمین کہتے تھے اسی سکتہ کو بعد القرأة قرار دیا ہے اور ابو داؤد کی روایت میں تو صراحةً موجود ہے بعد قرأة الفاتحہ یعنی سورہ فاتحہ کی قرأت کے بعد تیسرے سکتہ کے متعلق شدید اختلاف ہے (بذل المجہود ص۲۵ ج ۲)

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے۔

اذا فرغ من القرأۃ سکت — جب آپ قرأت سے فارغ ہوتے تو سکوت فرماتے

یہ حدیث مجمل ہے اور پہلی حدیث مفسر ہے۔ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن فرماتے ہیں امام کے دو سکتے ہوتے ہیں۔ ان میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کو غنیمت جان لینا چاہیئے یعنی ان سکتوں میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرلینی چاہیئے اول ابتدائے صلوٰۃ دوسرے ولا الضالین کے بعد (علامہ ابن قیم فرماتے ہیں) اس وضاحت سے دونوں سکتوں کا مقام متعین ہوگیا۔

یہ بات ہم نے حضرت قتادہ کے بیان کے مطابق تحریر کی ہے انھوں نے حضرت سمرۃ رضؓ کی حدیث بواسطہ حسن روایت کی ہے (جس کے الفاظ اوپر گذر چکے ہیں) حضرت عمران نے ان کی روایت کا انکار کیا اور فرمایا مجھے تو صرف ایک سکتہ کے متعلق معلوم ہے اسی نزاع کی اطلاع حضرت ابی بن کعب رضؓ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی انھوں نے جواب دیا کہ حضرت سمرۃ رضؓ کو یاد ہے۔ حضرت سعید فرماتے ہیں یہ سنکر ہم نے حضرت قتادہ سے سوال کیا کہ دو سکتے کون کون ہیں۔ فرمایا ایک تو ابتدائے صلوٰۃ میں اور دوسرا سکتہ ولا الضالین کی قرأت کے بعد۔ (قتادہ نے فرمایا) حضور صلعم سکتہ کرنے کو پسند فرماتے تھے تاکہ سانس قرار پکڑ جائے۔

قرأت کا بیان

حضور صلعم جب سورۂ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو پھر کوئی دوسری سورۃ شروع فرماتے تھے اور اکثر قرأۃ طویل فرمایا کرتے تھے۔ سفر یا کسی عارضہ کی وجہ سے اختصار بھی کرلیتے تھے۔ فجر کی نماز میں ہمیشہ ساٹھ آیات سے سو آیات تک قرأت فرماتے۔ صبح کی نماز میں آپ نے سورۂ قٓ، سورہ روم، سورۂ کورت، سورۂ اذا زلزلت کی قرأت کی ہے اور معوذتین کی قرأت بھی کی ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ نے سورۂ مؤمنین کی قرأت شروع فرمائی جب آپ موسیٰ و ہارون کے ذکر پر پہونچے تو آپ کو کھانسی آنے لگی آپ نے فوراً ہی رکوع کرلیا۔

جمعہ کے دن آپ صبح کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے آپ نے ایسا کبھی نہیں کیا کہ کچھ حصہ ایک سورت کا پڑھا اور کچھ حصہ دوسری سورت کا جیسا کہ آج کل لوگوں کی عادت ہے۔ سورۂ سجدہ کو دو رکعتوں میں پڑھنا یہ خلاف سنت ہے (اسی کے ساتھ جن جاہلوں کا یہ خیال ہے کہ جمعہ کی صبح کو اسی سورۂ سجدہ کی وجہ سے فضیلت ہے تو یہ بھی ان کی بڑی جہالت ہے اسی لئے بعض ائمہ نے اس خیال کی تردید کرنے کے لئے سورۂ سجدہ کی تلاوت جمعہ کے دن صبح کی نماز میں

مبدا و معاد، دوزخ، جنت، قیامت وغیرہ کا ذکر ہے۔ لہٰذا ان سورتوں کو نصیحت کی وجہ سے پڑھا جاتا ہے، جیسا کہ بڑے مجامع میں سورۂ ق، اقتربت، سبح اور الغاشیہ کو پڑھا جاتا ہے۔[1]

قرأت پنجگانہ

حضور صلعم کبھی کبھی ظہر کی نماز کو طویل کر دیتے تھے حتیٰ کہ حضرت ابو سعید رضؓ فرماتے ہیں کہ اتنی طویل قرأت ہوتی تھی کہ کوئی جانے والا بقیع جا کر قضائے حاجت کر آئے اور اپنے گھر آ کر وضو کرلے۔ پھر بھی حضور صلعم کو پہلی ہی رکعت میں پا سکتا تھا اس روایت کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

ظہر کی نماز میں کبھی آپ سورہ الم تنزیل اور کبھی سورۂ سبح اسم، واللیل اذا یغشیٰ اور والسماء ذات البروج، اور والسماء، والطارق پڑھا کرتے تھے۔ عصر کی نماز میں زیادہ سے زیادہ ظہر کی نماز کے نصف کے برابر یا اس سے کچھ کم قرأت کرتے تھے۔ مغرب کی نماز میں آپ کی عادت شریفہ آج کل کے لوگوں کی طرح نہیں تھی بلکہ اس نماز میں آپ نے کبھی سورۂ اعراف کو دو رکعت میں پڑھا ہے کبھی والطور اور کبھی مرسلات بھی پڑھی ہیں۔ علامہ ابو عمر بن عبدالبر فرماتے ہیں۔ حضور صلعم سے مروی ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز میں المص، والصافات، الدخان، سبح اسم، والتین، معوذتین، مرسلات وغیرہ سورتوں کو پڑھا ہے۔ اکثر آپ مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھا کرتے تھے[2] اور مغرب کی نماز میں صرف قصار مفصل پر مداومت کرنا اس کو مروان بن حکم نے شروع کیا ہے اسی وجہ سے حضرت زید بن ثابت نے ان پر نکیر کی تھی۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ مغرب میں قصار مفصل پڑھنا چاہیئے۔ میں نے حضور صلعم کو دیکھا ہے[3] کہ آپ مغرب کی نماز میں طولی الطولیین یعنی دو طوال مفصل پڑھا کرتے تھے میں نے دریافت کیا تو فرمایا سورۂ الاعراف کی روایت صحیح ہے اس کو اصحاب سنن نے بھی روایت کیا ہے۔

---

[1] سیدی و مرشدی و مولائی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رہ کا جمعہ کے دن صبح کی نماز میں یہی معمول تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں نے اس سنت کو ترک کر دیا ہے۔ اس وجہ سے ان کو پڑھتا ہوں۔ جن فقہا کے متعلق علامہ ابن قیم نے ذکر کیا ہے کہ وہ مکروہ سمجھتے ہیں تو کسی وقت ایسا ہو گا ورنہ اب لوگوں کا یہ خیال نہیں ہے اس لئے تردید کی بھی ضرورت باقی نہیں۔

[2] سورہ حجرات سے سورہ بروج تک طوال مفصل اور سورۂ بروج سے لم یکن الذین تک اوساط مفصل اور اس کے بعد سے سورۂ الناس تک قصار مفصل کہا جاتا ہے فقہا احناف نے حضور صلعم کی پنجگانہ قرأت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مراتب مقرر کئے ہیں ابوداؤد میں اس قسم کی روایات موجود ہیں جن سے حنفیہ کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

[3] حضور صلعم نے مختلف اوقات میں بڑی اور چھوٹی سورتیں غالباً اس وجہ سے بھی پڑھی ہیں تاکہ امت کو وقت کی تحدید معلوم ہو جائے۔ اگر مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھیں جائیں تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ اس نماز کا انتہائی وقت ہو گا حالانکہ مغرب میں جب تک سرخی باقی رہتی ہے اس وقت تک بالاتفاق مغرب کا وقت باقی رہتا ہے۔

نسائی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی روایت نقل کی ہے۔

ان النبی صلعم قرا فی المغرب سورۃ الاعراف فرقہا فی الرکعتین — حضور صلعم نے مغرب کی دو رکعتوں میں سورہ اعراف کی قرأت کی ہے۔

لہٰذا مغرب کی نماز میں دو چھوٹی چھوٹی سورتوں ہی کو پڑھتے رہنا یہ خلاف سنت ہے اور مروان بن حکم کی ایجاد ہے۔ عشا آخر یعنی عشا کی نماز میں[1] آپ نے سورہ والتین کی قرأت کی ہے اور حضرت معاذ بن جبل رضہ کے لئے تو آپ نے عشا کی نماز میں سورۂ والشمس، سبح اسم، واللیل وغیرہ کو مقرر فرما دیا تھا اور ان کو منع کر دیا تھا کہ وہ اس نماز میں سورۂ بقرہ کی قرأت نہ کیا کریں کیونکہ وہ عشا کی نماز میں حضور صلعم کے ساتھ شریک رہتے اور اس کے بعد اپنی مسجد بنی عوف میں جاکر نماز پڑھاتے تھے اس طرح رات کا کافی حصہ گذر جاتا تھا۔ اس پر وہ سورہ بقرہ کی قرأت کرتے تھے اسی وجہ سے حضور صلعم نے ان کو فرما دیا تھا۔

افتان انت یا معاذ — اے معاذ تم لوگوں کو فتنہ میں بتلا کرتے ہو۔

تنقید کرنے والوں نے صرف اسی کلمہ پر نظر کی اور پس منظر کو بالکل نظر انداز کر دیا۔

جمعہ کی نماز میں آپ سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون، سورہ سبح اسم، سورۂ الغاشیہ کی قرأت فرمایا کرتے تھے لیکن آخر کی دو سورتوں (سبح اسم، الغاشیہ) پر ہی اقتصار کر لینا۔ ایسا آپ نے کبھی نہیں کیا ہے۔ ایسا کرنا آپ کی سنت کے خلاف ہے۔

عید کی نمازوں میں کبھی آپ سورۂ ق، سورۂ اقتربت پڑھتے اور کبھی سبح اسم، سورۂ الغاشیہ پڑھتے۔ یہی آپ کی عادت شریفہ تھی اسی پر آپ کا وصال ہوا اسی کو خلفاء راشدین نے اختیار کیا ہے چنانچہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے صبح کی نماز میں سورۂ بقرہ کی قرأت شروع کر دی اور سورج نکلنے کے قریب ہی نماز سے فارغ ہوئے لوگوں نے عرض کیا۔

یا خلیفۃ رسول اللہ صلعم کادت الشمس تطلع — اے خلیفہ رسول اللہ صلعم سورج نکلنے کے بالکل قریب تھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

لو طلعت لم تجدنا غافلین — اگر نکل آتا تو ہمیں غافل نہ پاتا[2]

---

[1] لغت کے اعتبار سے مغرب کو عشا اول اور عشا کو عشا آخر کہتے ہیں [2] اسکے دو ترجمے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اگر سورج نکل آتا تو کیا ہوا ہم سو نہیں رہے تھے یاد الٰہی میں لگے ہوئے تھے اور یہ حالت سونے والوں سے بدرجہا افضل ہے دوسرے یہ کہ ہم سورج کے نکلنے سے غافل نہیں تھے ہمیں یہ احساس تھا کہ سورج کب نکلے گا لہٰذا اس سے پہلے نماز سے فارغ ہو گئے۔ عزیز الرحمٰن غفرلہ

حضرت عمر رضؓ صبح کی نماز میں سورۂ یوسف، سورۂ نحل، سورۂ ہود، سورہ بنی اسرائیل وغیرہ کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ اگر حضور صلعم کی طویل قرأت منسوخ ہوئی ہوتی تو آپ کے خلفاء ایسا نہ کرتے (معلوم ہوا کہ طویل قرأت منسوخ نہیں ہے اسی وجہ سے خلفاء راشدین اس پر عامل تھے) اور اس بات کو اہل تنقید بھی جانتے ہیں۔ مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرۃ رضؓ کی حدیث شریف موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

ان النبی صلعم کان یقرأ فی الفجر ق والقرآن المجید وکانت الصلوٰۃ بعد تخفیفاً	حضور صلعم فجر کی نماز میں سورۂ ق کی قرأت فرمایا کرتے تھے اور اس کے بعد آپ کی نماز ہلکی ہوتی تھی۔

حدیث میں لفظ "بعد" کا مطلب بعد الفجر ہے یعنی آپ فجر کی قرأت دوسری نمازوں کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ طویل کر دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد کی دیگر نمازوں میں تخفیف ہوتی تھی۔ ہماری اس بات کی تائید میں حضرت ام الفضل رضؓ کا ارشاد موجود ہے۔ فرماتی ہیں۔

قد سمعت ابن عباس رضؓ یقرأ والمرسلات	میں نے ابن عباس رضؓ کو سورۂ والمرسلات پڑھتے سنا ہے۔

تب میں نے ابن عباس رضؓ سے دریافت کیا۔ بیٹے! یہ تو بتا تو نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا تھا یہ آخری سورت ہے جس کو میں نے جناب رسول اللہ صلعم سے مغرب کی نماز میں پڑھتے سنا ہے۔ بہرحال مذکورہ حدیث میں یہ لفظ کانت الصلوٰۃ بعد غایت ہے اور اس کا مضاف الیہ محذوف ہے لہٰذا لفظ "بعد" کے بعد کوئی ایسی ضمیر محذوف نہیں مانی جا سکتی جو سیاق کلام کے موافق نہ ہو۔ اور نہ بلا ضمیر ہی کے اس کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ یہاں ضمیر محذوف کا مرجع بعد صلوٰۃ الفجر (یعنی فجر کی نماز کے بعد دیگر نمازیں ہوگا) اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس دن کے بعد بقیہ آنے والے تمام ایام کی نمازیں ہلکی ہوتی تھیں۔ بالفرض اگر یہی مراد ہوتی تو یہ بات خلفاء راشدین سے ہرگز پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی کہ وہ معلوم ہونے کے باوجود منسوخ پر عمل کریں اور ناسخ کو ترک کر دیں اس کے علاوہ حضور صلعم کا یہ ارشاد

ایکم ام الناس فلیخفف	تم میں سے جو بھی امامت کرائے وہ تخفیف سے کام لے

اور حضرت انس رضؓ کا یہ ارشاد

کان رسول اللہ صلعم اخف	حضور صلعم تمام انسانوں سے زیادہ ہلکی پھلکی
الناس صلوٰۃ	نماز پڑھا کرتے تھے۔

اس سے یہ چیز ظاہر ہوتی ہے کہ تخفیف ایک نسبتی چیز ہے جس کا تعلق حضور صلعم سے ہے نہ یہ کہ اس کا تعلق مقتدیوں سے جوڑ دیا جائے۔ کیونکہ حضور صلعم نے لوگوں کو کبھی ایسا حکم نہیں دیا کہ جسکی مخالفت از خود عملاً کی ہو۔ اور یہ چیز سب کو معلوم ہے کہ حضور صلعم کے پیچھے بوڑھے، کمزور، ضرورت مند سبھی قسم کے حضرات ہوتے تھے۔ آپ نے اگر کبھی تخفیف کی ہے تو کسی ضرورت کے وجہ سے کی ہے۔ اس کے باوجود بھی اکثر آپ طویل قرأت فرمایا کرتے تھے۔ اس نکتہ کو اگر سامنے رکھ کر سوچا جائے تو تخفیف حضور صلعم کی تطویل کی نسبت سے تھی۔ (نہ کہ ہماری نسبت سے)

بہرحال اس بارے میں آپ کی سیرت مقدسہ یہی ہے اسی پر آپ نے مواظبت فرمائی ہے۔ اور آپ کی سیرت مقدسہ ہی کسی امر متنازعہ فیہ یا مختلف فیہ میں دلیل، اور حجت قرار دی جاسکتی ہے۔ میری ان گزارشات کی تائید میں ایک حدیث اور بھی ہے وہ یہ ہے۔

عن ابن عمر رضؓ قال کان	حضرت ابن عمر رضؓ سے مروی ہے کہ حضور صلعم ہمیں
رسول اللہ صلعم یامرنا بالتخفیف	نماز میں تخفیف کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور ہم سورۂ
ویومنا بالصافات	صافات امامت کراتے ہوئے پڑھا کرتے تھے

اس سے یہ واضح ہے کہ سورۂ صافات کی قرأت کرنا تخفیف میں داخل ہے۔[1]

سورت کا معین کرنا

جمعہ اور عیدین کے علاوہ آپ نے کسی نماز کے لئے کوئی خاص سورت معین نہیں فرمائی۔ جمعہ اور عیدین کے علاوہ دیگر نمازوں کے لئے امام ابی داؤد نے عمرو بن شعیب کی حدیث نقل فرمائی ہے۔

ما من المفصل سورۃ صغیرۃ	مفصلات میں سے کوئی چھوٹی یا بڑی
ولا کبیرۃ الا وقد سمعت رسول	سورت ایسی نہیں ہے جس کو میں نے
اللہ صلعم یوم الناس بھا فی	حضور صلعم سے نماز فرض میں امامت کراتے
الصلوٰۃ المکتوبۃ	ہوئے نہ سنا ہو۔

---

[1] ان دلائل اور نظائر سے امام ابوحنیفہ کے مسلک کی تائید ہو رہی ہے کہ طویل قیام کثرت سجود سے افضل ہے امام شافعی صاحب کثرت سجود کو افضل قرار دیتے ہیں ویز علامہ نے ویومنا بالصافات میں واؤ کو عاطفہ مانا ہے اور اگر اس واؤ کو حال کے لئے قرار دیدیا جائے تو پھر معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ عزیز الرحمٰن غفرلہٗ

آپ کی عادت شریف نماز میں پوری سورت .... پڑھنے کی تھی ہاں بعض دفعہ آپ نے ایک سورت کو دو رکعت میں بھی پڑھا ہے۔ ایسا اگر آپ نے کبھی کیا ہے تو اول سورت کو پڑھا ہے ایسا نہیں کیا کہ آخر سورت یا بیچ میں سے پڑھنا شروع کر دیا ہو اور ایک رکعت میں دو سورتوں کو ملا کر پڑھنا۔ ایسا آپ نے نفل نماز میں کیا ہے۔ فرض نماز میں آپ سے یہ چیز ثابت نہیں ہے رہا حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کی اس حدیث کا معاملہ

کہ مجھے ایسی بہت سی نظیریں معلوم ہیں کہ حضور صلعم بہت سی سورتوں کو ملا کر پڑھا کرتے تھے مثلاً ایک رکعت میں الرحمٰن، النجم، اور ایک رکعت میں اقتربت، الحاقۃ، اور ایک رکعت میں والطور، الذاریات اور ایک رکعت میں اذا وقعت، نون۔

اس حدیث میں فعل کی حکایت ہے جس میں محل متعین نہیں ہے کہ آپ فرض نماز میں ایسا کرتے تھے یا نفل میں رہا ایک سورت کو دو رکعت میں پڑھنے کا مسئلہ تو آپ نے ایسا کبھی کبھی کیا ہے۔ امام ابو داؤد نے قبیلہ جہینہ کے ایک شخص کی ایک روایت نقل کی ہے۔

انہ سمع رسول اللہ صلعم یقرأ فی الصبح اذا زلزلت فی الرکعتین کلیتھما

کہ انھوں نے رسول اللہ صلعم سے صبح کی نماز میں دونوں رکعتوں میں سورۃ اذا زلزلت کو پڑھتے سنا ہے۔ راوی کا کہنا ہے کہ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ آپ نے سہواً ایسا کیا ہے یا عمداً ایسا کیا ہے۔

پہلی رکعت کا بڑا ہونا

حضور صلعم نماز فجر اور بقیہ دیگر نمازوں کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت کی بہ نسبت طویل کر دیتے تھے۔ اور صبح کی نماز نسبتہً اور نمازوں کے زیادہ طویل ہوتی تھی۔ اور یہ اس وجہ سے کہ آیت مبارکہ قرآن الفجر کان مشہودا موجود ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے وہ فرشتے جو صبح و شام کو آنے جانے والے ہوتے ہیں ادھر خاص طور سے متوجہ ہوتے ہیں

ان دونوں قول کا بنی اس پر ہے کہ نزول الٰہی (خداوند قدوس کی رحمت خاصہ کا نزول) صبح کی نماز کے ختم تک رہتا ہے یا صرف طلوع فجر تک۔ اس بارے میں دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔

نماز صبح کے زیادہ طویل کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس نماز کی رکعت چونکہ کم ہیں اس کمی کو طول قیام سے پورا کیا گیا ہے۔ یہ بھی وجہ ہے کہ یہ نماز نیند کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ بہت سے لوگ

سوئے ہوتے ہیں۔ (طول قرأت سے ان کی رعایت بھی ہو جاتی ہے کہ وہ بھی بیدار ہو کر شریک ہو جائیں) یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت چونکہ قلب، زبان امور معاشیہ سے بالکل خالی ہوتے ہیں اس لئے قرأت نہایت غور و تدبر سے سنی جاتی ہے اور قرآن پاک چونکہ اعمال کی بنیاد ہے اس وجہ سے اس کا اتنا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ چند اسرار ہیں ان کو وہی لوگ خوب جان سکتے ہیں جو اسرار شریعت اور اس کے مقاصد کی تلاش میں رہتے ہیں۔

رفع یدین

حضور صلعم جب قرأت سے فارغ ہوتے تو سانس کے ٹھہراؤ کے لئے قدرے سکوت فرماتے اس کے بعد تکبیر تحریمہ کی طرح رفع یدین فرماتے[1] (جیسا کہ گذر چکا ہے) اور تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے اور دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں کو پکڑتے اور ہاتھوں کو اس طرح سیدھا رکھتے کہ وہ پہلو سے جدا رہتے تھے۔ اور کمر کو بالکل سیدھا ہموار رکھتے۔ سر نہ بالکل جھکا رہتا اور نہ ابھرا ہوا ہی رہتا۔ بلکہ سر اور کمر دونوں ایک سیدھ میں رہتے۔ اور رکوع میں سبحان ربی العظیم کہتے کبھی...... سبحنک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی بھی پڑھ لیتے تھے[2]۔ آپ کا رکوع عام طور سے بقدر دس تسبیح ہوتا تھا اور یہی حال سجدہ کا تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت براء بن عازب رض نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے کہ میں نے حضور صلعم کی نماز کو ایسا محسوس کیا کہ آپ کا رکوع قیام کے برابر ہوتا تھا اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان کا جلسہ بھی برابر ہوتا تھا۔ اس حدیث سے بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ حضور صلعم کا رکوع بقدر قیام ہوتا تھا اور سجدہ بقدر

---

[1] **رفع یدین** محدثین اور فقہا کے درمیان یہ بہت بڑا مسئلہ ہے حنفیہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کے قائل ہیں اور امام شافعی صاحب وغیرہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت بھی رفع یدین کو کہتے ہیں۔ دونوں حضرات کے یہاں بکثرت احادیث موجود ہیں۔ اور اس قدر دلائل ہیں کہ اس پر مستقل تصنیفات وجود میں آگئی ہیں۔ یہ حاشیہ ان تمام احادیث اور دلائل کو متحمل نہیں ہو سکتا۔ ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ حضور صلعم نے ان مقامات میں رفع یدین کیا ہے لیکن یہ عمل منسوخ ہو چکا ہے۔ آخر زمانہ میں آپ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کو ترک کر دیا تھا۔ چنانچہ اسی عمل کو خلفاء اربعہ نے اختیار کیا ہے اگر یہ عمل منسوخ نہ ہوتا تو آپ کے جانشین اس عمل کو ترک نہ کرتے۔ حضرت ابن مسعود رض فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رض کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رض کی دوسری روایت ہے کہ حضور صلعم صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔ اس حدیث کو ترمذی نے حسن قرار دیا ہے۔ یہی روایت حضرت ابن عمر رض کی ہے حضرت ابن عمر رض فرماتے ہیں حضور صلعم نے ہمیں رفع یدین کرنے کو منع فرمایا ہے۔ الخ اور بہت سی احادیث ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں نیل الفرقدین از علامہ کشمیری۔ نور العینین از اشفاق الرحمن کاندھلوی۔

[2] نفل میں اس کی گنجائش ہے۔

رکوع ہوتا تھا۔ یہ قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ حضور صلعم صبح کی نماز میں بقدر سو آیات قرأت فرماتے تھے۔ اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ آپ نے مغرب میں سورہ اعراف اور طور مرسلات قرأت فرمائی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ آپ کا رکوع و سجدہ اتنا بڑا نہیں ہوتا ہوگا۔ میری اس رائے کی تائید حضرت انس رضؓ کی اس روایت سے ہو رہی ہے۔

ماصلیت وراء احد بعد رسول اللہ	میں نے حضور صلعم کے بعد ان کی نماز سے زیادہ
اشبہ صلوٰۃ برسول اللہ صلعم	مشابہ نماز بجز اس جوان (یعنی عمر بن عبد العزیز)
الا ھذا الفتی یعنی عمر بن عبد العزیز	کے کسی کے پیچھے نہیں پڑھی ہم نے رکوع میں دس
قال فحزرنا فی رکوعہ عشر تسبیحات	مرتبہ تسبیح کو شمار کیا ہے۔

یہ ہے حضرت انسؓ کا ارشاد جو امامت کراتے ہوئے سورہ صافات کی قرأت فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضؓ کی مراد کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان کی مراد غالباً یہ ہے کہ جب قیام طویل ہوتا تو اسی مناسبت سے رکوع بھی طویل ہوتا اور جب قیام چھوٹا ہوتا تو رکوع میں بھی اسی مناسبت سے کمی ہوتی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ آپ رکوع اور سجدہ بقدر قیام کبھی کبھی کرتے تھے۔ اور ایسا تہجد کی نماز میں ہوتا تھا۔ یا آپ نے صلوٰۃ کسوف میں ایسا کیا ہے جہاں تک حضور صلعم کی عادت شریف کا تعلق ہے اس سے اعتدال اور تناسب ہی ثابت ہوتا ہے۔

حضور صلعم کبھی رکوع میں سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح اور کبھی اللھم لک رکعت وبک اٰمنت ولک اسلمت خشع لک سمعی وبصری وعظمی وعصبی بھی پڑھا کرتے تھے بہرحال یہ دعائیں تہجد کی نماز کے بارے میں منقول ہیں۔

اس کے بعد آپ رکوع سے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سر اٹھاتے اور رفع یدین کرتے جیسا کہ گذر چکا ہے ان تین جگہوں میں رفع یدین کرنا آپ سے تیس نفوس نے روایت کیا ہے اور دس روایتوں پر اتفاق ہے۔ اس کے خلاف ثابت نہیں ہے جب تک آپ دنیا سے تشریف لے گئے یہی آپ کی عادت شریف رہی۔ اس بارے میں حضرت براء بن عازب کی حدیث آپ سے ثابت نہیں ہے اور حضرت ابن مسعود رضؓ کی روایت میں جو اس کا تذکرہ نہیں ہے اس کو انھوں نے ترک کر دیا ہوگا اور ابن مسعود رضؓ نے تو نماز والی روایات میں چند چیزوں کو چھوڑ دیا ہے مثلاً فعل تطبیق، افتراش دونوں سجدوں کے درمیان امام کا وقوف کرنا۔ فرض نماز کا گھر میں جماعت کے ساتھ بلا اذان واقامت کے پڑھنا۔ یہ چیزیں حضرت ابن مسعود رضؓ کی ہیں اس کے خلاف دوسری احادیث اتنی کثرت کے ساتھ موجود

ہیں اور سب کی سب صحیح ہیں ان احادیث کا کیا کیا جائے گا۔ لے

حضور صلعم جب رکوع سے اٹھتے تو کمر کو بالکل سیدھا کر لیتے تھے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے

لا تجزی صلوٰۃ لا یقیم فیھا	جو آدمی رکوع اور سجدہ سے اٹھنے میں کمر کو
الرجل صلبہٗ فی الرکوع والسجود	سیدھا نہ کرے اسکی نماز جائز نہیں ہے۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حضور صلعم جب سیدھے کھڑے ہو جاتے تو ربنا لک الحمد فرماتے اور اس طرح کہنا اللھم ربنا ولک الحمد یہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں ایسا ضرور ہوا ہے کہ کبھی آپ نے اللھم ولک الحمد اور کبھی ربنا ولک الحمد کہا ہے۔

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ اس رکن (قومہ) کو بقدر رکوع اور سجدہ طویل فرماتے تھے آپ سے یہ دعا بھی ثابت ہے "سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد ملأ السمٰوٰت وملأ الارض وملأ ماشئت من شئی بعد اھل الثناء والمجد احق ما قال العبد وکلنا لک عبد لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد"۔ آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کبھی کبھی یہ دعا بھی پڑھ لیتے تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ پر اعتراض کا رد لے

علامہ نے حضرت ابن مسعودؓ پر اعتراض قائم کیا ہے کہ انہیں نماز والی حدیث میں بھول ہو گئی۔ حالانکہ یہ غلط اور بہت زیادہ غلط ہے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ جن کی ۸۴۸ روایتیں محدثین نے لی ہیں جن میں سے ۶۴ روایتیں تو بخاری شریف میں موجود ہیں۔ اگر نسیان کا معاملہ ہے تو وہ احادیث بھی محل نسیان ہو سکتی ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق نہ ہو تو نسیان اور اپنی مرضی کے موافق ہو تو کچھ نہیں۔ اگر یہ بات ہے جیسا کہ علامہ نے فرمائی ہے۔ تو جامع ترمذی کی یہ روایت جس میں حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے "ابن ام عبد کے زمانے کے ساتھ تمسک کرو" گیا ایک بھولنے والے کی بات قابل تمسک ہو سکتی ہے؟ نیز صحیح بخاری شریف میں حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے۔

ان اشبہ الناس دلاً وسمتاً و	حضور صلعم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ وقار اور
ھدیاً برسول اللہ صلعم لابن ام عبد	میانہ روی اور سیدھے راستہ میں ابن ام عبد ہیں
من حین یخرج من بیتہ الی ان یرجع	جس وقت سے گھر سے نکلتے ہیں اور جس وقت تک گھر
الیہ لا ندری ما یصنع فی اھلہ اذا خلا	میں داخل ہوتے ہیں اور گھر کا حال معلوم نہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت میں چھ راوی ہیں جو سب کے سب ثقہ ہیں مثلاً (۱) عثمان بن ابی شیبہ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں (۲) وکیع یہ بھی صحاح ستہ کے راوی ہیں (۳) سفیان ثوری یہ بھی صحاح ستہ کے راوی ہیں (۴) عاصم بن کلیب ان کی توثیق امام احمد، ابو حاتم، ابن حبان، ابن شاہین، احمد بن صالح، ابن سعد، ابو داؤد نے کی ہے (۵) عبدالرحمٰن یہ بھی صحاح ستہ کے راوی ہیں (۶) علقمہ یہ بھی صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ بہر حال حضرت ابن مسعودؓ پر نسیان کا بے بنیاد الزام ہے۔ جس کو کہہ کر فریق مخالف راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے۔

اللهم اغسلنی من خطایای بالماء والثلج والبرد ونقنی عن الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وباعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب۔

حضور صلعم سے صحیح سند سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ رکوع میں لربی الحمد کی تکرار فرمایا کرتے تھے۔ آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اتنی دیر ٹھہرتے کہ گمان ہونے لگتا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں۔ چنانچہ امام مسلم نے حضرت انس رضؓ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم جب سمع اللہ لمن حمد کہتے تو اتنی دیر کھڑے رہتے کہ وہم ہونے لگتا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں۔ اس کے بعد آپ سجدہ فرماتے اور جب دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے تو پھر وہی وہم ہونے لگتا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں۔

صلوٰۃ کسوف میں صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد قومہ کو اتنا طویل کیا کہ جتنا بڑا رکوع تھا اور آپ کا رکوع اتنا بڑا تھا جتنا قیام۔ بہر حال یہ آپ کی سیرت ہے جس کا کوئی معارض موجود نہیں ہے۔ رہا حضرت براء ابن عازب رضؓ کی مذکورہ روایت کا معاملہ اس کو امام بخاری نے نقل کیا ہے لیکن اس حدیث میں حضرت براء ابن عازب رضؓ کو تشتت ہو گیا ہے۔ جہاں تک دوسری احادیث کا معاملہ ہے وہ بہت واضح ہیں ان سے یکسانیت ہی ثابت ہوتی ہے۔ بالفرض اگر قیام اور قعود کو مستثنا کیا جائے (یعنی رکوع کے بعد کا قیام اور سجدہ کے بعد کا قعود) تو اس سے ایک حدیث کا نقص لازم آتا ہے اس کی یہی تاویل کی جائے گی کہ قیام سے مراد قیام قرأت اور قعود سے مراد قعود تشہد ہے اور بلاشک یہ آپکی عادت شریفہ تھی کہ آپ انکو طویل فرماتے تھے۔ یہ ایک ایسی واضح رائے ہے جو دوسروں سے پوشیدہ رہی ہے ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے کہ ان دونوں رکعتوں کو چھوٹا کرنا یہ بنی امیہؓ کے زمانہ سے نماز میں شروع ہوا ہے۔ یہ ان لوگوں نے ایسی ہی بدعت شروع کی تھی جیسا کہ اتمام تکبیر وغیرہؓ اور دوسری بدعتیں انھوں نے شروع کیں ہیں۔"

حضور صلعم کے سجدہ کا بیان

اس کے بعد آپ تکبیر کہتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے اور اس مرتبہ آپ رفع یدین نہیں فرماتے تھے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ آپ اس مرتبہ بھی رفع یدین فرمایا کرتے تھے۔ اس حدیث کو محمد بن حزمؒ جیسے حفاظ نے صحیح قرار دیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ صرف وہم ہے راوی کو اس لفظ سے دھوکہ لگ گیا ہے۔[۲]

---

[۱] یعنی نماز کی ہر نقل و حرکت کیلئے تکبیر کہنا یہ دراصل ابن تیمیہ کا وہم ہے ورنہ علامہ ابن قیم نے جو روایات نقل فرمائی ہیں ان سے اس خیال کی تردید خود بخود ہو جاتی ہے آئندہ سطور میں وہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ [۲] جو وجہ ترک سجدہ میں ہے وہی وجہ ترک تکبیر تحریمہ کے علاوہ (باقی۔ نشا)

کان یکبر فی کل خفض و رفع و	آپ جھکنے اور اٹھنے کے وقت تکبیر کہتے اور ہر جھکنے او
کان یرفع یدیہ کل خفض و رفع	اٹھنے کے وقت رفع یدین کرتے۔

ابن حزم اگرچہ ثقہ ہیں لیکن وہ راوی کی اس غلطی پر واقف نہ ہو سکے اسی وجہ سے انھوں نے حدیث کو صحیح قرار دے دیا۔

حضور صلعم سجدہ میں جانے کیلئے پہلے زمین پر گھٹنے رکھتے پھر ہاتھ پھر پیشانی اور پھر ناک۔ امام شریک کی یہ روایت جو انھوں نے عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر سے روایت کی ہے صحیح ہے فرماتے ہیں:۔

رایت رسول اللہ صلعم اذا	میں نے حضور صلعم کو دیکھا ہے کہ وہ جب سجدہ کرتے
سجد وضع رکبتیہ قبل یدیہ واذا	تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھتے اور جب اٹھتے
نھض رفع یدیہ قبل رکبتیہ	تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رض کی حدیث میں ہے۔

اذا سجد احدکم فلا یبرک	جبکہ تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح
کما یبرک البعیر ولیضع یدیہ	نہ بیٹھے اور ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھنا
قبل رکبتیہ۔	چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے مگر میری رائے یہ ہے کہ اس روایت میں بعض راویوں کو وہم ہو گیا ہے کیونکہ حدیث کا اول جزو اس کے آخر کے بالکل خلاف ہے اسلئے کہ جب ہاتھوں کا گھٹنوں سے پہلے رکھنا پایا جائیگا تب ہی بروک (اونٹ کی بیٹھک) موجود ہو جائیگی اسلئے کہ اونٹ پہلے ہاتھوں کو بچھاتا ہے پھر گھٹنے ٹیکتا ہے مگر اس قول کے قائل کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے فوراً ہی یہ کہدیا۔

رکبتا البعیر فی یدیہ لا فی	اونٹ کے گھٹنے ہاتھوں میں ہوتے ہیں پیر
رجلیہ فھو اذا برک وضع رکبتیہ	میں نہیں اونٹ جب بیٹھتا ہے تو پہلے گھٹنے
اولاً ھذا ھو المنھی عنہ	رکھتا ہے اور یہ ممنوع ہے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں یہ تاویل چند وجہ سے فاسد ہے (۱) اونٹ جب بیٹھتا ہے تو پہلے ہاتھ بچھاتا ہے اور گھٹنے سیدھے کھڑے رکھتا ہے اور جب کھڑا ہوتا ہے تو پہلے پیر اٹھاتا ہے اور ہاتھ بدستور رکھتا ہے اسی سے حضور صلعم نے منع فرمایا ہے اور اس کے خلاف کیا ہے اسکے علاوہ زمین پر جسم کا وہی حصہ پہلے

گذشتہ سے پیوستہ ا۔ میں بھی ہے جو چاہے جواب دے۔ عزیز الرحمٰن غفرلہٗ

رکھا جائے گا جو زمین سے قریب ہے اور پہلے وہ حصہ اٹھایا جائے گا جو اعلیٰ ترین حصہ ہے چنانچہ آپ پہلے گھٹنے پھر ہاتھ پھر پیشانی زمین پر رکھتے تھے اور جب اٹھتے تو پہلے سر پھر ہاتھ پھر گھٹنے زمین سے اٹھاتے تھے یہ فعل اونٹ کے فعل کے خلاف ہے اور اسی سے آپ نے منع فرمایا ہے چنانچہ آپ نے نماز میں حیوانات کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا ہے مثلاً اونٹ، لومڑی، کتے کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے کوے کی طرح ٹھونگ مارنے اور سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا ہے اور اسوقت ہاتھ اٹھانے کو گھوڑوں کی دُم قرار دیا ہے[۱] بہرحال نمازی کی ہئیت جانوروں کی ہئیت کے بالکل برعکس ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے اونٹ کے گھٹنے ہاتھوں میں بتلائے ہیں یہ ایسی بات ہے جس کو کوئی انسان نہیں کہہ سکتا ہے اہل لغت تو بھلا ایسی بات کب کہہ سکتے ہیں۔ بالفرض اگر کسی نے ایسا کہا بھی ہے تو اس کو تغلیباً کہا جائے گا (۳) اگر یہی بات ہے تو پھر حدیث میں یہ کہا جاتا جیسے اونٹ بیٹھتا ہے ایسے بیٹھو" کیونکہ اونٹ کے اعضا میں سے سب سے پہلے ہاتھ ہی زمین سے لگتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ میں خاص بات یہ ہے کہ حضور صلعم نے اونٹ کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے لہٰذا حضرت برا ابن عازب کی حدیث درست ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ والی روایت کو رواۃ نے بالکل الٹ دیا ہے ان کو یہ خیال ہوا کہ شاید اونٹ پہلے گھٹنے ٹیکتا ہے اسی طرح حضرت ابن عمر رضؓ کی اس روایت کو راویوں نے بدل دیا ہے۔

ان بلالاً یوذن بلیلٍ فکلوا و	کہ حضرت بلال رات رہے اذان دیتے ہیں اس لئے
اشربوا حتی یوذن ابن ام مکتوم	جبتک ابن ام مکتوم اذان دیں کھاتے پیتے رہو

اصل روایت تو یہ ہے اب راویوں نے بدل کر یوں کر دیا۔

ابن ام مکتوم یوذن بلیل	ابن ام مکتوم رات رہے اذان دیتے ہیں جبتک بلال
فکلوا واشربوا حتی یوذن بلالؓ	اذان دیں اسوقت تک کھاتے پیتے رہو

اسی طرح بعض راویوں نے اس حدیث کو بھی بدل دیا ہے۔

لا یزال یلقی فی النار فتقول	دوزخ میں دوزخیوں کو ڈالا جاتا رہے گا اور
ھل من مزید	وہ زیادہ کی پکار لگائے گی

اس کے بعد کہا ہے۔

اما الجنۃ فینشئ اللہ لھا	رہا جنت کا معاملہ اس کے لئے اللہ نے ایک

---

[۱] یہ حدیث رفع یدین کے خلاف ہے معلوم نہیں اس کو اس مسئلہ میں کیوں نظر انداز کر دیا ہے۔ عزیز الرحمٰن غفرلہٗ

خلقا یسکنھم ایاھم — مخلوق پیدا کی ہے اسکو اس میں رکھا جائیگا

اس کی جگہ بدل کر کہدیا۔

اما النار فینشئی اللہ لھا خلقا یسکنھم ایاھا — رہا دوزخ کا معاملہ اسکے لئے اللہ نے ایک مخلوق پیدا کی ہے اسکو اس میں رکھا جائے گا۔

بہرحال میں نے ابوبکر بن ابی شیبہ کو دیکھا کہ انھوں نے بھی اس حدیث کو ایسے ہی نقل کر دیا چنانچہ انھوں نے سند ذکر کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضؓ کے توسط سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

اذا سجد احدکم فلیبدأ برکبتیہ قبل یدیہ ولا یبرک کبروک الفحل۔ — تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو ہاتھوں کے بجائے گھٹنوں سے ابتدا کرے اور اونٹ کی طرح نہ بیٹھے

اثرم نے اپنی سنن میں ابوبکر سے ایسے ہی روایت کیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضؓ نے بھی ایسے ہی روایت کیا ہے جیسا کہ حضرت وائل بن حجر نے روایت کیا ہے۔ چنانچہ ابن ابی داؤد نے متصل سند کے ساتھ حضرت ابی ہریرہ رضؓ کی یہ روایت اس طرح نقل کی ہے۔

ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا سجد بدأ برکبتیہ قبل یدیہ — حضور صلعم جب سجدہ کرتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں سے ابتدا فرماتے تھے۔

اور ابن خزیمہ نے اپنی کتاب میں مصعب بن سعد عن ابیہ کے توسط سے اس طرح روایت نقل کی ہے۔

کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فامرنا بالرکبتین قبل الیدین — ہم گھٹنوں سے پہلے زمین پر ہاتھ رکھا کرتے تھے تو ہمکو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھنے کا حکم دیا گیا۔

بہرحال اگر حضرت ابی ہریرہ رضؓ کی حدیث صحیح بھی ہے تو بھی اسکے متعلق یہی کہا جائیگا کہ وہ منسوخ ہے صاحب المغنی وغیرہ نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ اسکے علاوہ حدیث میں دو علتیں بھی موجود ہیں اول یہ کہ یہ روایت یحیٰی بن سلمہ بن کھیل کی روایت ہے جنکو معتبر نہیں سمجھا گیا ہے امام نسائی نے انکو متروک قرار دیا ہے اور ابن حبان نے انکو منکر بتلایا ہے اور ابن معین نے انکو لیس بشیٔ قرار دیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مصعب بن سعد کی روایت سے ایک تطبیق کی صورت پیدا ہو رہی ہے اور یہ روایت محفوظ بھی ہے لیکن صاحب المغنی نے جو اس قول کو اختیار کیا ہے یعنی نضع الیدین قبل الرکبتین الخ یہ انکا وہم ہے۔ صاحب المغنی کو نام میں دھوکہ لگ گیا ہے اسی وجہ سے انھوں نے براہ راست سعد سے یہ روایت نقل کر دی پھر انکو متن میں بھی دھوکہ ہوا ہے۔

اب رہا حضرت ابو ہریرہ رضہ کی حدیث کا معاملہ اس پر امام بخاری، ترمذی، دار قطنی نے تنقید کی ہے امام بخاری نے تو یہ فرمادیا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن حسن کا کوئی متابع موجود نہیں ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ انھوں نے ابی زناد سے سنا بھی ہے یا نہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ابی زناد کی یہ روایت بجز اس سند کے کسی دوسری سند سے منقول نہیں ہے۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ راوی اس میں منفرد ہیں، امام نسائی نے سند ذکر کرنے کے بعد نقل کیا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے جب
قال اذا قعد احدکم فی صلوٰتہ فیبرک	کوئی نماز میں بیٹھنے کا ارادہ کرے تو اونٹ
کما یبرک الجمل	کی طرح بیٹھے۔

اسکے سوا اور کوئی لفظ ذکر نہیں کیا۔ امام ابو بکر بن ابی داود نے فرمایا ہے کہ یہ ایسی سنت ہے کہ جسکو اہل مدینہ کے سوا کسی نے اختیار نہیں کیا۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں اسکی دو سند ہیں۔ ایک تو یہی اور دوسری سند یہ ہے عن عبداللہ عن نافع عن ابن عمر رضہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث جسکو اصبغ بن فرد نے سند کیساتھ نقل کیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ابن عمر رضہ بھی گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضور صلعم نے بھی ایسا ہی کیا ہے امام حاکم نے اسکو اپنی مستدرک میں محمد بن مسلمہ کی سند سے نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے لیکن اسی کے ساتھ امام حاکم نے حضرت انس رضہ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضور صلعم پہلے گھٹنے رکھا کرتے تھے۔ اس حدیث کو حاکم نے بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق بتلایا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث میں کوئی علت نہیں ہے۔ ابن قیم فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے اسکو منکر قرار دیا۔ غالباً وجہ نکارت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کی سند میں علا بن اسماعیل ہیں جو مجہول ہیں اور انکی روایت کو اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے نہیں لیا۔ بہر حال یہ تو حدیث کا معاملہ تھا اب حضرات صحابہ رضہ کے آثار بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عمر رضہ گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھا کرتے تھے۔ اس روایت کو عبدالرزاق، ابن منذر وغیرہ نے نقل کیا ہے اور یہی حضرت ابن مسعود رضہ سے مروی ہے اس کو امام طحاوی نے نقل کیا ہے جسمیں حضرت عمر رضہ کے متعلق منقول ہے۔

انہ خر بعد رکوعہ علی رکبتیہ	کہ وہ رکوع کے بعد جب سجدے میں جاتے تو پہلے
کما یخر البعیر ووضع رکبتیہ قبل	گھٹنے رکھتے جیسا کہ اونٹ بیٹھتا ہے اور گھٹنے

یدیہ ہاتھوں سے پہلے رکھتے۔

اسکے بعد اس روایت کو حجاج بن ارطاۃ کی سند سے حضرت ابن مسعود رضؓ کے متعلق ذکر کیا ہے کہ وہ ہاتھوں سے پہلے زمین پر گھٹنے رکھا کرتے تھے اور ابی مرزوق کی سند سے ذکر کیا ہے کہ مغیرہ نے ابراہیم سے دریافت کیا کہ ایک آدمی گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھتا ہے تو جواب دیا یہ آدمی احمق یا پاگل ہے جو ایسا کرتا ہے ابن منذر فرماتے ہیں اہل علم اس مسئلہ میں مختلف ہیں چنانچہ بعض نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضؓ پہلے گھٹنے رکھتے تھے اور پھر ہاتھ اسی کو امام نخعی، مسلم بن یسار، امام ثوری، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے اختیار کیا ہے اور اہل کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن اسکے خلاف ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھنا چاہیئے اسکو امام مالک نے اختیار کیا ہے یہی امام اوزاعی کا مسلک ہے۔ ابن ابی داؤد کا دعویٰ یہ ہے کہ اہل حدیث کا بھی مسلک ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت دوسری بھی نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اذا سجد احدکم فلا یبرک	تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو اونٹ
کما یبرک البعیر ولیضع یدیہ	کی طرح نہ بیٹھے بلکہ ہاتھوں کو گھٹنوں پر
علی رکبتیہ۔	رکھے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو اس سے یہ ثابت ہے کہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھنا چاہیئے۔ بہر حال حضرت وائل بن حجر کی حدیث چند وجوہ سے قابل قبول ہے اور اولیٰ ہے۔

حدیث وائل

(۱) حضرت ابوہریرہ رضؓ کے جو الفاظ ہیں وہ خطابی کا قول ہے (۲) حدیث ابی ہریرہ رضؓ متن کے اعتبار سے مضطرب ہے جیسا کہ اوپر مختلف الفاظ گذر چکے ہیں (۳) حدیث ابوہریرہ رضؓ پر امام بخاری، دار قطنی وغیرہ نے جرح کی ہے (۴) اگر یہ ثابت بھی ہو جائے تب بھی اہل علم نے اس کو منسوخ قرار دیا ہے جیسا کہ ابن منذر اور ہمارے علما نے کہا ہے (۵) یہ حدیث حضور صلعم کی نہی کے مطابق نہیں ہے اور حضرت وائل بن حجر کی حدیث منشائے نہی کے عین مطابق ہے (۶) حضرت وائل بن حجر کی حدیث آثار صحابہ رضؓ کے بھی مطابق ہے اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت صرف ابن عمر رضؓ کے مطابق ہے (۷) حدیث وائل کے دوسرے شواہد موجود ہیں اور حدیث ابی ہریرہ رضؓ کے شواہد نہیں ہیں اس اعتبار سے بھی حدیث وائل کو ترجیح حاصل ہے (۸) اکثر ائمہ کا یہی مسلک ہے اور حضرت ابوہریرہ رضؓ کی حدیث کے مطابق صرف امام اوزاعی اور امام مالک کا مسلک ہے رہا ابن ابی داؤد کا دعویٰ وہ بھی غلط ہے کیونکہ محدثین میں سے امام احمد، امام شافعی، امام اسحاق اس کے خلاف ہیں ہاں بعض محدثین کا مسلک

ضرور قرار دیا جا سکتا ہے (۹) حدیث وائل میں فعلی حکایت ہے جو اصولاً معتبر ہے (۱۰) جتنے افعال کی حکایت کی گئی ہے وہ عام طور سے صحیح ہیں اور ثابت ہیں۔

سجدہ کرنے کا طریقہ

حضور صلعم پیشانی اور ناک سجدہ میں زمین پر رکھدیتے تھے۔ آپ نے عمامہ کے پیچ پر سجدہ نہیں کیا چنانچہ کسی صحیح حدیث سے ایسا ثابت نہیں ہے ہاں عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں روایت کیا ہے۔

کان رسول اللہ صلعم یسجد علی کور عمامتہ[ل]	حضور صلعم عمامہ کے پیچ پر سجدہ کر لیتے تھے۔

یہ روایت عبداللہ بن محرز کی سند سے ہے جو کہ متروک ہیں ابو احمد نے اس کو حضرت جابر الجعفی کی سند سے روایت کیاہے اور اتفاق سے یہ بھی متروک ہیں اس طرح اس سند میں دو متروک جمع ہو رہے ہیں امام ابو داؤد نے مراسیل میں ذکر کیا ہے۔

ان رسول اللہ صلعم رأی رجلاً یصلی فی المسجد فیسجد بجبھتہ و قد اعتم علی جبھتہ فحسر رسول اللہ صلعم عن جبھتہ الخ	حضور صلعم نے ایک آدمی کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا کہ عمامہ پیشانی پر باندھے سجدہ کر رہا ہے آپ نے اس کا عمامہ اس کی پیشانی سے ہٹا دیا۔

جہاں تک حضور صلعم کا معاملہ ہے تو آپ اکثر زمین پر سجدہ کیا کرتے تھے اور آپ نے کھجور کے بوریئے چمڑے کے مصلے، اور کپڑے کے گدے پر بھی نماز پڑھی ہے۔ آپ جب سجدہ کرتے تھے تو ناک اور پیشانی زمین پر ٹیک دیتے تھے اور دونوں ہاتھوں کو بغلوں سے اس قدر علیحدہ رکھتے کہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگتی اور اگر بکری کا بچہ گذرنا چاہتا تو بسہولت گذر سکتا تھا آپ دونوں ہاتھوں کے پنجوں کو کانوں کی برابری میں رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت برا ابن عازب رضی کی روایت ہے کہ حضور صلعم جب سجدہ کرتے تھے تو ہاتھوں کو زمین پر رکھتے اور کہنیوں کو اٹھائے رکھتے تھے اور پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھتے اور ہاتھوں کے پنجوں کو کھلا رکھتے تھے انکی انگلیوں کو نہ زیادہ پھیلاتے اور نہ زیادہ ملاتے۔

ل عمامہ کے پیچ پر اس وقت سجدہ جائز نہیں ہے جب پیشانی پر بہت زیادہ پیچ ہوں اور پیشانی کو زمین کی سختی محسوس نہ ہوتی ہو لیکن اگر اتنے زیادہ پیچ نہ ہوں بلکہ معمولی طور پر ایک آدھ پیچ آ گیا ہو تو مضائقہ نہیں ہے روایت میں اسی چیز کو بتلایا گیا ہے لیکن دوسری روایت میں جو اس کا انکار ہے تو بیشک آپ کی عادت شریف عمامہ کے پیچوں پر سجدہ کرنے کی نہیں تھی جس صحابی رض کی پیشانی سے آپ نے عمامہ ہٹایا تھا ان کی پیشانی پر زیادہ پیچ ہوں گے اور اگر زیادہ بھی نہ ہوں تو خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ ع

ابن حبان کی صحیح میں موجود ہے کہ حضور صلعم جب رکوع کرتے تو گھٹنوں پر ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ رکھتے اور جب سجدہ کرتے تو انگلیوں کو ملائے رکھتے تھے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا کرتے تھے اور اسی کا آپ نے امر بھی فرمایا ہے۔ آپ سجدہ میں یہ بھی پڑھا کرتے تھے۔

اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی اور سبوح قدوس رب الملائکة والروح اور یہ بھی پڑھا کرتے تھے سبحٰنک اللھم وبحمدک لا الٰہ الا انت اور اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واعوذبک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ اللھم لک سجدت وبک امنت و لک اسلمت سجد وجھی للذی خلقه وصورہ وشق سمعه وبصرہ تبارک الله احسن الخالقین۔ اللھم اغفرلی ذنبی کلا وقه۔ وجله اوله واخرہ و علانیته وسرہ۔ اللھم اغفرلی خطیئتی وجھلی واسرافی فی امری وما انت اعلمه به منی۔ اللھم اغفرلی جدی وھزلی۔ وخطئ وعمدی وکل ذلک عندی اللھم اغفرلی ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت انت الٰھی لا الٰہ الا انت۔ اللھم اجعلنی فی قلبی نورًا وفی سمعی نورًا وفی بصری نورًا و عن شمالی نورًا وامامی نورًا وخلفی نورًا وفوقی نورًا وتحتی نورًا واجعلنی نورًا

بہر حال آپ نے دعا میں خوب کوشش کرنے اور گڑگڑانے کا حکم فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اس طرح دعا قبول ہوتی ہے۔ اب یہ بات کہ دعا سجدہ میں کرنی چاہیئے یا نہیں۔ ان دونوں چیزوں میں فرق ہے۔ حدیث کے پیش نظر یہ کہا جائیگا کہ دعا کی دو قسم ہیں ۱۔ دعا اور ثناء ۲۔ دعا اور سوال حضور صلعم نے سجدہ میں دونوں قسم کی دعا کی ہیں اور جس دعا کا حکم دیا ہے وہ بھی دونوں کو شامل ہے اس طرح قبولیت دعا کی بھی دو قسم ہیں ایک یہ کہ مطلوب حاصل ہو جائے دوسرے یہ کہ ثنا کی وجہ سے ثواب حاصل ہو۔ ان دونوں قسم کی قبولیت کے لئے آیت مبارکہ موجود ہے۔

اجیب دعوة الداع اذا دعانی۔ — جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو میں اس کی پکار کو لبیک کہتا ہوں۔

بہر حال یہ آیت مبارکہ بھی دونوں قسم کی قبولیت کو مشتمل ہے۔

گیارہواں باب

متفرقاتِ صلوٰۃ

قیام و سجود علما میں اختلاف ہے کہ قیام افضل ہے یا سجدہ۔ ایک جماعت نے قیام کے افضل ہونے کو بچند وجوہ ترجیح دی ہے مثلاً ۱ یہ کہ قیام کا ذکر افضل الذکر ہے[۱] اسلئے قیام بھی افضل الرکن ہے ۲ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قوموا للہ قانتین	اللہ کی تابعداری کیلئے کھڑے ہو جاؤ

۳ یہ کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

افضل الصلوٰۃ طول القنوت	افضل نماز طویل قیام والی ہے

جن حضرات کے نزدیک سجدہ قیام سے افضل ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد	سجدہ کی حالت میں بندہ خدا کے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک دوسری حدیث حضرت معدان بن ابی طلحہ رض کی ہے فرماتے ہیں

لقیت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلعم فقلت حدثنی بحدیث عسیٰ اللہ ان ینفعنی بہ فقال علیك بالسجود فانی سمعت رسول اللہ صلعم یقول مامن عبد یسجد للہ سجدۃ الارفع اللہ لہ بھا درجۃ	میں نے حضور صلعم کے غلام حضرت ثوبان سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ آپ مجھے کوئی ایسی حدیث بتلائیں ممکن ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع پہونچادے تو فرمایا اپنے لئے سجود کو لازم کرلو کیونکہ میں نے حضور صلعم سے سنا ہے جو بندہ خدا کو سجدہ کرتا ہے

---

[۱] سادات حنفیہ کے نزدیک قیام افضل ہے کیونکہ اسمیں افضل الذکر کلام اللہ کی قرأت ہوتی ہے علامہ نے بھی گذشتہ سطور میں یہی فرمایا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے۔

وحط عنه بها خطیئة   اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند
کرتا ہے اور ایک گناہ اس کا معاف کر دیا جاتا ہے۔

حضرت معدان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے حضرت ابو درداءؓ سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا تو انھوں نے بھی ایسا ہی فرمایا۔ اس کے علاوہ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی نے حضور صلعم سے آپ کے ساتھ جنت میں رہنے کے متعلق سوال کیا تو حضور صلعم نے ارشاد فرمایا

اعنی علی نفسك بكثرة السجود[1]   تم میری اعانت زیادہ سجدے کر کے کرو۔

(۴) یہ کہ سب سے پہلے سورہ اقراء کے آخر میں ارشاد ہے واسجد واقترب۔ یعنی سجدہ کرو اور قربت حاصل کرو۔ (۵) یہ کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے (۶) انسان جب سجدہ کرتا ہے تو اسکی حالت ارذل ترین حالت ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اشرف ترین حالت ہے اسی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کے اس حالت میں بہت قریب ہوتا ہے (۷) سجدہ سرِّ عبودیت ہے کیونکہ اس میں انسان کی ذلت ہے اسی وجہ سے "طریق معبد" اس جگہ کو کہا جاتا ہے جو پیروں سے بہت زیادہ روندی جاتی ہے یعنی ذلیل ترین جگہ، اور یہ ظاہر ہے کہ سجدہ کی حالت انسان کے لئے ذلیل ترین حالت ہے جو وہ خدا کے لیے اختیار کرتا ہے۔

تیسری جماعت کا کہنا ہے کہ رات میں طول قیام افضل ہے اور دن کو کثرت سجود افضل ہے اس جماعت کی دلیل یہ ہے کہ رات کی نماز کو اللہ تعالیٰ نے قیام لیل سے تعبیر فرمایا ہے "قم اللیل" یعنی رات کو قیام کر۔ اور حضور صلعم نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔

من قام رمضان ایمانًا و احتسابًا   جس نے رمضان المبارک میں ایمان و احتساب کے ساتھ قیام کیا۔

اسی وجہ سے قیام اللیل بولا جاتا ہے قیام النہار نہیں۔ علاوہ ازیں حضور صلعم کی عادت شریفہ تھی کہ رات کو گیارہ رکعت یا تیرہ رکعت[2] پڑھا کرتے تھے۔ بعض راتوں میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء کی قرأت فرمایا کرتے تھے یہی بات ہے کہ آپ سے دن کی نمازوں میں یہ چیز منقول نہیں ہے، ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ قیام ذکر (تلاوت قرآن) کی وجہ سے افضل ہے اور سجدہ اپنی ہئیت کی وجہ سے افضل ہے خلاصہ کلام یہ ہے ہئیت کے اعتبار سے سجدہ افضل اور ذکر کے اعتبار سے قیام افضل۔

---

[1] کثرت سجود سے مراد کثرت صلوٰۃ ہے صلوٰۃ میں قیام بھی موجود ہوتا ہے ایسا نہیں ہے کہ تنہا سجدہ ہی کو افضل قرار دیدیا گیا ہے اور محض سجدہ ہی پر اکتفا کرنا تو مکروہ ہے [2] یعنی آٹھ نفل اور تین وتر یا دس نفل اور تین وتر۔

حضور صلعم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جب طویل قیام فرماتے تو رکوع اور سجدہ کو بھی طویل کر دیتے تھے جیسا کہ آپ نے صلوٰۃ کسوف اور صلوٰۃ لیل میں کیا ہے اور جب آپ قیام میں تخفیف فرماتے تو رکوع اور سجدہ میں بھی تخفیف فرما دیتے تھے۔ یہی حال آپ کا فرائض میں تھا جیسا کہ حضرت برار بن عازب کی روایت ہے۔

کان قیامہ ورکوعہ وسجودہ و	آپ کا قیام رکوع، سجدہ اور اعتدال[1] تقریباً
اعتدالہ قریباً من السواء	برابر ہی ہوتے تھے۔

سجدہ سے سر اٹھانا

حضور صلعم جب سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو اس وقت رفع یدین نہیں فرماتے تھے اور ہاتھوں سے پہلے آپ سر اٹھایا کرتے تھے اور پھر دو زانوں پر اس طرح بیٹھتے تھے کہ بایاں پیر زمین پر بچھا لیتے تھے اور داہنا پیر کھڑا رکھتے تھے۔ امام نسائی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضٰ فرماتے ہیں۔ نماز کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ (جلسہ کی حالت میں دو زانوں بیٹھا جائے) داہنے قدم کو کھڑا رکھا جائے اور اس کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کر لیا جائے پھر بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھا جائے۔

حضور صلعم سے اس حالت میں اس جلسہ کے علاوہ دوسرا جلسہ منقول نہیں ہے۔[2] آپ بیٹھنے کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو رانوں کے اوپر اس طرح رکھتے تھے کہ پہنچے گھٹنوں پر اور ہاتھ رانوں پر ہوتے تھے۔ یعنی ہاتھوں کو رانوں پر بچھا لیتے تھے۔ پھر داہنے ہاتھ کی دو انگلیوں سے حلقہ بناتے اور انگشت شہادت کو حرکت دیتے اور اس کو اٹھا لیتے تھے۔ حضرت وائل بن حجر نے اسی طرح روایت کیا ہے لیکن امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضٰ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

ان النبی صلعم کان یشیر	حضور صلعم جب جلسہ میں دعا پڑھتے تو انگلی سے
باصبعہ اذا دعا ولا یحرکہا	اشارہ کر دیا کرتے تھے اور اسکو حرکت نہیں دیتے تھے۔

اس روایت میں جس قدر زیادتی ہے وہ محفوظ نہیں ہے۔ امام مسلم نے ایک طویل حدیث نقل کی ہے ... اس میں یہ زیادتی موجود نہیں ہے اس میں اس قدر ذکر ہے کہ "حضور صلعم جب نماز کے جلسہ میں بیٹھتے تو آپ اپنے بائیں قدم کو ران اور پنڈلی کے درمیان کر لیتے تھے یعنی اس کو بچھا لیتے تھے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر اور .... داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر رکھتے تھے اور انگلی سے اشارہ فرمایا کرتے تھے۔" ابوداؤد کی

---

[1] ارکان صلوٰۃ کی ادائیگی میں ایک سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے درمیان کے وقفہ کا نام اعتدال یا تعدیل ارکان ہے۔ [2] دو سجدوں کے بعد بیٹھنے کا نام جلسہ ہے اسکو امام شافعی صاحب سنت قرار دیتے ہیں۔ سادات حنفیہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ علامہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

حدیث میں نماز کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس سے سکوت ہے۔ بہر حال اگر یہ ذکر بھی ہو تو بھی حضرت وائل بن حجر کی حدیث ثابت ہے اور صحیح ہے اس لئے اسی کو اولیت حاصل رہے گی۔

امام ابو حاتم نے اپنی صحیح میں اس جلسہ کی دعا کو نقل کیا ہے کہ آپ اس حالت میں یہ پڑھا کرتے تھے۔ اللھم اغفر لی وارحمنی واجبرنی واھدنی وارزقنی اسی طرح سے حضرت ابن عباس رضؓ نے بھی روایت نقل کی ہے، حضرت حذیفہ نے صرف رب اغفر لی رب اغفر لی کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

حضور صلعم کی عادت شریفہ تھی کہ وہ اس رکن یعنی جلسہ کو بقدر سجدہ طویل کر دیتے تھے تمام روایات میں یہی موجود ہے۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقعد بین السجدتین حتے نقول قد اوھم	حضور صلعم دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھتے کہ ہمیں خیال ہونے لگتا شاید آپکو مغالطہ لگ رہا ہے۔

یہ سنت ہے جس کو لوگوں نے حضرات صحابہ رضؓ کے بعد ترک کر دیا ہے۔ حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضؓ کو ایک عمل کرتے دیکھا تھا جس کو میں تم میں نہیں دیکھتا ہوں وہ دونوں سجدوں کے درمیان اتنا بیٹھتے تھے کہ ہمیں خیال گزرنے لگتا تھا کہ شاید حضرت انس رضؓ بھول گئے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ سنت کا حکم تو یہ ہے کہ جو اس کا خلاف کرے اس کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہیئے[1]۔

دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہونا

اس کے بعد حضور صلعم بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت وائل بن حجر اور حضرت ابوہریرہ رضؓ نے نقل کیا ہے۔ مالک بن حویرث نے روایت کیا ہے کہ آپ اس وقت تک کھڑے نہ ہوتے تھے جب تک سیدھے نہ بیٹھ جاتے تھے۔ اس جلسہ کا نام جلسہ استراحت ہے۔ فقہاء نے اس کے متعلق اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ صلوٰۃ کی سنتوں میں سے ہے جس کو ادا کرنا ... چاہیئے یا نہیں۔ یا صرف جنکو (مثلاً بیمار، بوڑھے، کمزور) اس کی ضرورت ہو ان ہی کو جلسہ استراحت کرنا چاہیئے۔ امام احمد سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں ایک یہ کہ انھوں نے حضرت مالک بن حویرث کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا چنانچہ سند کے ساتھ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو امامہ رضؓ سے کھڑے ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا قدموں پر سیدھا کھڑا ہونا چاہیئے اسی طرح سے ابن عجلان کی روایت ہے۔

الغرض متعدد حضرات صحابہ رضؓ جنھوں نے حضور صلعم کی نماز کی کیفیت نقل فرمائی ہے انہوں نے اس جلسہ

---

[1] علامہ کی اس تصریح سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ جلسہ استراحت نہیں فرماتے تھے اور نہ ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر کھڑے ہوتے تھے حضرت حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔

استراحت کا ذکر کیا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حضور صلعم کی ہمیشہ کی عادت شریفہ ہوئی ہوتی تو تمام حضرات صحابہ رضو اس کو نقل کرتے (نہ یہ کہ بعض نے نقل کیا اور بعض نے نقل نہیں کیا) ہاں کبھی اتفاقاً یا ضرورۃً اگر ایسا کیا ہے تو اس سے اس کی سنیت ثابت نہیں ہو سکتی اور یہ جو کچھ میں نے تحریر کر دیا ہے نہایت گہری تحقیق ہے۔

دوسری رکعت کے لئے جب آپ کھڑے ہو جاتے تو سکوت نہیں فرماتے تھے بلکہ قرأت شروع کر دیتے تھے اس جگہ فقہاء نے اختلاف کیا ہے کہ اس وقت بھی تعوّذ (اعوذ باللہ الخ) کرنا چاہیئے یا نہیں۔ اس میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ چونکہ یہ افتتاح صلوٰۃ نہیں ہے اس وجہ سے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں امام احمد سے دو قول اور دو روائتیں اس بارے میں منقول ہیں۔ ان کے بعض اصحاب نے بیان کیا ہے اگر نماز کی تمام رکعتوں کی قرأت کو قرأت واحدہ قرار دیا جائے تو پھر ایک مرتبہ ہی استعاذہ کافی ہے اور اگر ہر رکعت کی قرأت کو مستقل قرأت قرار دیا جائے تو ہر رکعت پر استعاذہ کرنا چاہیئے۔

ان حضرات کا اس پر تو اتفاق ہے کہ استفتاح صلوٰۃ میں جو استعاذہ کیا جاتا ہے وہی پوری نماز کے لئے کافی ہے چنانچہ صحیح حدیث میں موجود ہے۔

اذا نهض الى الركعة الثانيه	جب آپ دوسری رکعت کیلئے اٹھتے تو قرأت
استفتح القرأة ولم يسكت	شروع فرما دیتے تھے اور سکوت نہیں فرماتے تھے

علاوہ ازیں ایک ہی دفعہ کیوں استعاذہ کافی ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ قرأتِ صلوٰۃ کے درمیان سکوت واقع نہیں ہوا ہے بلکہ مسلسل ذکر و تسبیح ہوتی رہی ہے اسلئے استعاذہ کی ضرورت نہیں تھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسری رکعت مثل پہلی ہی رکعت کے ادا فرماتے تھے ہاں چار چیزیں اس رکعت میں نہیں ہوتی تھیں (۱) سکوت (۲) استفتاح یعنی ثنا پڑھنا (۳) تکبیر تحریمہ (۴) اور پہلی رکعت کی برابر طویل ہونا۔ یہ چیزیں حضور صلعم اس دوسری رکعت میں نہیں کرتے تھے اور اس رکعت کو پہلی رکعت سے چھوٹا رکھتے تھے۔

قعدہ اور تشہد

حضور صلعم جب تشہد کے لئے قعدہ میں بیٹھتے تو داہنا ہاتھ داہنی ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھ لیتے تھے اور شہادت کی انگشت سے اشارہ فرماتے اور اس کو سیدھا کھڑا ہی نہ رکھتے بلکہ تھوڑا سا ٹیڑھا فرما لیتے تھے اور جیسا کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث میں گذر چکا ہے کہ آپ انگشت کو حرکت دیتے رہتے تھے اور ہاتھ کی انگلیوں سے حلقہ بنا لیتے تھے۔ اور انگشت شہادت کے ذریعہ (تشہد کے وقت عملی طور پر اس کا اظہار فرماتے تھے) اور ساتھ ہی انگلی پر نظر رکھتے ہوئے چشم مبارک سے بھی اشارہ فرما دیتے تھے یعنی انگلی کے اٹھنے کیساتھ ہی ساتھ ہی چشم مبارک سے

بھی یہی اظہار ...... فرماتے تھے)[1]

حضور صلعم کے جلسہ فرمانے (قعدہ میں بیٹھنے کی کیفیت) ایسی ہوتی تھی جیسا کہ دونوں سجدوں کے درمیان ہوتی تھی۔ اس حالت میں اس کیفیت کے علاوہ دوسری کیفیت (تورک وغیرہ کی) آپ سے منقول نہیں ہے۔ رہا حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کی اس حدیث کا حال (جس کو ابھی چند سطور پیشتر جلسہ کے بیان میں ذکر کیا جاچکا ہے) سو یہ حالت آپ قعدہ اخیرہ میں اختیار فرماتے تھے۔ بہر حال یہ دو حالتیں صحیحین میں صفت صلوٰۃ کے بارے میں حضرت ابو حمید کی حدیث میں مذکور ہیں یعنی

اذا جلس فی الرکعتین جلس	آپ جب دو رکعتوں میں بیٹھتے تو بائیں پیر
علی رجلہ الیسریٰ ونصب الاخریٰ	پر بیٹھتے اور دوسرے کو کھڑا کر لیتے اور جب
واذا جلس فی الرکعۃ الاخیرۃ قدم	رکعت اخیرہ میں بیٹھتے تو بائیں پیر کو ذرا آگے
رجلہ الیسریٰ ونصب الیمنیٰ وقعد	کر لیتے اور داہنے کو کھڑا رکھتے اور سرین پر بیٹھتے
علےٰ مقعدتہ[2]	تھے یعنی تورک فرماتے تھے۔

ابو حمید نے ذکر کیا ہے کہ داہنے پیر کو کھڑا رکھتے اور حضرت ابن زبیر رضؓ کی روایت میں ذکر ہے کہ بچھا لیتے تھے۔ یہ صرف قعدہ اخیرہ کے متعلق ہے رہا قعدہ اولیٰ کا حال تو اس کے متعلق کسی نے نہیں کہا اور امام مالک رضؓ کا

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی رحؒ نے اسکو بدعت لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے واللہ اعلم [2] تورک کی بحث علامہ ہی کے قلم سے پڑھنے کے بعد عرض ہے۔ تورک کا عمل حضور صلعم نے کبھی کبھی کیا ہے اور وہ بھی زمانہ اخیر میں عذر کی وجہ سے۔ لہٰذا عذر کی وجہ سے تورک جائز ہے لیکن بلا عذر تورک وہ محتاج دلیل ہے کیونکہ تورک والی حدیث میں اختلاف ہے جس کی بنا پر ائمہ میں بھی اختلاف ہوگیا ہے۔ جن روایات میں دو رکعت کے بعد تورک منقول ہے وہ دراصل دو ہی رکعت والی نماز تھی اور اس میں بھی عذر موجود تھا۔

تورک کا بیان

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحؒ افتراش کو مسنون فرماتے ہیں ان کے پاس حضرت وائل بن حجر رضؓ کی حدیث عن عاصم عن ابیہ کی سند سے موجود ہے۔ حضرت وائل بن حجر کی حدیث کو امام ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا ہے "فرماتے ہیں میں مدینہ منورہ آیا تو میں نے حضور صلعم کی نماز دیکھی تو جب آپ تشہد میں بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پیر بچھایا اور داہنا پیر کھڑا کیا" امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے (ترمذی)

حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث جو مسلم ابی الجوزا کے واسطے سے ہے وہ بھی امام صاحب کے مسلک کی تائید میں ہے فرماتی ہیں" کان یفترش رجلہ الیسریٰ وینصب رجلہ الیمنیٰ" یعنی آپ الٹا پیر بچھا لیتے اور سیدھا پیر کھڑا رکھتے تھے اس کے علاوہ ایک حدیث احمد بن رفاع بن رافع کی ہے کہ حضور صلعم نے ایک اعرابی کو فرمایا کہ جب تو (تشہد) میں بیٹھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھو۔ نسائی نے ابن عمر رضؓ کا قول نقل کیا ہے من سنۃ الصلوٰۃ ان ینصب القدم الیمنیٰ ویستقبل باصابعھا القبلۃ ویجلس علے الیسریٰ۔ بہر حال سنت افتراش ہے اور تورک والی حدیث بڑھاپے کے عذر کی طرف مشیر ہے واللہ اعلم۔

مسلک یہ ہے کہ وہ دونوں جگہ تورک کو کہتے ہیں اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ آپ دونوں جگہ یہی کرتے تھے۔ کہ آپ کا پائے چپ بچھا ہوا اور پائے راست کھڑا ہوتا تھا۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ آپ اس قعدہ میں تورک فرماتے جس میں سلام ہوتا ہے اور جس میں سلام نہیں ہوتا یعنی قعدہ اولیٰ میں تورک نہیں فرماتے تھے یہی قول امام شافعی صاحب کا ہے اور امام احمد کے نزدیک ہر اس نماز کے قعدہ اخیرہ میں تورک ہے جس میں تشہد ہے

حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اول تو اس میں اختلاف ہے کہ کس قدم مبارک کو کھڑا رکھتے اور کس کو بچھاتے یا تھوڑا آگے سرکاتے یعنی ان کی یہ روایت مضطرب ہے اور اگر مضطرب بھی نہ ہو تو پھر اس روایت کا یہی مطلب ہوگا جو حضرت ابوحمید کی روایت کا مطلب ہے اس طرح دونوں قول صحیح ہوجائیں گے دوسرے یہ کہ حضور صلعم نے دونوں قسم کا عمل کیا کبھی یہ اور کبھی وہ۔

تشہد کا بیان

اس جلسہ میں حضور صلعم ہمیشہ تشہد پڑھا کرتے تھے اور اپنے اصحاب رضہ کو بھی یہی سکھایا کرتے تھے وہ تشہد یہ ہے۔

التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہ والسلام علینا وعلےٰ عباداللہ الصالحین اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔

امام نسائی نے ابی زبیر کی حدیث بروایت حضرت جابر رضہ نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضور صلعم ہمیں تشہد اسی طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح قرآن پاک کی سورت سکھایا کرتے تھے (اس میں شروع میں اتنا اضافہ اور ہے) بسم اللہ وباللہ التحیات الخ (اور آخر میں یہ اضافہ ہے) اسال اللہ الجنۃ واعوذ باللہ من النار۔ اس حدیث کے علاوہ کسی دوسری حدیث میں تسمیہ کا ذکر نہیں ہے اس حدیث میں ایک کمزوری اس . . . کے علاوہ بھی ہے کہ ابوزبیر نے اس میں عنعنہ نہیں کیا۔

اس تشہد میں حضور صلعم بہت تھوڑا بیٹھتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ گرم پتھر پر بیٹھے ہیں یعنی بہت جلدی اٹھ جاتے تھے۔ آپ سے منقول نہیں ہے کہ آپ نے اس تشہد میں اعوذ باللہ من عذاب القبر وعذاب النار وفتنۃ المسیح الدجال پڑھا ہے جن حضرات نے ایسا سمجھا ہے انھوں نے محض عمومیت پر قیاس کرلیا ہے ہاں آخری تشہد میں یہ ہوسکتا ہے[1]

---

[1] حضرات حنفیہ کے یہاں یہ بھی جائز نہیں اس لئے کہ جب ثابت نہیں تو جائز بھی نہیں۔ تعجب ہوتا ہے اسکے باوجود حنفیہ پر قیاس کا الزام ہے۔ عزیز الرحمن غفرلہ۔

تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہونا

اس تشہد کے بعد حضور صلعم تیسری رکعت کے لئے بالکل سیدھے (جیسا کہ گذر چکا ہے) گھٹنوں پر سہارا لیتے ہوئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ مسلم شریف میں روایت موجود ہے۔

انہ کان یرفع یدیہ فی ھذا الموضع	حضور صلعم اس وقت بھی رفع یدین فرمایا کرتے تھے۔

بخاری شریف کے بعض طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادتی یعنی اضافہ متفق علیہ نہیں ہے بلکہ اکثر روایتوں میں اس کا ذکر بھی نہیں ہے حضرت ابو حمید الساعدی رضہ کی حدیث میں نہایت تفصیل اور تصریح سے موجود ہے کہ

حضور صلعم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے تکبیر کہتے پھر مونڈھوں تک دونوں ہاتھ اٹھاتے اور ہر عضو کو اپنی جگہ پر اصلی حالت میں رکھتے پھر قرأت فرماتے پھر دونوں ہاتھونکو مونڈھوں تک اٹھاتے پھر رکوع فرماتے اور دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھتے سر کو نہ زیادہ اٹھاتے اور نہ جھکاتے۔ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے اٹھتے اور رفع یدین فرماتے۔ الخ۔

پھر جب دو رکعتوں کے بعد کھڑا ہوتے رفع یدین فرماتے۔ الخ۔

علامہ نے اس حدیث کو اسی طرح آخر تک بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اس حدیث کو امام حاتم نے اپنی صحیح میں اور امام مسلم نے نقل کیا ہے امام ترمذی نے حضرت علی رضہ کی سند سے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔

انہ کان یرفع یدیہ فی ھذہ المواطن ایضاً ثم یقراء الفاتحۃ وحدھا	آپ ان جگہوں میں رفع یدین فرمایا کرتے تھے۔ پھر تنہا سورہ فاتحہ کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔

حضور صلعم سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور پڑھا ہے[1] امام شافعی اور دوسرے حضرات نے اس جگہ بھی سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورتوں کی قرأت مستحب قرار دی ہے۔ انھوں نے حضرت ابو سعید رضہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ہم نے حضور صلعم کا ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام بقدر الم تنزیل اندازہ کیا اور اس کی آخری دو رکعتوں میں اس کا آدھا اندازہ کیا اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے برابر اور آخر کی دو رکعتوں میں اسکا آدھا

---

[1] امام اعظم ابو حنیفہ رح کا مسلک یہی ہے کہ وہ آخری دو رکعتوں میں صرف قرأت سورہ فاتحہ کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ آئندہ سطور میں علامہ نے اس کو مدلل ثابت کیا ہے۔

اندازہ کیا ہے لیکن حضرت ابو قتادہ کی روایت اس سے بہت زیادہ واضح اور متفق علیہ ہے حضرت ابو قتادہ رض فرماتے ہیں حضور صلعم ہم کو نماز پڑھایا کرتے تھے اور ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سی بھی دو سورتیں قرأت فرماتے تھے اور کبھی کبھی اس کی کوئی آیت ہمیں سنا بھی دیتے تھے (تاکہ ہمیں ان نمازوں میں قرأت کی کیفیت معلوم ہو جائے) امام مسلم نے اس حدیث میں اس قدر زیادتی اور بیان کی ہے کہ آخر کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ ہی کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔

بہر حال یہ دونوں روایتیں اس مسئلہ میں غیر صریح ہیں کیونکہ حضرت ابو سعید رض والی روایت میں تو صرف اندازے کو بیان کیا ہے وہ حضور صلعم کی فعل کی تفسیر نہیں ہے۔ اب رہا حضرت ابو قتادہ رض کی حدیث کا معاملہ، سو اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آپ صرف سورۂ فاتحہ ہی پر اقتصار فرمایا کرتے ہوں اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آپ آخر کی دو رکعت میں مثل پہلی دو رکعت کے قرأت فرمایا کرتے ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کی قرأت تو ہر رکعت میں فرمایا کرتے تھے اس وجہ سے حضرت ابو قتادہ رض کی حدیث معرض تقسیم میں آگئی جس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ آپ پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ اور سورت بھی پڑھا کرتے تھے اور آخر کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ تو خاص طور سے پڑھا کرتے تھے اور دوسری سورت کا معاملہ معرض سکوت میں ہے) جس سے یہ نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے کہ کبھی کبھی آپ نے آخر کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ سے کچھ زیادہ بھی پڑھا ہے۔

نتیجہ کے طور پر آپ کی سیرت مقدسہ کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ جس طرح آپ کی عادت شریفہ تھی کہ فجر میں طویل قرأت فرماتے اور کبھی تخفیف بھی کر دیتے اور مغرب میں تخفیف فرماتے اور کبھی طویل بھی فرماتے اور فجر کی نماز میں ترک قنوت فرماتے لیکن کبھی پڑھ بھی دیتے تھے[1]۔ ایسے ہی ظہر و عصر میں خاموش طور پر قرأت کرنے کی عادت تھی لیکن کبھی کبھی کوئی آیت سنا بھی دیتے تھے۔ ایسے ہی بسم اللہ کو جہراً نہ پڑھنے کی عادت تھی لیکن کبھی زور سے بھی پڑھ دیتے تھے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ آپ کی عادت شریفہ نہیں تھی البتہ کبھی کبھی ضرور کر لیتے تھے اور وہ بھی کسی مصلحت یا عارضہ کی بنا پر مثلاً ایک مرتبہ حضور صلعم نے ایک جاسوس کو خبر لانے کیلئے بھیجا اور خود نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے اور جس طرف سے اس قاصد کو خبر لیکر واپس ہونا تھا اس طرف کو بھی دیکھ لیتے تھے۔ تو اس فعل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی آپ کی عادت تھی۔ اسی التفات کے متعلق آنحضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

---

[1] قنوت فجر آپ نے پابندی کے ساتھ نہیں پڑھی بلکہ مخصوص حالت میں بعض دفعہ پڑھی ہے۔ حنفیہ حضرات بھی ان ہی مواقع اور ضروریات میں اس کو مسنون قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی صاحب اس کو پابندی کے ساتھ نماز فجر کی سنت قرار دیتے ہیں۔ حنفیہ کی علامہ کے الفاظ "کبھی کبھی" سے نہایت عمدہ طور پر تائید ہو رہی ہے۔

نماز میں التفات

عن عائشہ رضؓ قالت سالت رسول اللہ صلعم عن الالتفات فی الصلوٰۃ قال ھو اختلاس یختلسہ الشیطان من صلاۃ العبد

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپؐ سے نماز میں التفات کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اچک، ہے شیطان بندے کی نماز میں سے کچھ اچک لیتا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت سعید بن مسیب کے واسطہ سے حضرت انس رضؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

یا بنی ایاک والالتفات فی الصلوٰۃ فان الالتفات فی الصلوٰۃ ھلکۃ فان کان لابد ففی التطوع لا فی الفرض

اے بیٹے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچ کیونکہ نماز میں یہ فعل ہلاکت ہے اور اگر ضرورت ہو تو نفل میں اجازت ہے فرض میں نہیں۔

اس حدیث میں دو علت موجود ہیں ایک یہ ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ کی حضرت انس رضؓ سے روایت معروف نہیں ہے (یعنی حضرت سعید بن مسیب، کا حضرت انس رضؓ کے واسطہ سے روایت کرنا محل نظر ہے) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہیں (جو ضعیف ہیں) علاوہ ازیں اس حدیث کو امام بزار نے مسند کے علاوہ یوسف بن عبد اللہ بن سلام عن ابی الدرداء اس طرح روایت کیا ہے۔

لاصلوٰۃ للملتفت

التفات کرنیوالے کی نماز نہیں ہے۔[1]

ان ہی احادیث کے ساتھ حضرت ابن عباس رضؓ کی ایک روایت اور بھی موجود ہے وہ یہ کہ

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم یلحظ فی الصلوٰۃ یمیناً و شمالاً ولا یلوی عنقہ خلف ظھرہ

آپ نماز میں دائیں بائیں کن انکھیوں سے دیکھ لیتے تھے اور اپنی گردن کو پشت کی طرف نہیں موڑتے تھے۔[2]

(یعنی گوشہ چشم سے تو دیکھ لیتے تھے گردن موڑ کر نہیں دیکھتے تھے) یہ حدیث ثابت نہیں ہے امام ترمذی نے فرمایا ہے یہ حدیث غریب ہے اور خلال نے فرمایا ہے کہ مجھے میمون نے خبر دی ہے کہ ابو عبد اللہ

---

[1] سادات حنفیہ کے نزدیک تمام نمازوں میں التفات مکروہ ہے ہاں ضرورۃً جائز بھی ہے جیساکہ مندرجہ حدیث سے ثابت ہے امام ابوداؤد نے التفات کی مذمت میں ایک حدیث اور بیان کی ہے وہ یہ کہ آدمی جب تک نماز میں ادھر ادھر ملتفت نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے اس حدیث سے ضمناً التفات کی مذمت ثابت ہے (بذل المجہود ص ۳ ج ۲)

[2] حضرت حنفیہ کے یہاں ضرورۃً التفات جائز ہے لیکن گردن کو موڑ کر ادھر ادھر دیکھنا جائز نہیں ہے جیساکہ مذکورہ حدیث سے بھی ثابت ہے۔

سے بعض لوگوں نے بیان کیا۔

کان النبی صلعم یلاحظ فی الصلوٰۃ	کیا حضور صلعم نماز میں گوشہ چشم سے دیکھ لیتے تھے۔

یہ سنکر بہت شدت کے ساتھ انھوں نے اس کا انکار کیا اور اتنا غصہ ہوئے کہ چہرے کا رنگ بدل گیا اور جسم میں حرکت پیدا ہوگئی۔ میں نے ایسی حالت میں ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا اور اس کے بعد انھوں نے فرمایا کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے اس کو بجز سعید بن مسیب کے کسی اور نے روایت نہیں کیا۔ علامہ فرماتے ہیں کہ بعض احباب نے مجھ سے کہا کہ ابو عبداللہ اس حدیث کو کمزور بتلاتے تھے[۱] اس لئے کہ یہ حدیث روا عن رجل عن سعید ہے عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے حسان بن ابراہیم کی حدیث اپنے والد کے سامنے عبدالملک کوفی کے حوالہ سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا میں نے علاء سے سنا ہے اور انھوں نے ابی امامہ اور واثلہ سے سنا کہ

کان النبی صلعم اذا قام الی الصلوٰۃ لم یلتفت یمیناً ولا شمالاً ورمیٰ ببصرہٖ فی موضع سجودہٖ	حضور صلعم جب نماز پڑھتے تو دائیں اور بائیں نہیں دیکھتے تھے اور اپنی آنکھ کو سجدہ کی جگہ رکھتے تھے۔

اس حدیث کا انھوں نے صراحۃً انکار کیا اور فرمایا کہ مجھے اس میں شک ہے۔ الحاصل احمد نے بھی اس حدیث اور پہلی حدیث دونوں کا انکار کیا ہے ہاں اتنا فرق ہے کہ پہلی حدیث کے انکار میں شدت ہے کیونکہ اس میں سند اور متن دونوں اعتبار سے خرابی ہے اور دوسری حدیث میں صرف سند کی کمزوری ہے۔ بالفرض اگر پہلی حدیث ثابت بھی ہوجائے تو اس کو زیادہ سے زیادہ حکایتِ فعل قرار دیا جائیگا جس کی یہی تاویل ہوگی کہ نماز کی کسی مصلحت کی بنا پر ایسا کرتے ہوں گے جیسا کہ نماز کی حالت میں آپ کا کلام کرنا، سلام کرنا، اور اس وقت حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ذوالیدین نماز میں موجود تھے۔ تو یہ واقعہ بھی نماز یا مسلمانوں کی مصلحت کے لئے ظہور میں آیا۔

ایسے ہی امام ابو داؤد نے ابو کبشہ السلولی کی روایت سہیل بن الحنظلیہ کے واسطہ سے بیان کی ہے کہ ایک دفعہ صبح کی نماز پڑھی جارہی تھی حضورؐ نماز پڑھا رہے تھے اور آپ گھاٹی کی طرف کو دیکھتے جاتے تھے امام ابو داؤد نے اس جگہ فرمایا

کان ارسل فارساً الی الشعب	آپ نے گھاٹی کی طرف رات کو پہرہ دینے

---

[۱] اگرچہ اس حدیث اور بیان میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر جن راویوں نے التفات کے متعلق حدیث بیان کی ہے اس سے صرف ضرورت اور امر اتفاقی کی نشان دہی ہوتی ہے۔

من اللیل یحرس

کے لئے ایک سوار بھیجا تھا

اس سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ التفات جہاد میں مشغولیت کی وجہ سے تھا اور جہاد عبادت ہے گویا ایک عبادت دوسری عبادت میں ادا ہو رہی تھی جیسا کہ صلوٰۃ خوف میں نماز اور جہاد دونوں چیزیں موجود ہیں اسی کے قریب قریب حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے۔

انی لاجھز جیشی وانا فی الصلوٰۃ

میں نماز میں ہونے کے باوجود اپنے لشکر کا انتظام کیا کرتا ہوں۔

یہ صورت جہاد اور نماز دونوں کے مجتمع ہونے کی ہے اسی کی مثال نماز پڑھتے ہوئے معانی قرآن میں غور و فکر کرنا اور اس سے علمی مسائل کا استخراج کرنا ہے اس صورت میں نماز اور علم دونوں عبادتیں جمع ہیں بہر حال یہ التفات ایک جدا چیز ہے اور غافل لوگوں کا التفات ایک علیحدہ چیز ہے۔

(بات دور چلی آئی) اصل کلام یہ ہے کہ حضور صلعم چار رکعت والی نماز میں پہلی دو رکعت کو طویل کیا کرتے تھے۔ اور پہلی رکعت کو دوسری رکعت کے مقابلہ میں طویل رکھتے تھے اسی وجہ سے حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا۔

اما انا فاطیل فی الاولیین واحذف فی الاخریین

ہم بھی پہلی دو رکعتوں کو طویل کرینگے اور آخر کی دو رکعتوں میں اختصار کرینگے

حضور صلعم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ آپ صبح کی نماز کو تمام نمازوں سے زیادہ طویل کرتے تھے جیسا کہ گذر بھی چکا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ارشاد فرماتی ہیں۔

فرض اللہ الصلوٰۃ رکعتین رکعتین فلما ھاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید فی صلاۃ الحضر الا فی الفجر فانھا اقرت علے حالہا من اجل طول القرأۃ و المغرب لانہا وتر النہار

اللہ تعالیٰ نے دو دو رکعتیں فرض کی ہیں جب حضور صلعم نے ہجرت فرمائی تو حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا مگر فجر کی نماز کو علی حالہٖ طول قرأت کی بنا پر باقی رکھا گیا مغرب کو بھی اپنی حالت پر باقی رکھا گیا اس لئے کہ وہ دن کا وتر ہیں۔

اس روایت کو ابو حاتم ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری شریف میں موجود ہے حضور صلعم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ آپ اول رکعت کو طویل کیا کرتے تھے جیسا کہ صلوٰۃ کسوف میں آپ نے کیا تھا اور رات کے قیام میں آپ ... دو رکعت ... طویل پڑھتے تھے پھر ان سے کچھ کم طویل اور پھر

ان سے کچھ کم طویل اور آپ اس کے خلاف نہیں کرتے تھے۔

آپ رات کی نماز کی ابتدا دو مختصر رکعات سے فرماتے تھے[۱] اور آپ نے اس کا حکم بھی دیا ہے اسلئے کہ دو رکعتیں قیام لیل کے لئے مفتاح کی حیثیت میں ہیں جیسا کہ صبح کی نماز کے لئے سنت فجر ہیں۔

اسی طرح آپ کبھی وتر کے بعد بھی دو رکعتیں کبھی بیٹھ کر[۲] اور کبھی کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے باوجودیکہ آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا — اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ

یہ ارشاد ان دونوں (نفل) کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ مغرب کی نماز کے بعد کی سنتیں اس کیلئے شفعہ ہیں اسی طرح رات کے وتر کے بعد کی دو رکعت ہیں ——— جیسا کہ مغرب (دن کے وتر) کے بعد کی دو سنتوں کی حیثیت ہے اسی وجہ سے حضور صلعم نے جب مغرب کے فرضوں کی محافظت فرمائی تو اسکی سنتوں کی بھی محافظت فرمائی اسی طرح وتر کے بعد کی نوافل کی بھی محافظت فرمائی۔ یہ دلیل ان کے اعتبار سے ہے جو وتر کو واجب قرار دیتے ہیں۔ باقی اس سے زیادہ کلام ان دو رکعتوں کے متعلق آئندہ سطور میں آئے گا دراصل یہ ایک ایسا بہترین مسئلہ ہے کہ ہم نے جتنا بہترین کلام اس مسئلہ پر کیا ہے کسی دوسری کتاب میں ایسا کلام نہ ملے گا و باللہ التوفیق[۳]

قعدۂ اخیرہ

جب آپ قعدۂ اخیرہ میں بیٹھتے تو اس طرح تورک فرماتے کہ دونوں قدموں کو ایک طرف نکال لیتے اور سرینوں پر بیٹھ جاتے۔ تورک کے تین طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے، امام ابوداؤد نے حضرت ابی حمید الساعدی کی ایک روایت ابن لہیعہ کی سند سے اور ابوحاتم نے ابن لہیعہ کی سند کے علاوہ ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے۔

---

[۱] یہ دو رکعتیں غالباً تحیۃ الوضو ہوتی تھیں احادیث میں ایسا ہی موجود ہے [۲] وتر کے بعد کی دو نفل عام طور سے آج کل بیٹھ ہی کر پڑھتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضور صلعم نے انکو بیٹھ کر پڑھا ہے حالانکہ یہ صرف حضور صلعم کی تخصیص ہے۔ امت کیلئے تو آپ نے قاعدہ کلیہ بیان فرما دیا ہے کہ قاعد کی نماز . . . ثواب کے اعتبار سے آدھا درجہ رکھتی ہے (فتح القدیر باب الوتر) بعض اصحاب درس نے ارشاد فرمایا ہے جو حضرات ان دو رکعات کو بیٹھ کر صرف اس غرض سے پڑھتے ہیں کہ حضور صلعم نے ان کو بیٹھ کر پڑھا ہے۔ ان کو بیٹھ کر نفل پڑھنے کا آدھا ثواب تو ملے ہی گا مگر ساتھ میں، اتباع سنت کا ثواب ملے گا۔ مگر میری ناقص رائے یہ ہے کہ اتباع سنت میں اس پس منظر کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ حضور صلعم وتر ہمیشہ آخری شب میں پڑھا کرتے تھے اور قیام لیل کی وجہ سے پائے مبارک ورم کر جاتے تھے اس کے بعد آپ وتر پڑھتے اور دو نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے اگر اتباع سنت مقصود ہے تو پھر اتباع سنت کا محل بھی دیکھنا چاہیئے۔ پھر خصائص میں اتباع سنت بھی محل نظر ہے واللہ اعلم بالصواب [۳] علامہ کی یہ دلیل حضرات حنفیہ کے عین مطابق ہے اسلئے کہ وہ وتر کو واجب ہی قرار دیتے ہیں۔

[۴] اس مسئلہ پر ہم تفصیلی کلام کر چکے ہیں اور ابن لہیعہ کے بارے میں بھی ذکر کر چکے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں اس کے علاوہ روایات کے اضطراب سے خود یہ بات ظاہر ہے کہ جو حضرات تورک کے قائل ہیں ان کے پاس قوی دلائل موجود نہیں ہیں، ہمارا تفصیلی کلام گذشتہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

تورک کا دوسرا طریقہ امام بخاری نے ابو حمید الساعدی کی روایت سے نقل کیا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں۔

واذا جلس فی الرکعۃ الآخرۃ	جب آپ آخری رکعت میں بیٹھتے تو بائیں قدم
قدم رجلہ الیسری ونصب الیمنی و	کو نکال لیتے تھے اور دائیں قدم کو کھڑا رکھتے
قعد علی مقعدتہ	اور سرین پر بیٹھ جاتے تھے۔

یہ روایت بیٹھنے کے بارے میں پہلی روایت کے موافق ہے۔ پہلی روایت میں دونوں قدموں کی ہیئت کے بارے میں جو مذکور ہے اس سے تعرض نہیں کیا ہے۔ تیسرا طریقہ اس کو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت سے نقل کیا ہے۔

کان یجعل قدمہ الیسری بین	آپ اپنے بائیں قدم کو ران اور پنڈلی کے
فخذہ وساقہ ویفترش قدمہ	درمیان کر لیتے اور دائیں پیر کو بچھا
الیمنی	لیتے تھے۔

تورک کی اس کیفیت کو ابو القاسم حربی نے اپنی کتاب میں اختیار کیا ہے۔ یہ طریقہ پہلے دونوں طریقوں کے خلاف ہے ممکن ہے کہ کبھی آپ ایسا کرتے ہوں اور کبھی ویسا کرتے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راویوں سے نقل کرنے میں اختلاف ہو گیا ہو۔ بہرحال تورک آپ قعدۂ اخیرہ ہی میں فرمایا کرتے تھے۔

امام احمد اور آپ کے تبعین نے ارشاد فرمایا ہے کہ "یہ تورک ان ہی نمازوں میں ہے جن میں دو قعدے ہیں آخری قعدہ اور پہلے قعدہ میں اس ہیئت کی بنا پر فرق ہے کیونکہ پہلا قعدہ کے بعد اٹھنا ہوتا ہے اسوجہ سے اس میں تورک نہیں اور دوسرے قعدہ میں اطمینان سے بیٹھنا ہوتا ہے اس وجہ سے اس میں تورک ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابو حمید الساعدی نے حضور صلعم کے جلسہ کی یہ کیفیت تشہد ثانی کے متعلق ذکر کی ہے اور تشہد اول کے متعلق ذکر کیا ہے کہ آپ مفترشا بیٹھا کرتے تھے اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔

فاذا جلس فی الرکعۃ الرابعۃ	آپ چوتھی رکعت میں جب بیٹھتے

اور بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔

حتی اذا کانت الجلسۃ التی	جب وہ جلسہ آتا جس میں سلام پھیرا جاتا ہے
فیھا التسلیم اخرجہ رجلیہ وجلس	تو آپ اپنے دونوں قدم نکال لیتے اور آپ
علی شقہ متورکاً	ایک جانب کو ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے۔

ان احادیث سے وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جو قعدہ اخیرہ میں تورک کے مشروع ہونے کو کہتے ہیں

یہی قول امام شافعی صاحب کا ہے جس میں صراحۃً موجود نہیں ہے ہاں سیاق حدیث سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا صرف چار اور تین رکعت والی نماز کے قعدہ اخیرہ میں کیا جاتا تھا۔
